

# صَلَاةُ رَحْمَةِ الرَّحْمَنِ

زیر سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہان، خواجہ خواجگان، قطب العالم،  
فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

المعروف افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار

فی سبیل اللہ

NOT FOR SALE

Marfat.com

# کلامِ محمدی

زبیر پستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شباب، خواجہ خواجگان، قطبِ العالم،  
فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادی پستی، صابری نظامی، قلمندری

المعروف افضل شکر کار

پبلشرز: پشتیبہ صابریہ عارفیہ نوریہ ۶۷-۶۸ بلاک ۷/۸ اور سینر ہاؤسنگ سوسائٹی - کراچی

نام کتاب \_\_\_\_\_ صدائے رحمت الہی  
 ترتیب و پیشکش \_\_\_\_\_ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی  
 ناشر \_\_\_\_\_ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

| تعداد | تاریخ اشاعت  |
|-------|--|
| ۳۰۰۰  | شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ جون ۲۰۱۴ء<br>۲۹۷ ۶۲<br>ص ۱۱ ✓<br>۱۲ ۶ ۳۳<br>۲ |

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

## مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پکارا، تو نے ہماری پکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلہ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنان و منان و دیان ہے، ذوالجلال والا کرام ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قَدِيرٌ اور کُنْ فَيَكُونُ کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے ”صدائے رحمت الہی“ کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مرشد شاہ شاہاں خواجہ خواجگان قطب العالم فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محمد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف ”افضل سرکار“ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی یہ کتاب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک ﷺ کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ کی اور پختن پاک کی محبت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کر لے بلکہ اس میں ایسا ذوق و شوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالم حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے کلام پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیت سے کہ تو اور تیرے حبیب پاک ( صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ ) اس سے راضی ہو جائیں۔

دُعاگو اور دُعا جو  
 رابعاً ثانی

## اظہارِ تشکر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنہوں نے دلمے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلا سے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر و فکر اور نماز سے غفلت سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعا جو  
والبعثتانی

# گزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زیر یا کتابت کی کوئی غلطی  
نظر آئے تو اسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔  
آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعا جو  
رابعہ ثانی



# فہرست

| صفحہ<br>نمبر | عنوانات                                     | تاریخ          | باب نمبر | شمار<br>نمبر |
|--------------|---|----------------|----------|--------------|
| 9            | حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ          | ۱۱ نومبر ۲۰۱۱ء | 196      | 1            |
| 22           | حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ        | ۱۸ نومبر ۲۰۱۱ء | 197      | 2            |
| 32           | حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ          | ۲۵ نومبر ۲۰۱۱ء | 198      | 3            |
| 44           | حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ | ۲ دسمبر ۲۰۱۱ء  | 199      | 4            |
| 56           | عاشورہ                                      | ۶ دسمبر ۲۰۱۱ء  | 200      | 5            |
| 69           | یزید کا المناک انجام                        | ۹ دسمبر ۲۰۱۱ء  | 201      | 6            |
| 80           | مقام اہل بیت                                | ۱۶ دسمبر ۲۰۱۱ء | 202      | 7            |
| 92           | نور نبی                                     | ۲۳ دسمبر ۲۰۱۱ء | 203      | 8            |
| 104          | بدلتے حالات                                 | ۳۰ دسمبر ۲۰۱۱ء | 204      | 9            |
| 115          | اخلاقیات                                    | ۶ جنوری ۲۰۱۲ء  | 205      | 10           |
| 126          | حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ            | ۱۳ جنوری ۲۰۱۲ء | 206      | 11           |
| 138          | روح کی صحت                                  | ۲۰ جنوری ۲۰۱۲ء | 207      | 12           |
| 150          | حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ           | ۲۷ جنوری ۲۰۱۲ء | 208      | 13           |
| 163          | ماہ ربیع الاول کی تعظیم                     | ۳ فروری ۲۰۱۲ء  | 209      | 14           |
| 172          | نور محمدؐ                                   | ۵ فروری ۲۰۱۲ء  | 210      | 15           |

| صفحہ<br>نمبر | عنوانات  | تاریخ          | باب<br>نمبر | شمار<br>نمبر |
|--------------|--|----------------|-------------|--------------|
| 185          | دائیں اور بائیں ہاتھ والے لوگ                  | ۱۰ فروری ۲۰۱۲ء | 211         | 16           |
| 195          | حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ | ۱۷ فروری ۲۰۱۲ء | 212         | 17           |
| 206          | حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ                   | ۲۴ فروری ۲۰۱۲ء | 213         | 18           |
| 217          | حضرت شاہ محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ             | ۲ مارچ ۲۰۱۲ء   | 214         | 19           |
| 228          | گیارہویں شریف                                  | ۹ مارچ ۲۰۱۲ء   | 215         | 20           |
| 240          | حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ                 | ۲۱ مارچ ۲۰۱۲ء  | 216         | 21           |
| 252          | ادب و آداب                                     | ۲۳ مارچ ۲۰۱۲ء  | 217         | 22           |
| 263          | وقت کا غلط استعمال                             | ۳۰ مارچ ۲۰۱۲ء  | 218         | 23           |
| 274          | توکل علی اللہ                                  | ۶ اپریل ۲۰۱۲ء  | 219         | 24           |
| 284          | صبر و توکل اور آخرت کی رات                     | ۱۳ اپریل ۲۰۱۲ء | 220         | 25           |
| 294          | زمان (وقت)، آخری دن کا منظر                    | ۲۰ اپریل ۲۰۱۲ء | 221         | 26           |

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی شانِ جلالت اُن تمام چیزوں پر محیط ہے جو پیدا کی گئی ہیں۔ جس کی عظمت کی کوئی حد نہیں، اور جو مالکُ الملک ہے، اُن سب کا مالک ہے جو کبھی بھی وجود میں آئیں تھیں یا وجود میں آئیں گی۔

دُرود و سلام اُن نرمِ دلِ والے پر جن کے خوبصورت نام ہر وقت عاشقوں کے دلوں میں بستے ہیں۔

۱۱

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے، اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب سعادت مند دلوں کے لئے جو ہر وقت ذکر اللہ اور ذکرِ نبی ﷺ کے لئے بے تاب ہیں۔

جب بھی آپ میں سے کوئی رات کو آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو اُس کی آنکھیں ہمیشہ چمکتے چاند کو ڈھونڈتی ہیں، کیونکہ وہی آسمان کا حقیقی حُسن ہے۔ لیکن جھلملاتے تارے بھی آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں، اُن کی ٹمٹماہٹ اور چمک بھی دلکش ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ چاند کے ارد گرد موجود رہتے ہیں، جس سے

آسمان اور زیادہ خوبصورت اور دلنشین بنتا ہے۔ یہ دنیا کا آسمان ہے جسے ہر  
انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ لیکن (اس کے علاوہ) دوسرے آسمان بھی ہیں، عالم  
غیب کے آسمان، جو دنیاوی آسمان سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلکش ہیں۔  
درحقیقت اُن میں کوئی موازنہ نہیں ہے۔

اس دوسری دنیا کے آسمان پر بھی ایک خوبصورت چاند ہے، جو اپنے  
”نور“ اور عظمت و شان میں نہایت چمکدار ہے۔ یہ سحرانگیز چاند دراصل نام  
محمد ﷺ ہے، جو ہمیشہ اللہ کے آسمانوں میں چمکتا رہتا ہے۔ یہ مبارک نام نہ صرف  
آسمانوں کو متور کرتا ہے بلکہ اپنا ”نور“ ستاروں، سیاروں اور دوسرے نوری اور  
افلاکی اجسام کو بھی عطا کرتا ہے جو وہاں موجود ہیں۔ یہ چاند دراصل اللہ کے محبوب  
نبی ﷺ کا نام ہے اور ستارے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے اسماء گرامی  
ہیں۔ یہ ستارے بھی اللہ کے ”نور“ میں ملفوف ہیں، اور پوری آن بان اور انتہائی  
عظمت سے روشن ہیں۔ یوں تو سارے آسمان کئی ستاروں سے روشن ہیں، لیکن  
آپ کو چار نہایت نمایاں نام رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کے قریب نظر  
آئیں گے۔ یہ نام آپ ﷺ کے چار جلیل القدر صحابہ کے ہیں، یعنی حضرت  
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور حضرت  
علی کریم رضی اللہ عنہ۔

ان ستاروں میں سے ایک ستارہ ایسا ہے جس میں سے دو قسم کے  
”نور“ پھوٹتے ہیں کیونکہ اس ستارے کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے

نسبت ہے، وہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں اُن کے نکاح میں دے دی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ پھر جب بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی، حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اُن کے عقد میں دے دی۔ یہی وجہ ہے آپ رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کو ابو عبد اللہ اور ابو عمرو بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام آرا دی تھا۔ آپ کا تعلق قریش کے قبیلے بنو اُمیہ سے تھا۔ آپ کا نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے عبد مناف سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ، کی دادی اُمّ حکیم بیضا بنت عبد المطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کی پیدائش ہجرت مدینہ سے ۴ سال پہلے ہوئی تھی، یعنی آپ رضی اللہ عنہ، ۵ عیسوی کو مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ، مکہ کے اُن چند لوگوں میں سے تھے، جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جب آپ بالغ ہوئے تو آپ نے تجارت کو پیشے کے طور پر اختیار کیا۔ اور آپ کپڑے کی تجارت میں اتنے کامیاب ہوئے کہ آپ کو عثمان غنی کہا جانے لگا۔

جب اللہ کسی کو اپنے کسی خاص مقصد کے لئے چن لیتا ہے، تو اس کی پوری زندگی سے وہ مقصد جھلکتا ہے۔ اس کی زندگی سے یہ پتا لگتا ہے کہ اُسے اس کردار کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے جو کردار اُسے زندگی بھر نبھانا

ہوتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قیاضی، اعلیٰ حسن اخلاق نے انہیں قریش میں نہایت پسندیدہ بنا دیا تھا۔ قریش ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ یہ محبت ایک عربی ضرب المثل بن گئی۔

أَحِبُّكَ وَالرَّحْمَنُ حُبُّ قُرَيْشِ عُمَانَ

یعنی۔ "میں تجھ سے باخدا ایسی محبت کرتا ہوں جیسی محبت

قریش عثمان سے کرتے ہیں۔"

آپ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے کبھی بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، اور نہ کبھی زنا اور ناچ گانا کی طرف گئے تھے، حتیٰ کہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے بھی۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ جو تھے مسلمان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حلیہ اس طرح تھا: آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت صاف اور قدرے سرخی مائل تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی نے چاندی اور سونے کا آمیزہ بنایا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد حسین اور دراز قد تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے بال سیدھے تھے اور ان پر رکھا امامہ آپ کے حُسن پر چار چاند لگاتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ناک اونچی تھی، آپ کا سینہ اور شانے چوڑے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے دانت سیدھے اور خوبصورت تھے اور ان پر سونے کا تار چڑھا ہوا تھا، آپ کی داڑھی گنجان اور گیسو، دراز تھے۔ اور آپ کی جلد نرم اور پتلی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کا نتیجہ تھا، کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آتا وہ آپ کی خوبیاں اپنانا شروع کر دیتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ،  
 ”تمام صحابہ میں سے عثمان اخلاق میں مجھ سے قریب تر ہے۔“ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
 ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں کر پاتے تو  
 اگلے جمعہ دو غلام آزاد کرتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دین اسلام کیلئے سب  
 سے بڑا کارنامہ مصحف عثمانیہ کی تدوین ہے۔ روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن  
 الایمن رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان اور آرمینیا کے جہاد کے دوران وہاں قرآن کی قرأت  
 میں فرق پایا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
 سے عرض کیا: ”اے امیر المؤمنین! اس سے پہلے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح  
 قرآن کی قرأت پر اختلافات شدید ہو جائیں، اُمت کی فلاح کیلئے کچھ کیجئے۔“  
 (اس پر) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کا شوریٰ طلب کیا اور اس مقصد کے  
 لئے حضرت زید بن سعدی، حضرت سعد بن العاص، حضرت عبداللہ بن زبیر اور  
 حضرت عبدالرحمن بن حُریرت رضوان اللہ علیہم کو مقرر فرمایا۔ آپ نے ان سے کہا کہ  
 وہ حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہ سے مصحف قرآن لے آئیں اور ان کو بنیاد بنا کر آپ  
 نے اس کا ایک میعاری اور مستند مجموعہ تیار کرایا۔ اس کا نام مصحف عثمانیہ رکھا  
 اور اس کی بہت ساری نقول تیار کروا کر مختلف شہروں میں بھجوا دیں۔ ہر  
 جگہ کے مسلمانوں نے اسے قرأت اور کتابت کیلئے میعاری مان لیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حُب نبی بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے  
 مثالی تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے وقت بھی حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ، کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ یہ فرما کر بھیجا تھا کہ: ”اٹھیے عثمان، اور قریش کے پاس جایتے۔ انہیں نپے تلے لفظوں میں کہہ دیجئے کہ ہم جنگ کیلئے نہیں آئے ہیں۔ جایتے، اور ہمارے اُن مکی بھائیوں کو تلاش کیجئے جو مکہ میں اپنے اسلام کو چھپانے پر مجبور ہیں۔ انہیں ہمارا سلام پہنچائیے اور انہیں تسلیاں دیں۔“

جب سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، مکہ میں داخل ہوئے تو قریش خوش ہوئے اور اُن کا اچھا استقبال کیا۔ انہوں نے آپ کو کعبۃ اللہ کے طواف کی بھی اجازت دی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو مسترد کر دیا کہ: ”جب تک امام الانبیاء طواف نہیں فرمائیں گے، میں بھی طواف نہیں کروں گا۔“ یہ سن کر انہوں نے آپ کو روک لیا۔ دوسری جانب جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جو مکہ کے اندرونی حالات سے آگاہ نہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشک میں کہہ رہے تھے: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان کتنے خوش قسمت ہیں، وہ اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔“ اس پر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھا کہ: ”نہیں، جب تک میں طواف نہ کر لوں، عثمان بھی نہیں کرے گا۔“

صلح حدیبیہ کے بعد ہر ایک مکہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی واپسی کا منتظر تھا، عین اسی وقت کیمپ (ٹینٹ) میں یہ افواہ پھیلی کہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے جب یہ افواہ آپ کے کانوں تک پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر یہ سچ ہے تو میں قریش کو سزا دیتے بغیر واپس نہ لوٹوں گا، ہمیں مجبوراً اُن سے



جنگ کرنی پڑے گی“ پھر تمام مسلمانوں نے ایک منادی کی آواز سنی کہ :  
 ”رسولِ پاک ﷺ اُن سب کو بلا رہے ہیں جو اپنی جانیں اسلام پر قربان کرنے  
 کے خواہش مند ہیں!“ پھر مرد اور خواتین محبت اور ایثار کے جذبے سے سرشار  
 ہو کر رسولِ پاک ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے ہاتھ نبیوں کے بادشاہ  
 کے مبارک ہاتھ پر رکھ کر بیعت کر لی۔

نبی کریم ﷺ جو یہ جانتے تھے کہ یہ بیعت کتنی اہم ہے، انہیں چاہتے تھے  
 کہ اُن کے محبوب عثمان غیر حاضری کے باعث اس کی بے قراری رحمتوں سے محروم رہیں  
 اس لئے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قریب بلالیا تاکہ گواہ رہیں اور فرمایا :  
 ”اے میرے پروردگار، میرا بایاں ہاتھ عثمان کے لئے ہے۔“ اور یہ فرماتے ہوئے  
 آپ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ کے نیچے رکھا۔ اس طرح آپ ﷺ  
 نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اُس بیعت اور اُس کی رحمتوں میں شامل کر لیا۔ اس سے  
 رسولِ پاک ﷺ کی اپنے دوست، اپنے صحابی، اور اپنے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے  
 لئے محبت ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ دلوں کے منصف تھے۔ آپ ﷺ دلوں کے  
 نگہبان تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ کے دل سونے کے بنے ہوئے  
 تھے، لیکن اُن سب میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دل بہت ہی بڑا اور نہایت  
 فیاض بھی تھا۔ آپ کی فیاضی اتنی زبردست تھی کہ آپ کو ”غنی“ کا لقب دیا گیا تھا۔  
 ایک بار رسول اللہ ﷺ نے سب سے جیشِ اُسرائہ (فوج) کے لئے عطیہ دینے

کو کہا۔ وہ لشکر غزوة تبوک کے لئے جا رہا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا :  
 ”میں ۱۰۰ اونٹ کجاوہ اور پالان کے ساتھ عطیہ کرتا ہوں۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 اپنے منبر سے ایک زمین نیچے آئے اور لوگوں کو اس لشکر کے لئے عطیات  
 دینے کو کہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر کہا : ”میں ۱۰۰ اونٹ، کجاوہ اور  
 پالان کے ساتھ دیتا ہوں۔“ کہتے ہیں کہ اس فیاضی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت  
 مسرور ہوئے اور اس خوشی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اس طرح ہلاتے  
 جس طرح کوئی شخص تعجب میں ہاتھ ہلاتا ہے اور فرمایا : ”اس قدر کرنے کے بعد  
 اگر عثمان ایک بھی نفلی عمل نہ کرے تو انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

ایک دوسرے موقع پر جب مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت پیش آئی،  
 تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مسجد کے ساتھ کچھ زمین حاصل کی جائے جب  
 اس کی اطلاع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فوراً ہی وہ زمین ۲۰ ہزار یا  
 ۲۵ ہزار درہم میں خرید کر عطیہ کر دی، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی خوش  
 ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فیاض صحابی کے لئے دعا فرمائی۔

اسی فیاضی سے ایک بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو  
 ۵ ہزار درہم قرض کے طور پر دے دیئے۔ پھر ایک دن جب مسجد سے باہر نکلتے  
 وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف بڑھے اور کہنے لگے کہ : ”اب میرے پاس رقم  
 ہے آپ کا قرض چکانے کے لئے“ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست نے

اُن کو جواب دیا: "اے ابو محمد! میں نے یہ رقم آپ کو دے دی ہے، اے اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔" ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے پاس ۴ دن تک کھانے کو کچھ نہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ کھانا لانے کے لئے فرمایا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، وضو فرمایا اور نفل پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ عین اسی وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آگئے اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت نہ دینے کا سوچا، پھر انہوں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی مدد ان کے ذریعے آجائے، اس لئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت کے بارے میں دریافت کیا، اس پر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اے صاحبزادے! گزشتہ چار روز سے اہل بیت رسول نے کچھ نہیں کھایا ہے۔" اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کیا اور کہنے لگے: "تُف ہے دنیا پر! اے اُم المؤمنین! آپ کو مناسب نہ تھا کہ آپ پر ایسے حادثات گزریں اور آپ مجھ سے ذکر نہ کریں اور نہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، نہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ، جیسے مالدار سے" یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کسی اونٹ، آٹا، گیتھوں، کھجور اور ایک بکری لے کر لوٹے۔ آپ نے یہ سب اور ۱۰۰ درہم پیش کرتے ہوئے

فرمایا: ”چونکہ کھانا تیار کرنے میں کافی وقت لگے گا، اس لئے میں پکا ہوا گوشت اور روٹی ساتھ لایا ہوں۔ مہربانی کر کے اسے قبول فرمائیے اور اسے میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھ لیجئے، اور مجھ سے وعدہ کیجئے کہ پھر اگر ایسی صورت حال ہو، تو آپ مجھے فوراً اطلاع دیں گی۔“

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے لوٹ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”اے عائشہ! میرے بعد تم کو کچھ ملا؟“ اس پر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اونٹوں پر لدا ہوا آٹا، گیہوں، کھجوریں، کھانے کا اور بہت سامان ملا ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”یہ سب کچھ کس نے دیا؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ”عثمان بن عفان نے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ آئندہ ایسا ہوا تو میں انہیں اطلاع کر دوں گی۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سنا تو بیٹھے نہیں۔ اس کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مسجد تشریف لے گئے، ہاتھ اُپر اٹھاتے اور دعا کی: ”اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہو گیا، آپ بھی اُن سے راضی ہو جائیں۔“

حضرت بشیرِ اسلامی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو وہاں کا پانی اُن کو نہیں بھانا تھا وہاں ایک کنواں تھا جسے ”روما“ کہتے تھے۔ یہ بنو غفار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی ملکیت تھی جو اس کا پانی بیچا کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس آدمی سے فرمایا کہ، وہ اپنا

کنواں بیچ دے اور اس کے انعام کے طور پر آپ ﷺ اُسے جنت میں ایک چشمہ دلوائیں گے، لیکن اس نے انکار کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس آدمی کو ۳۵ ہزار درہم کی پیشکش کی جس کو اس نے باخوشی قبول کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اُس کنویں کے بدلے میں جنت میں ایک چشمہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اُسے خرید لوں تو کیا مجھے بھی جنت میں ایک چشمہ ملے گا؟“ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں“ بے شک آپ کو ملے گا!“ تب ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے وہ کنواں خرید لیا ہے اور وہ کنواں انہوں نے مسلمانوں کو صدقے کے طور پر دے دیا ہے۔

اے اُمت محمدی! رسول اقدس ﷺ کے اس پیارے شریف اور نرم مزاج رفیق کے ساتھ اُن کی زندگی کے آخری دنوں میں سخت ترین برتاؤ کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ زمان کے خاتمے کا پہلا فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں اُٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے اس دوست کی شہادت کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”اسلام کی چکی ٹھیک ۳۵ سال بعد اپنی جگہ سے موڑ دی جائے گی۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ٹھیک ۳۵ ہجری میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے عثمان! اللہ آپ کو ایک قمیض پہنائے گا“ اگر لوگوں نے اُسے اتارنے کیلئے کہا تو ایسا نہ کرنا۔“

یہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں کی بات ہے کہ کچھ لوگ،  
 بغیر کسی ٹھوس سبب کے آپ کے مخالف ہو گئے۔ اس کا آغاز خاص طور پر اس  
 وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کھو گئی۔  
 یہ انگوٹھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہنی تھی، اسکے بعد  
 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہنی اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہنی ہوتی تھی۔  
 یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ایک کنویں کے قریب بیٹھے ہوئے  
 تھے کہ اچانک انگوٹھی اُن کے ہاتھ سے پھل کر کنویں میں جاگری، اور پھر کبھی نہ  
 مل سکی۔ اس سانحہ کے بعد حالات بگڑنا شروع ہو گئے اور باغی عناصر نے ملک میں  
 بد امنی اور بے سکونی پھیلانی شروع کی۔ باغیوں کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ  
 عنہ نے حکومت کے بڑے عہدے اور منصب اپنے رشتہ داروں کو دے دیئے تھے۔  
 لیکن اُس میں کوئی شرعی رکاوٹ تو تھی نہیں۔ تاہم باغی اپنا دباؤ بڑھاتے رہے۔  
 اس پوری سازش کے پیچھے جو اصل کردار تھا وہ عبداللہ بن صبا نامی  
 ایک یہودی تھا، جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا  
 مگر جو خفیہ طور پر خلیفہ کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر  
 ایک نبی نے اپنے بعد اپنے کسی عزیز کو خلیفہ مقرر کیا تھا؛ اس طرح حضرت  
 علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ ہو جانا چاہیے تھا۔ عبداللہ بن صبا کوفہ، شام اور مصر گیا تاکہ  
 وہاں اپنے نظریات کی تبلیغ کر کے مسائل پیدا کرے۔ ایک نہایت ہی گھونٹی  
 سازش کے تحت ایک خط پکڑا گیا جو بظاہر خلیفہ کی طرف سے مصر کے گورنر کو لکھا

گیا تھا، ” جس کے مطابق جوں ہی محمد بن ابوبکر مصر پہنچیں اُسے گرفتار کیا جائے“  
 محمد بن ابوبکر کو نیا نیا گورنر مقرر کیا گیا تھا، اور وہ وہاں اپنا عہدہ سنبھالنے جا رہا تھا۔  
 جب صحابہ کرام کو اس خط کے بارے میں پتہ چلا، تو لوگوں میں غصہ اور شدید قسم کی  
 ایک الجھن پیدا ہوئی، لیکن جلد ہی واضح ہو گیا کہ وہ خط دراصل مروان نے خلیفہ  
 کو سازش کے جال میں پھانسنے کی خاطر لکھا تھا۔

بد قسمتی سے شریپندوں نے خلیفہ کے گھر کو گھیر لیا اور گھر میں پانی اور  
 غذا کی رسد روک دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مدد کی کوشش کی اور اپنے  
 بیٹوں کو گھر کی حفاظت کے لئے بھیج دیا، لیکن کچھ باغی پھلے دروازے سے اندر  
 داخل ہو گئے اور انہوں نے اس عظیم صحابی کو شہید کر ڈالا۔ آپ کے لہو سے  
 قرآن پاک کا وہ نسخہ، جو اس الم ناک گھڑی میں آپ پڑھ رہے تھے، سُرخ ہو گیا۔  
 اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

وہ جنہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی، ۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو اپنے  
 خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس شہادت کے بعد مسلمانوں کی وہ تلواریں جو دوسرے  
 مسلمانوں کے خلاف میانوں سے باہر نکلی تھیں، پھر کبھی میانوں میں واپس نہ  
 گئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، وہ خوبصورت نام ہے جو اللہ کے آسمانوں پر لکھا گیا  
 ہے، جو ہمیشہ چمکتا رہے گا اپنے محبوب رسول ﷺ کے اسم مبارک کے  
 ساتھ، اور بے شک یہ چمک ابد تک باقی رہے گی۔

:- آمین :-

## حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جس کے اسماءِ حسنیٰ ایک اسماء ہیں جو فقط اُن لوگوں پر ظاہر کئے جاتے ہیں جو اس علم کے لائق اور حق دار ہیں۔ یہ نام پوری کائنات کا حُسن ہیں اور یہ ماحول میں توازن قائم رکھتے ہیں۔

دُرودِ سلام اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر، اُس کے محبوب رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر جو ہر وقت عشقِ توحید میں سرشار ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب پر اور آپکے پیاروں پر۔ سلامتی ہو اُن سب پر جن کو ہماری خوبصورت مخلوقوں سے ایک نہایت خاص نسبت ہے اور جو یہاں خلوصِ دل کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

اس دُنیا میں ہر قسم کے انسان بستے ہیں۔ کچھ ذہین ہیں، کچھ گند ذہین ہیں، کچھ سُست ہیں اور کچھ چُست، کچھ بے جس ہیں اور کچھ شفیق، کچھ ڈرپوک ہیں اور کچھ جُرات مند اور بہادر، کچھ عام ہیں اور کچھ خاص۔

عام لوگوں میں عام خوبیاں ہیں۔ اُن کے اعمال معمولی اور اُن کے خیالات بھی معمولی ہیں۔ وہ فقط اپنے لئے ہیں۔ وہ مزا لوٹنے کے لئے زندگی بسر کرتے



ہیں اور وہ تنگ نظر بھی ہوتے ہیں۔ یہ عام لوگ عام زندگی بسر کرتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو اُن کے ساتھ اُنکا نام بھی مر جاتا ہے۔

خاص لوگ عام لوگوں سے بہت مختلف ہیں۔ خاص لوگوں کے خاص دل ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے دھڑکتے ہیں؛ وہ دل جو اوروں کے لئے روتے ہیں؛ جو مہربان اور نرم ہیں، اور بڑے جُزّت مند بھی ہیں۔ جب یہ دوسروں کے ساتھ ہوتے ہیں، تو وہ اُن کو بھی خاص ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ خاص لوگ ہر ایک کو خاص بناتے ہیں۔ وہ دوسروں کا احترام کرتے ہیں، وہ دوسروں کو حصہ دیتے ہیں، وہ دوسروں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، وہ حق کی حمایت میں کبھی نہیں ہچکچاتے اللہ کی رضا کے لئے۔ وہ اپنے پروردگار کی محبت میں کچھ بھی کرنے سے نہیں ہچکچاتے، چاہے اُس میں اُن کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے اللہ کی راہ میں۔ یہ خاص لوگ انبیاء، صالحین، صدیقین اور شہداء ہیں۔

”اور جو اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانتے تو اُسے اُن

کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا، یعنی انبیاء اور صدیق

اور شہید اور صالحین۔ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا

فضل ہے، اللہ کافی ہے جاننے والا۔“ (سورۃ النساء: ۶۹-۷۰)

یہی لوگ ہیں جو بوقتِ ضرورت لنگر بن جاتے ہیں، اس دُنیا کے مُوسلا دھار

طوفان میں، جو زندگی کے جہاز کو توازن میں رکھتے ہیں اور جو اُس کے بادبان ہیں،

اور جو منزل کی طرف اُس کی رہنمائی بھی کرتے ہیں، راحت اور سکون کے ابدی

مقام کی طرف۔ اگر کسی عام آدمی کو اللہ کے فضل سے، اللہ کے اُن دوستوں کی صحبت نصیب ہو جائے، تو وہ بھی خاص بننا شروع ہو جائے گا۔ ان اولیاء اللہ کا ”نور“ اس کے دل کو صاف کرنا شروع کر دیتا ہے اُس کے باطن سے دنیا کی ہر قسم کی آلودگی کو دور کر کے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت نہایت قیمتی نعمت ہے اور اُسے ہمیشہ حاصل کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ اللہ والوں کی قربت اللہ کا ہی تحفہ ہے۔ ان خاص لوگوں میں، یعنی انبیاء، اولیاء، صدیقین، صالحین اور شہداء میں، یہ شہداء ہیں جو اللہ کی خدمت اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی اللہ کے حوالے کرتے ہیں، اور یہ ہدیہ پیش کرتے ہوئے ایک لمحہ بھڑبھڑا پس و پیش نہیں کرتے۔ قرآن میں ارشاد الہی ہے: ”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اُن کا شعور نہیں۔“

شہادت وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے۔ شہادت اللہ کی رضا کارانہ ہے جس کی مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں۔ شہادت اللہ کے لئے اپنی جان دینا ہے۔ ایک شہید کون ہے؟ ”وہ جو اللہ کی وحدانیت، عبودیت اور خالقیہ کی بلاشک و شبہ گواہی دیتے ہوئے اُس کے نام پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دے۔ وہ جو اللہ اور اُس کے دین کی سربلندی کے لئے اپنا سرتیہ تیغ رکھ دے۔“

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ گشائی

رسول اللہ ﷺ نے شہادت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ”شہید کو

اللہ کی طرف سے ۶ اچھی چیزیں ملتی ہیں:

①۔ جوں ہی اُس کا لہو گرتا ہے، اللہ اُسے معاف کر دیتا ہے اور اُسے جنت میں اُس کا مقام دکھاتا ہے۔

②۔ اللہ عذابِ قبر سے اُس کو محفوظ رکھتا ہے۔

③۔ وہ اُسے سب سے ہولناک خوف سے محفوظ دیتا ہے۔

④۔ وہ اُس کے سر پر ایک پروقار تاج رکھ دیتا ہے جس کا ایک ہی یا قوت اس دُنیا اور اُس میں موجود ساری چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

⑤۔ وہ اُس کی شادی ۷۲ کالی آنکھوں والی حُوروں سے کرے گا، اور

⑥۔ اُس کے ۷۰ قرابت داروں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”جب جنگ میں آپ کا کوئی بھائی شہید

ہو کر گرتا ہے، تو اللہ اُس کی رُوح کو ہرے رنگ کے پرندوں میں رکھ لیتا ہے جو

جنت کے دریا کی طرف پرواز کرتے ہیں، وہاں پھل کھاتے ہیں اور تخت کے سائے

کی سنہری روشنی میں ٹھہرتے ہیں۔ جب وہ اپنے کھانے پینے کی شیرینی کا مزہ

چکھ لیتے ہیں اور اپنا شاندار استقبال دیکھتے ہیں، تو بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ:

”کاش اگر ہمارے بھائیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ نے ہمارے لئے کیا کیا ہے، تو

وہ کبھی جہاد کو ترک نہ کرتے اور نہ ہی اُس کی بے حرمتی کرتے۔“ اللہ جلّ شانہ،

ارشاد فرماتا ہے: ”میں انہیں تمہارا پیغام پہنچاؤں گا۔“ پھر اللہ جلّ شانہ نے

رسول کریم ﷺ پر وحی فرمائی کہ: "اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔" (آل عمران ۱۶۹: ۳)

کتنے خوش نصیب ہیں وہ جو اس ابدی زندگی کے چشمے سے پانی پیتے ہیں، اور اس سے بھی بڑھ کر وہ کتنے خوش قسمت ہیں جو نہ صرف اس چشمے کا پانی پیتے ہیں بلکہ ان کی نسبت محمد ﷺ کے گھرانے سے بھی بڑی ہوتی ہے۔ یہ ایک معلومہ حقیقت ہے کہ اہل بیت محمد ﷺ نے کبھی تخت و تاج کی طلب نہیں کی، لیکن انکی معصومیت کے باوجود ان پر ہمیشہ ظلم ڈھایا گیا، تشدد کیا گیا۔ انہیں ہمیشہ دنیا والوں کی حرص و طمع کی وجہ سے سزا دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ مسلم تاریخ کا کوئی بھی صفحہ کھولیں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر اہل بیت کے لہو سے سُرخ ہیں۔ یہ وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے۔ جو اُس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔"

وہ سب لوگ جو نبی پاک ﷺ کے گھرانے، ان کے خاندان اور ان کے اسباب سے محبت کرتے ہیں، وہ بے شک کشتی نوح کے سوار ہیں، یعنی اُس کشتی کے جو زمانہ آخر کے لوگوں کو طوفانِ آخر سے نکالے گی، وہ طوفان جس کا آغاز دنیا میں ہو چکا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو نہیں بھولنا چاہیے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "بے شک میں تم میں دو نابت چھوڑ کر جا رہا ہوں؛ ایک اللہ کی کتاب، جو آسمان اور زمین کے

درمیان پھیلی ہوئی رسی کی طرح ہے، اور میری عمرت، یعنی میرے اہل بیت۔  
 اور یہ کہ یہ دونوں اُس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس  
 حوض کوثر تک نہیں پہنچ جاتے۔“

وقت نے اس حدیث کی سچائی کو ثابت کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ  
 کے اہل بیت نے ہر وقت مشکل ترین حالات کا جُرت مندی سے مقابلہ کیا ہے۔  
 انہوں نے کبھی دُنیا کو دین پر ترجیح نہ دی۔ اپنے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات  
 کے تحفظ کیلئے انہوں نے ہر قسم کے ظلم سے، اور اس میں انہوں نے ایک لمحے  
 کیلئے بھی پس و پیش نہیں کیا، اُس وقت بھی جب اُس کے لئے اپنا ستر تک قربان  
 کرنا پڑا۔ یہ وہ خاص لوگ تھے جو اللہ کے شہداء تھے، اور ساتھ ہی جن کی نسبت  
 محمد ﷺ کے گھر سے تھی۔ ان ہی میں سے ایک خوبصورت نام ایسا ہے جن کی  
 نسبت نہ صرف اہل بیت سے ہے، جن کی حیثیت ایک ولی کی ہے اور انہیں  
 شہید ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے، بلکہ اُن کے پاک وجود نے ہمارے ملک  
 کو بھی یہ سعادت بخشی کہ اُن کی آخری آرام گاہ کراچی میں ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ  
 اللہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ خزانہ آپ سب کو عطا کیا ہے تاکہ آپ اُن کی مبارک  
 ذات سے فیض حاصل کر سکیں۔

حضرت عبداللہ شاہ غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ ۹۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور اُنکی  
 نسبت رسول اللہ ﷺ سے اس طرح ہے: حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ ابن  
 سید محمد نفس زکیہ بن سید عبداللہ امتیاز بن سید حسن ثنی بن سیدنا حضرت امام حسن بن

سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابوطالب۔

حضرت عبداللہ کے پردادا حضرت سیدنا حسن مثنیٰ کی شادی سیدنا فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی، جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ شاہِ غازی رحمۃ اللہ علیہ حسنیٰ حسینیٰ تھے۔

۱۳۸ ہجری میں بنو امیہ کے زوال کے وقت، حضرت عبداللہ شاہِ غازی کے والد نے علوی خلافت کی تحریک شروع کی اور پھر انہوں نے اپنے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو دو دیواروں کے درمیان چن کر زندہ شہید کر دیا گیا تھا۔ تاریخ میں یہ بات بھی ریکارڈ شدہ ہے کہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت کیا کرتے تھے اور فتویٰ جاری کیا تھا کہ ہر ایک آدمی کو ان کی اور ان کے بھائی کی حمایت کرنی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ حقیقت میں یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ نے قید میں ڈالا اور ان پر تشدد کیا۔

حضرت عبداللہ شاہِ غازی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ آنے کے بعد سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ واقعہ خلیفہ منصور کے وقت پیش آیا۔ حضرت عبداللہ شاہِ غازی رحمۃ اللہ علیہ، سال ۷۶ عیسوی میں ایک تاجر کی حیثیت سے سندھ پہنچے اور آپ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں گھوڑے لاتے تھے جو آپ نے عراق کے شہر کوفہ سے خریدے تھے۔ آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور آپ کی نسلی نسبت کے باعث آپ کو بڑی عزت بخشی گئی۔ اس ولی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اموی حکومت بہت

پریشان ہوئی۔ یہ اُموی اور ان کے بعد کے عباسی، بنو ہاشم سے نفرت کرنے میں مشہور تھے۔ انہوں نے اس قبیلے کے ہزاروں افراد کو چُن چُن کر قتل کیا۔

سندھ میں حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد اور چچا کی شہادت کی المناک خبر ملی۔ اپنی شہادت سے پہلے آپ کے والد اور چچا نے عباسی خلافت کی مخالفت کی تھی۔ آپ کے والد کو مدینہ میں شہید کیا گیا جبکہ آپ کے چچا حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو ۷۶۳ء عیسوی میں بصرہ سے گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا۔ خلیفہ نے حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کا بھی حکم دیا تھا، لیکن سندھ کا گورنر، عمر بن حفص اس حکم پر عمل درآمد کی کاروائی کو ٹالتا رہا۔ یہ اہل بیت کے لئے گورنر کی محبت تھی جس نے اُسے اس ولی پر زیادتی کرنے نہیں دی۔ لیکن خلیفہ منصور اس تاخیر سے مطمئن نہیں تھا۔

جب خطرہ بڑھ گیا تو سندھ کے گورنر نے خاموشی سے حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ساحلی ریاست میں بھیجا جہاں کا راجہ اسلامی سلطنت کا اطاعت گزار تھا۔ راجہ نے اس ولی کو بڑی تعظیم اور حفاظت سے رکھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہاں ۴ سال تک رہے اور دین اسلام کو ہزاروں لوگوں تک پہنچایا۔ پھر ایک وقت آیا کہ گورنر کو اس کے عہدے سے ہٹایا گیا، اور خلیفہ منصور نے حشمت بن عمر کو سندھ کا نیا گورنر مقرر کیا۔ یہ گورنر بھی اس ولی کو گرفتار کرنے سے ہچکچایا، لیکن جب سندھ میں بغاوت بڑھ گئی، تو گورنر نے اپنے بھائی سیف بن ہشام کو حالات پر قابو کرنے کے لئے وہاں روانہ کیا۔

جب سیح مہران دریا تک پہنچا، تو اس کا سامنا حضرت عبداللہ شاہ  
 غازی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے ساتھیوں سے ہوا جو وہاں شکار کی غرض سے گئے  
 تھے۔ گورنر کے بھائی نے انہیں باغی سمجھ کر اس چھوٹے سے قافلے پر حملہ کر دیا۔  
 حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ نے گورنر کے لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن  
 دشمنوں میں سے ایک نے آپ پر پیچھے سے حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ولی اللہ  
 نیچے گرے اور اسی دم اپنے اللہ سے واصل ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔  
 آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے آپ کے جسدِ خاکی کو چھپا دیا اور پھر بڑی خاموشی  
 سے انہیں ایک پہاڑی کی چوٹی پر دفن کر دیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے اس عظیم ولی کا مزار مبارک اُن سب کیلئے  
 مرکزِ تجلیاتِ الہی ہے جو یہاں نذرانہ عقیدت پیش کرنے آتے ہیں۔

مزار مبارک کا فیض حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت  
 سے ظاہر ہے کہ مزار شریف کے نیچے سے ساحل سمندر کی نمکین زمین سے  
 اُبلنے والا چشمہ بیٹھے پانی کی صورت میں ہے۔ روایت ہے کہ جس  
 وقت حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اس  
 پہاڑی پر دفن کیا تو انہیں پینے کے پانی کی تلاش میں شدید دشواری پیش آئی۔  
 پھر ایک رات مریدوں میں سے ایک کو اس ولی کی طرف سے اس کنویں کی بشارت  
 ملی اور اس طرح یہ کرامت ظہور میں آئی۔

حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ واحد کرامت نہیں ہے۔ اس



ملک کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل دعاؤں کے باعث یہ شہر (کراچی) ہزاروں بار قدرتی آفتوں سے محفوظ رہا ہے۔ کیا اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کی نہیں سنتا! یعنی ان پیاروں کی جو سب کے لئے رحمت ہیں۔ اس وقت بھی رحمت تھے جب وہ حیات تھے، اور شہادت پانے کے بعد بھی برائے رحمت ہیں۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہو دوڑ رہا ہے۔ آپ کیلئے اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے! آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فیض خاص طور سے ہمارے خوبصورت سلسلے کیلئے اور اُن سب کیلئے ہے جو دلوں کے معاملوں کی پرواہ کرتے ہیں۔ گزشتہ سال جب اس مزار مبارک پر ابلیس کے کارندوں نے حملہ کیا تھا، تو اللہ کے کچھ ولیوں سے قسم لی گئی تھی اُس لہو کے نام پر جو حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے فرش پر گرا تھا۔ یہ ایک عہدے وفادار محبت تھا، سخت محنت کا، حق کے لئے سینہ سپر ہونے کا۔ یہ ایک وعدہ تھا کہ اس محبت اور حق کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا یا جائے گا۔

یہ ایک وعدہ ہے جو آپ سب کو نبھانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھرانے سے محبت کرنے کا وعدہ۔ اللہ کے ولی سے محبت کرنے کا، اور اس محبت کو اپنے اطراف پھیلانے کا۔ بے شک اللہ کا وعدہ بھی آپ سب کے لئے موجود ہے، اللہ کی طرف سے آپ کے لئے ابدی محبت کا وعدہ۔ آمین۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں، جو حفاظت کرنے والا ہے، پروردگار ہے اور سب کا رازق ہے؛ کوئی بھی اُن رحمتوں کا حساب نہیں رکھ سکتا جو اُس نے اپنی تمام مخلوقات کو عطا کی ہیں۔  
 دُرود و سلامِ رحمة اللعالمین پر، نرم دل والے پر، اور شفیق دل والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا اخلاق بہترین ہے اور اُمت کے لئے جن کی محبت اُن کے دل میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کیلئے۔  
 سلامتی ہو اُن سب کے لئے جو یہ سمجھ چکے ہیں کہ صراطِ مستقیم ہی وہ واحد راستہ ہے جو انہیں ابدی خوشی کی جانب لے جا سکتا ہے۔

یہ ہے راستہ، سچائی اور دیانت کا راستہ، جسے صراطِ مستقیم کہتے ہیں، جو مومنین کا راستہ ہے، اللہ کے عاشقوں کا راستہ۔ یہ اللہ کے عاشقوں کا راستہ ہے؛ یہ اللہ اور اُس کے انبیاء کا راستہ ہے؛ وہ راستہ جو اہل عرب کو دکھایا گیا تھا۔ ۱۴۰۰ سال پہلے۔ یہ بہت ہی آسان راستہ ہے۔ اگر آپ

اس پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ راستہ بہت پاک اور صاف ہے۔ اس راہ پر چلنے والے نہ فقط روحانی طور سے پاک ہیں بلکہ اُن کے جسم بھی دھلے ہوئے اور صاف ہیں، اُن کے چہرے، ہاتھ، پاؤں بھی روزانہ ۵ مرتبہ مسلسل صاف کئے جاتے ہیں۔ جس طرح اُن کے بدن غلاظت سے پاک ہیں، اسی طرح اُن کے دل اور زبانیں بھی پاک و صاف ہیں۔ یہ اس پر کڑی نظر رکھتے ہیں کہ اُنکی زبان سے کیا نکلتا ہے۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ اُن کی زبان اور اُن کے عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

صراطِ مستقیم والے دلوں کی رکھوالی کرنا جانتے ہیں۔ وہ اپنے تمام معاملات میں دیانتدار ہیں، چاہے وہ معاملات تجارتی ہوں یا تعلقاتی ہوں۔ اُن سب میں سچائی ہوتی ہے۔ اُنکی شجاعت اور بیخوفی انہیں کسی کے آگے کمزور نہیں ہونے دیتی۔ اُنکی قوت، اُنکے تقوے اور ایمان میں ہے۔ ایمان اللہ پر، اسکے انبیاء پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے ملائکہ پر، موت پر، قضاء و قدر پر، حشر پر (یعنی مرنے کے بعد انہیں پھر سے زندہ کیا جائیگا)، یہ ایمان اُن کی دنیاوی مشکلات کو آسان کرتا ہے۔ وہ اس دنیا میں مسافر بن کر رہتے ہیں، جو اس جگہ مختصر قیام کے لئے رُکے ہیں اور جلد ہی وہ اپنا طویل سفر جاری رکھیں گے۔ دنیا اُن کی نظر میں بس ایک ”مقام“ جیسی ہی ہے جہاں کچھ دیر کیلئے آرام کرنا ہے۔ جب وہ خود کو حالتِ سفر میں سمجھتے ہیں تو پھر کیوں وہ اپنے اطراف دُنیا کو اکٹھا کرنا شروع کریں۔ انہیں دنیا کی آسائشوں اور خوشیوں سے بھلا کیا کام۔ اُن کی محبت اس

دنیا کے لئے فقط اس قدر ہے کہ وہ دوسروں کے کام آسکیں یا انہیں اپنے رب کے اور اُس کے محبوب کے لئے ذکر اور حمد و ثناء کے لئے وقت ملے، یا وہ اُن ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں جو اللہ اُن سے کروانا چاہتا ہے۔ وہ درحقیقت یہاں رہنے والی مدت کے ایک ایک دن کو گنتے ہیں کیونکہ اُن کے لئے ہر ایک سانس اُنہیں اُس وقت کے قریب تر لے جا رہی ہے جب وہ اپنے رب سے ملیں گے، جب وہ اُس کے ابدی امان میں داخل ہوں گے۔ یہ ہے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کا طرزِ حیات، ہر وقت سکون کے عالم میں، ہر وقت اللہ کی رحمتوں کے ساتھ ہیں۔

آج ہم اس راہ کے ایک حسین شخص کے بارے میں بات کرتے ہیں جو بہادری، ہجرت اور بے خوفی کی مثال ہیں؛ وہ جو نہ فقط اللہ کے محبوب تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اُن کے بہترین ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ آپ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین ساتھی اور قریبی صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بہترین صحابی، حضرت ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا تعلق قریش کے ایک ممتاز قبیلے سے تھا، یعنی قبیلہ عدی۔ عدی کے بھائی مرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ تھے، اور یوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابتداء ہی سے رجحان نسب دانی، سپاہ گری اور پہلوانی کی طرف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ، فن پہلوانی کے ماہر تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اُس زمانے میں پڑھنا لکھنا بھی سیکھ لیا تھا جبکہ پورے قریش میں فقط ۷ افراد پڑھے لکھے تھے۔ جب آپ بالغ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا اور اس مقصد کے لئے آپ نے دور دراز علاقوں میں آنا جانا شروع کیا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ نے عراق اور شام کے سفر کئے اور عرب و عجم کے بادشاہ سے ملاقاتیں کیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ تمام معاملات میں نہایت خود اعتماد تجربہ کار اور ذہین تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی رنگت صاف اور سُرخی مائل تھی، اور آپ کے گالوں پر گوشت کم تھا، آپ دراز قامت تھے اور آپ کے بازوؤں میں بلا کی قوت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کو منصب وزارت دی گئی تھی، جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ مدینے کے قاضی بھی تھے۔ آپ کے دورِ خلافت میں اسلام کو اتنی فتوحات حاصل ہوئیں کہ وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی عمر صرف ۱۰ سال چھ ماہ اور ۵ دن کی تھی۔ سال ۲۳ ہجری کی پہلی محرم کو ابو لؤلو نجوسی نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور آپ کو روضہ مبارک میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا بھی ایک معجزہ تھا۔ کئی دنوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے رہے کہ: ”اے اللہ! عمر کو اسلام کے ذریعے عزت دے“ ہوا یوں کہ ایک بار ابو جہل کی بدگوئی ترغیب کے باعث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شہید کرنے کے ارادے سے چلے راستے میں اُن کی ملاقات ایک صحابی

سے ہوتی جو آپ کا غصہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب اُن کو یہ پتہ چلا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا: ”اچھا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیجئے، آپ کی بہن اور آپ کے بہنوئی سعید بن زید مسلمان ہو گئے ہیں۔“

اس خبر نے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مزید مشتعل کیا۔ وہ سیدھے اپنی بہن کے گھر کی طرف گئے۔ وہاں دونوں میاں اور بیوی قسران کی تلاوت کر رہے تھے اور جیسے ہی اُن کی نظر اپنے بھائی پر پڑی، انہوں نے کتاب کے اوراق چھپا دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ عروج پر تھا۔ وہ پوری طرح بے قابو ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ اُن کی بہن اور اُن کے شوہر کیا پڑھ رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اُن کے شوہر پر ٹوٹ پڑے اور انہیں مارنے لگے۔ جب بیوی نے یہ دیکھا تو وہ اُن کے درمیان آگئیں، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن کو بھی مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ اُن کے جسم سے خون بہنے لگا۔ حتیٰ کہ اس حال میں بھی بہن کہہ رہی تھیں: ”اے عمر! بے شک ہم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم کسی صورت بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ تمہارے دل میں جو آئے کر گزرو۔“

جب بھائی نے یہ سنا اور اپنی بہن اور بہنوئی کے جسموں سے خون بہتا دیکھا تو اُن کا دل نرم پڑ گیا اور آپ نے فرمایا: ”مجھے وہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے، مجھے وہ دکھاؤ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سیکھا یا ہے۔“ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے چند آیتوں پر مشتمل ایک صفحہ اُن کے سامنے رکھ دیا۔ جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو ہاتھ لگانا چاہا، بہن نے کہا: ”اے میرے بھائی! اس کتاب کو وہ لوگ

ہاتھ نہیں لگا سکتے جو ناپاک ہوں۔“ پھر سورۃ ظہر کی پہلی آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی گئیں۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کا دل اتنا متاثر ہوا کہ آپ فوری طور پر دارالارقام کے لئے روانہ ہوئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

جب صحابہ نے ان کو ایک نیکی تلوار لئے دیکھا تو ان کو خطرہ محسوس ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”انہیں اندر آنے دو، اگر یہ اچھی نیت سے آتے ہیں تو یہ اچھا ہے، ورنہ انہیں انہی کی تلوار سے ختم کر دیا جائیگا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: ”عمر کو اندر آنے دو۔“ جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”اے عمر! تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ نعرہ بلند کیا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ اور یہ نعرہ اتنا بلند تھا کہ مکہ کے پہاڑ اس سے گونج اٹھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی برکت تھی کہ اس کے بعد مسلمان کھل کر سامنے آگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت اللہ شریف میں علی الاعلان نماز ادا کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں کا نتیجہ تھا۔ اے اللہ! ان دونوں عمروں میں سے جو آپ جَلَّ جَلَالُهُ کو محبوب ہے، اس کے ذریعے اسلام کو قوت عطا فرما۔“

ان دو عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب، پہلا عمرو بن ہشام یعنی ابو جہل

تھا اور دوسرے عمر بن خطاب تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عمر بن خطاب اللہ کے پیارے تھے۔ یہ وہ شخص تھے جنہوں نے بلا خوف ہجرت کی اور اعلانیہ کی، تو کون تھا جو انہیں ہجرت کرنے سے روک سکتا ہو! آپ رضی اللہ عنہ نے جانے سے پہلے طوافِ کعبہ کیا اور کفار کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ”میں اس وقت ہجرت کر رہا ہوں، یہ نہ کہنا کہ عمر چھپ کر بھاگ گیا۔ جس کو اپنی بیوی کو بیوہ کرنا اور بچوں کو یتیم کرنا منظور ہو تو وہ مجھے اس وادی سے نکل کر روک لے۔“ لیکن کسی نے اُن سے مقابلہ کی دعوت قبول نہیں کی۔

اپنے اس محبوب دوست کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور اُس کے دل میں حق رکھ دیا ہے۔“ آپ نے پھر فرمایا: ”اگر میرے بعد کوئی رسول ہوتے تو وہ عمر ہوتے۔“ حتیٰ کہ شیطان اور جن بھی اُن سے ڈرتے تھے اور اُس راستے کو چھوڑ دیتے تھے جس راستے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا۔ ہجرت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اکثر غزوات میں اپنے پیارے رسول کے ہم رکاب تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ اور اِعْتِکَاف کی درخواست کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دے دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا جملہ کہا کہ جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ”اس کلمہ کے عوض میں اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تو میں خوش نہ ہوں گا۔“ وہ جملہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہترین دوست سے ارشاد فرمایا تھا وہ یہ تھا: ”اے میرے بھائی! اپنی دُعا میں ہم کو بھی شریک رکھنا بھول نہ جانا۔“



سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، نفاق اور منافقین سے نفرت کرتے تھے۔ ایک بار ایک منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا۔ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی نے کہا کہ، "اس کا فیصلہ تو پہلے سے ہو چکا ہے اور یہ ابو قاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے لیکن یہ شخص اُسے تسلیم نہیں کرتا" یہی وجہ ہے کہ یہ یہاں آیا ہے۔" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو فرمایا: "یہاں انتظار کرو، میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں" آپ رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے اور ایک تلوار لائے اور اُس سے اُسی وقت اُس منافق کی گردن اُڑا دی اور فرمایا کہ: "جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے راضی نہ ہو، اُس کا فیصلہ میں اس طرح کرتا ہوں۔"

کئی بار ایسا ہوا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہے کی تصدیق اللہ کی وحی نے کر دی تھی، مثلاً: بدر کے قیدیوں کے بارے میں وحی، منافقین کی نماز جنازہ، اُمہات المؤمنین کا پردہ کرنا، مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانا، شراب کو حرام قرار دینا، یہ چند مثالیں ہیں جن میں وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وفاداری، اور کامل اطاعت مشائی تھی۔ اپنے آخری ایام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک خلافت نامہ تحریر کیا اور کہا کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "عمر سے بہتر کسی شخص پر آفتاب نے طلوع نہیں کیا۔" اور فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ سے کہوں گا کہ اے پروردگار، اس وقت جو تیری مخلوق میں سب سے بہتر تھا، اس کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کی خلافت اللہ کی رحمت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا منظر تھی۔ وہ کمالات جو حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے اُن میں پیدا ہوئے تھے، اُن کے دورِ خلافت میں زیادہ نکھر کر ظاہر ہوئے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ، خلیفہ بنے، تو شروع میں آپ کے جلال اور غصے کے خوف سے لوگوں نے اپنے گھروں سے باہر بیٹھنا چھوڑ دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو اس بات کا علم ہوا، تو آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو یقین دلایا کہ: ”میرے احکامات صرف ظالم اور بدکار کے لئے ہیں۔“

خلیفہ بن جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کھلی اجازت دی کہ: ”اگر کسی کو مجھ میں کوئی خرابی نظر آئے، تو وہ مجھے کھلے عام بتائے۔“ اس کے بعد جب کوئی بھی شخص آپ کے آپ پر تنقید کرتا تو آپ رضی اللہ عنہ، تو جو سے اُس کی بات سنتے تھے۔ اس قسم کے رویے کی توقع صرف ایسے شخص سے کی جاسکتی ہے جس کا ہر فعل اس کے اللہ کے لئے ہوتا ہے، جس نے اپنی ذات کی نفی کر دی ہو اور جس کا مقصد حیات صرف اللہ کی رضا ہو۔ یہ عاجز خلیفہ جب پہلی بار منبر پر گئے، تو آپ اس سطح پر بیٹھ گئے جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، اپنے پیر رکھا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ ”آپ اوپر کیوں نہیں بیٹھتے؟“ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میرے لئے یہ ہی کافی ہے کہ میں اس جگہ پر بیٹھوں جہاں صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے قدم رکھے تھے۔“

آپ رضی اللہ عنہ، کا زہد اور ترک دنیا اس قدر تھا کہ آپ اپنا وظیفہ بیت المال

سے اتنا کم لیتے تھے کہ وہ آپ کے گھر کے اخراجات کیلئے بھی کم ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ کی تجارت چل رہی تھی، لیکن آپ بذاتِ خود اس میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ اسی وجہ سے اس میں سے کھائی بھی کم تھی۔ کبھی کبھی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی ضروریات کے لئے قرضہ لینا پڑتا تھا اور بسا اوقات یہ ضروریات اُن مہمانوں کے باعث پیش آتی تھیں جو آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ یہ حقیقت میں ہوتے تو سرکاری مہمان، لیکن خلیفہ اُن کی مدارات کے لئے اپنی جیب سے خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”مجھے بیت المال سے بس اتنا لینا چاہیئے جو معقول طور سے میرے گھرانے کے لئے کافی ہو۔“ جس کے معنی تھے ۲ درہم روزانہ، دو جوڑے لباس پورے سال کے لئے۔ ایک گرمیوں کے لئے اور دوسرا سردیوں کے لئے۔ اور سواری سفر خرچ کے لئے۔ تو یہ تھی آپ کی کل آمدنی بیت المال سے۔

اب اس کا مقابلہ آج کے حکمرانوں کی آسائش سے کریں۔ حقیقت میں تو اس کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اللہ کے محبوب خلیفہ کا لباس ایسا تھا کہ جو دو جوڑے آپ بیت المال سے لیتے تھے، اگر وہ پھٹے ہوتے ہوتے تو آپ اُن پر کبھی چمڑے کا اور کبھی ٹاٹ کا پیوند لگاتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”میں نے ایک بار اُن پیوندوں کو گنا تو وہ ۷۱ تھے۔“

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیت المال کی صفائی کر رہے تھے کہ انہیں ایک درہم پڑا ہوا ملا۔ وہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نواسے کو دیدیا جو قریب ہی کھیل رہا تھا۔ جب خلیفہ نے وہ درہم دیکھا تو بہت پریشان ہوئے

اور فرمانے لگے: ”اے ابو موسیٰ! ہمارے گھر سے زیادہ کوئی گھر تم کو ذلیل معلوم نہ ہوا۔“

آپ رضی اللہ عنہ کی عبادت ایسی تھی کہ نماز اور جماعت کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اگر آپ کسی وقت کسی کو نماز میں شریک نہ دیکھتے تو اس سے باز پرس کرتے۔ جب ایک بار آپ نے سلیمان بن ابو حشمہ رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا تو اُنکے بارے میں دریافت کیا اور اُن کے گھر انہیں دیکھنے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ تہجد پڑھتے تھک گئے تھے، اس لئے انہوں نے فجر کی نماز گھر میں ہی پڑھی تھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے فجر کی جماعت نماز تہجد سے زیادہ محبوب ہے۔“

ایک مرتبہ جب آپ رضی اللہ عنہ زخمی تھے تو کسی نے کہا: ”امیر المؤمنین! نماز فجر قضا ہونیوالی ہے۔“ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے، لیکن آپ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ”جلدی کرو، مجھے نماز پڑھنے دو۔ جو اپنی نماز کو بھولتے ہیں اُن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔“ آپ رضی اللہ عنہ کو تہجد پسند تھی اور آپ اپنے پورے گھرانے کو اس کے لئے جگاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں نماز تراویح کو وسعت ملی۔ اس کے بارے میں حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے: ”یا اللہ! اس کی قبر کو روشن رکھ جس نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔“ آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں خوفِ خدا اتنا تھا کہ ایک مرتبہ سورہ شمس کی تلاوت کے دوران جب آپ نے ایک آیت پڑھی تو بے ہوش ہو گئے اور کئی روز تک لوگ آپ کی عیادت کو آتے رہے۔ ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے گھاس

کا ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا: ”کاش میں یہ تنکا ہوتا، کاش میں پیدا نہ ہوتا“  
 حضرت عمرؓ کو ایک مجوسی کافر ابو لوٹو نے شہید کیا جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ  
 کا غلام تھا۔ وہ مسجد کے محراب میں چھپا ہوا تھا جہاں سے اس نے اپنے زہر آلود  
 خنجر سے خلیفہ پر وار کیا۔ اس طرح اللہ کے محبوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین  
 صحابی اپنے اللہ سے جا ملے، اسی ہمت اور شجاعت کے ساتھ جو انکی زندگی کا  
 خاصہ تھیں۔

اے اُمتِ محمدی! یہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کی بہترین مثال  
 ہے کہ وہ اپنے عرصہ حیات میں کس طرح تھے اور انکا کردار کیسا تھا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی اُمت کے ہر ایک فرد کے لئے ایک سبق ہے اگر وہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں  
 کہ نہایت اعلیٰ لوگ اپنی زندگیاں کس طرح بسر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُمتِ محمدی کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے  
 مزید مردارینِ حق کو بھیجے تاکہ وہ اسے اس کا اصل مقام دلا دیں۔

آمین



## حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کے لئے تمام حمد کثیرہ ہیں اور جس کیلئے جملہ دائمی تعریفیں ہیں، اور جسکی طرف سے دنیا کی تمام خوبصورتیاں ہیں۔ وہی رب ہے اور اُن تمام پیدا کی گئی چیزوں کا مالک ہے۔

درود و سلام محبوب رب پر، اُس مہربان دل اور مہربان آنکھوں پر، اُن پر جن کی زبان ہمیشہ مہربانہ الفاظ سے تر رہتی تھی۔ بے شک اُن کی رحم دلی تمام کائناتوں پر محیط ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب پر اور آپ کے گھرانوں پر۔ سلامتی ہو اُن سب پر جن کے دلوں میں عشق کا شعلہ روشن ہے اور ہر روز شعلہ انہیں اللہ کی حسین راہوں سے آشنا کرتا ہے۔

عشق کی کئی تعریفیں ہیں عشق کے معنی محبت ہے، ایک شدید قسم کی محبت۔ یہ شدت اس قدر زیادہ ہے کہ آپ کا اپنا وجود ختم ہوتا ہے اور صرف محبوب کا وجود باقی رہتا ہے۔ ایک سچا عاشق اپنے لئے دنیا کی کوئی چیز نہیں رکھتا۔ اس کے لئے دنیا بے معنی ہے۔ اُس کی نظر میں اس کے گھرانے کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کی اپنی ذات کی کوئی اہمیت نہیں۔ اُس کی نگاہ میں جس چیز کی اہمیت ہے

وہ صرف معشوق کا دل ہے اور بس یہی ہے۔ باقی سب کچھ اُس کیلئے وجود نہیں رکھتا۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

میں نے دیکھا ہے اے میرے قابل

تو نے تیجھی نظر سے تیر چلائے

دوسرے تیر کی ضرورت کیا

وار پہلا ہی جب نہ خالی جائے

یہ ہے صورتِ حال تمام عاشقین کی۔ کچھ تو فقط اپنا دل پیش کرتے

ہیں اور اللہ اُن کی باقی چیزیں اُن کے پاس ہی رہنے دیتا ہے۔ کچھ دل کے ساتھ

اپنی زندگی تک پیش کرتے ہیں، لیکن پھر بھی باقی اپنے ہی پاس رکھتے ہیں۔ مگر کچھ

ایسے بھی ہیں جو نہ صرف اپنا دل، اپنی زندگی، اپنی دولت، اپنے گھرانے، حتیٰ کہ

اپنے معصوم بچے اور اولاد کو بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ آنکھ جھپکائے

بغیر دے دیتے ہیں۔ صرف اپنے معشوق کے لئے، اپنے اللہ کے لئے۔ دُنیا

کے تمام مسلمان اپنے نئے اسلامی سال میں داخل ہوتے ہیں یہ لازوال داستان

یاد کرتے، یعنی داستانِ عشقِ حُجین جس نے ماہِ محرم کو رنجِ عالم کا مہینہ بنایا ہے

لیکن ساتھ ہی فتح کا مہینہ بنا دیا ہے، یعنی اشکوں کے ساتھ فخر کرنے کا مہینہ،

فخر آپ کے پیارے رسول ﷺ کے اہل بیت کی قربانی پر۔

آپ کو بھلا کس جگہ شجاعت اور بے خوفی کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔

نئے سال کے آغاز کرنے کا کتنا خوبصورت طریقہ ہے۔ اللہ کی طرف سے مبارک

ہو سال ۱۲۳۳ ہجری کا آغاز۔ یہ مہینہ اللہ کے ولیوں کی خوبصورتیوں کا بھی مہینہ ہے، خاص طور سے پاک پتن شریف کے عظیم چشتی ولی، بابا فرید الدین گنج شکر کا، جن کی مٹھاس ساہا سال سے اسی طرح شیرین اور خوشبو دار ہے جس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دنیاوی زندگی کے وقت تھی۔ یہ مٹھاس آپ رحمۃ اللہ علیہ میں اللہ کے فضل سے کم عسری ہی میں ظاہر تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام شکر محض ایک اتفاق نہیں تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے شروع سے ہی آپ کی زبان، آپ کے دل اور آپ کے پورے وجود میں شیرینی بھردی تھی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں میٹھی چیزوں کا شوق تھا تو آپ کی والدہ نے اس چیز سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ میں بچپن سے ہی نماز کی عادت ڈال دی۔ انہوں نے اپنے نور العین سے کہا: ”اے فرزند! جو شخص صبح کی نماز سویرے ادا کرتا ہے حق تعالیٰ اُسے شکر عنایت فرماتا ہے۔“ پھر اُن کی یہ عادت ہو گئی کہ وہ بڑی خاموشی سے شکر کی ایک پڑیا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جاتے نماز کے نیچے رکھ دیتی تھیں۔ نماز کے بعد کم عمر فرید اپنے مصلتے کے نیچے سے شکر کی پڑیا لے لیتے تھے۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آپ ۱۲ سال کی عمر کو نہ پہنچے۔ اس وقت آپ کی والدہ نے سوچا کہ اب اُن کا بیٹا بڑا ہو گیا ہے اس لئے انہیں مزید شکر رکھنے کی ضرورت نہیں، اور انہوں نے شکر رکھنا بند کر دیا۔ لیکن ہوا یہ کہ بابا فرید کے مصلتے کے نیچے شکر کی پڑیا برابر موجود رہتی تھی۔ ایک دن بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ



نے اُن سے پوچھا آیا انہوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:  
 ”جی ہاں اور وہ شکر بھی کھالی جو میرے مصلے کے نیچے رکھی تھی۔“

یہ سن کر اُن کی والدہ حیران ہوئیں اور پھر انہیں احساس ہوا کہ یہ اللہ ہے جو  
 ابھی تک اپنا تحفہ کم عمری پر بچھا کر رہا ہے۔ ایک اور بھی واقعہ ہے جس میں اللہ نے  
 اپنے اس محب کو پھر سے شیرینی کا تحفہ عطا فرمایا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب  
 آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت تھے۔ ایک  
 دن آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ سے ملنے گئے۔ لیکن بد قسمتی سے اُس دن برساتی موسم  
 تھا اور آپ نے پچھلے چند دنوں سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا، تو اُسی کمزوری کی وجہ سے  
 آپ کیچڑ میں پھسل کر نیچے گر پڑے۔ گرنے کے باعث کچھ کیچڑ آپ کے منہ میں  
 چلا گیا۔ لیکن حیران کن طریقے سے وہ کیچڑ شکر میں تبدیل ہو گیا۔ جب بابا صاحب  
 نے اپنے مرشد سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو مرشد نے جواب دیا: ”اے فرید! تھوڑی  
 مٹی تمہارے دہن میں پہنچ کر شکر ہو گئی، کیا تعجب ہے کہ قادرِ ذوالجلال نے تیرے جسم  
 کو گنج شکر کیا ہو، اور وہ اپنے فضل سے تجھے شیریں رکھے گا۔“

یہ وہی وقت تھا جب آپ گنج شکر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اللہ  
 کے اولیاء وہ ہیں جن کو خاص مقاصد کے لئے پیدا کیا جاتا ہے، یعنی اپنے اللہ  
 کے کام کے لئے۔ ان خاص لوگوں کی خاص قسم کی زندگیاں ہوتی ہیں۔ فقط بصیرت  
 والی آنکھیں ہی ایسے ولی کو پہچان سکتی ہیں۔ اگر دنیا اُن کی صفات سے بے خبر بھی  
 ہو تب بھی ان اولیاء کو اکثر روحانیت کے راستے ولے لوگ پہچان پاتے ہیں۔

یہی بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے مُرشد کے ساتھ بھی ہوا جب آپ پہلی بار ملے۔  
بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے گھر سے حاصل کی تھی اور  
آپ نے ۱۲ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ جب آپ کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو آپ  
ملتان تشریف لے گئے اور وہاں فقہ کی مشہور کتاب ”نافع“ پڑھی۔ وہاں سے  
آپ علوم دینیا حاصل کرنے قندھار تشریف لے گئے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے  
مرشد سے ملاقات کا واقعہ اُس وقت پیش آیا جب آپ رحمۃ اللہ علیہ ”نافع“ کی تعلیم  
مولانا منہاج الدین ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے لے رہے تھے۔ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک  
مسجد میں بیٹھے اپنی مخصوص کتاب پڑھ رہے تھے جب قطب الاقطاب حضرت  
قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُس مسجد میں داخل ہوئے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ  
نے اپنی نماز پڑھ لی تو آپ کی نظر ایک نوجوان پر پڑی جو ایک کتاب کے مطالعے  
میں مصروف تھے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر موجود ستارہ ولایت اس عظیم قطب کی  
نگاہ بصیرت سے چھپ نہ سکا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ آہستہ آہستہ نوجوان کی طرف بڑھے  
اور اُن سے پوچھا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا :  
کتاب ”نافع“۔ یہ سن کر حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : ”تم جانتے ہو کہ  
نافع سے تمہیں، نفع ہوگا؟“ اُس وقت حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں  
کی مقناطیسی کشش اور اُن کے دل کے ”نور“ تھے جس نے فوراً بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ  
کے دل پر غلبہ پالیا۔ اُسی وقت نوجوان ولی نے جواب دیا : ”مجھے تو حضرت کی  
قدم بوسی سے نفع ہوگا۔“ اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور اپنا سر حضرت قطب الدین

کے قدموں پر جھکا لیا۔ یہ دل سے دل ملنے کا وقت تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین سے بیعت ہوتے وقت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف ۱۵ سال تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد نے کچھ عرصہ ملتان میں قیام کیا اور پھر دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ بابا صاحب نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن ان کے شیخ نے انہیں اجازت نہ دی اور ان سے کہا کہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھیں۔

سال ۵۹۵ ہجری کو، اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں آ پہنچے اور وہاں غازی دروازے کے قریب قیام فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت، اپنا خصوصی مصلیٰ اور عصار عطا کرتے ہوئے فرمایا: ”میں تمہاری امانت، یعنی دستار اور نعلین، جو کہ مجھے پیران چشت سے پہنچے ہیں، حمید ناگوری کے سپرد کر دوں گا اور جب تم پانچویں روز (وفات) ہانسی میں میری قبر پر آؤ گے، وہ یہ امانت تم کو پہنچا دے گا۔“

کچھ عرصے بعد آپ نے اپنے شیخ سے اجازت لی اور ہانسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں چند ہی دنوں میں بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کے وصال کی الم ناک خبر ملی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کی قبر مبارک پر گئے تو پانچویں روز آپ کو مرشد کی وہ نعمتیں عطا ہوئیں جن کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بڑا سخت وقت تھا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو فقر و فاقہ سے محبت تھی اور آپ کی ریاضت اور تقویٰ نے آپ کے چہرے پر ایک دلکش سکون طاری کر دیا تھا۔ اور جو بھی آپ کے رخ انور پر انوار الہی کو دیکھتا، وہ آپ کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا۔

اسی طرح جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کہیں بھی جاتے، ایک خلقت آپ کے ہمراہ چلتی۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ تنہائی پسند کرتے تھے، اسی لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے، لیکن ہر جگہ یہی ہوتا۔ آخر میں کسی نے ابو دھن جانے کا مشورہ دیا (جسے آج کل پاک پتن شریف کہتے ہیں) اور کہا کہ: ”وہاں کے لوگ منکر درویش ہیں اور سخت دل اور بد مزاج ہیں۔“ اُس شخص کا خیال تھا کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہاں موجودگی لوگوں کے دلوں کو تبدیل کر دے گی۔ تو اس طرح بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابو دھن پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے حسبِ توقُّر اس ولی کا احترام نہیں کیا۔ اس کے برعکس آپ کے ساتھ برابر تاؤ کرنا شروع کیا۔ اس پر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر سے باہر جگہ کے مضافات میں ایک جنگل کے قریب رکنے لگے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فاقے پر فاقہ کیا کرتے تھے اور بہت تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ اس گمنام شہر ابو دھن کی قسمت کو بدلنے کا یہ اللہ کا انداز تھا۔

یہ اللہ ہی ہے جو عزت دیتا ہے اور اُسے واپس بھی لے سکتا ہے۔ یہ اللہ ہی ہے جو ایک لمحے میں آبادیوں کو برباد کر سکتا ہے، یا کسی ویرانہ کو اپنے حکم سے آبادی میں بدل سکتا ہے۔ یہ اللہ واحد ہی ہے جو جانتا ہے کہ اُس کے منصوبے کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ ابو دھن، جو اسقدر گمنام تھا کہ مشکل سے کوئی اس کا نام جانتا تھا، اتنا مشہور شہر بن گیا کہ اُس کا نام اس دنیا کے خاتمے تک باقی رہے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک ولی نے اپنے وجود سے اس کو شرف بخشا تھا۔ جب اللہ کا ”نور“ ہر شے کو منور کر سکتا ہے، تو پھر یہ بنجر دلوں کی آبیاری

بچوں نہیں کر سکتا۔ یہ ایسے لوگوں کی تقدیر کیوں نہیں بدل سکتا جو گناہوں کی  
 دلدل میں دھنسنے ہوئے تھے؟ بس ایک نگاہِ درویش سے ان لوگوں کی دنیا  
 ہی بدل گئی اور ان کے سینوں کی تاریکی ”نورِ ہدایت“ سے بدل گئی۔

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اب تک وہی درویشانہ زندگی بسر کر رہے تھے آپ  
 بس ایک ہی روٹی پر یا اُس کے ساتھ ”پیلو“ یا کسی ایسے ہی درویشی کھانے پر گزارا  
 کرتے تھے۔ ایسا نہیں کہ وہاں اللہ کی نعمتوں کا فقدان تھا۔ وقت گزرنے کیساتھ  
 لوگوں کو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی رحمت کا احساس ہوا اور انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے  
 پاس آنا شروع کیا۔ لیکن بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مخلوق سے دور رہنے کو ترجیح دیتے تھے  
 اور آپ نے دشت بیابان کو مسکن بنایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دروازہ غریبوں کی ضروریات  
 کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ صرف آدھی رات کے بعد بند ہوتا تھا۔ اگرچہ آپ کی  
 خانقاہ میں اللہ کی نعمتیں ہر وقت موجود رہتی تھیں، لیکن یہ سب صرف ضرورت مندوں  
 میں تقسیم کے لئے تھیں۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک چارپائی تھی جو گھاس  
 کے سخت پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ اور وہ کملی جو آپ رحمۃ اللہ علیہ دن کے وقت اپنے  
 کاندھوں پر ڈالے رکھتے تھے اور رات کو کھبل کے طور پر استعمال کرتے تھے، لیکن  
 اس کی لمبائی اتنی کم تھی کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بغیر ڈھانپنے رہ جاتے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عصا تھی جو آپ کے مرشد حضرت بختیار کاکیؒ  
 کی تھی جسے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنی چارپائی کے قریب رکھا کرتے تھے اور جس پر آپؒ

کبھی کبھی اپنے ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے چومتے تھے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام افلاس اور تنگ دستی میں گزرے کبھی کبھی آپ کے خادم آپ سے کہتے: "حضور! آج آپ کے بچوں میں سے ایک کا فاقہ ہے۔" یا: "آپکی ایک بیٹی ۲ دنوں سے فاقہ کش ہے۔" لیکن بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے گہرے استغراق میں ہوتے کہ کبھی اس حرم محترم پر توجہ ہی نہیں دے پاتے تھے۔ ایک دن آپ کا حرم محترم آ کے کہنے لگا: "حضور! آج یہ بچہ بھوک سے مرنے والا ہے۔" یہ سن کر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "خدا کا بندہ مسعود کیا کر سکتا ہے۔ اگر تقدیر الہی اس کے سر آدھکی اور وہ (بچہ) اس جہاں سے سفر کرتا ہے تو اس کے پاؤں ایک مضبوط رستی بانڈھ کر ڈال دے اور چلی آ۔"

یہ ایک مثال تھی کہ کس طرح اللہ کا ایک ولی ہر چیز سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اُس کے لئے اس کی دنیا فنا، اُس کی ذات فنا، بس محبوب کا وجود باقی۔ جب بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مجاہدہ شروع کیا تو آپ کے مرشد نے آپ کو تائی روزوں کی ہدایت فرمائی۔ صوفی عام طور سے اسی قسم کے روزے رکھتے ہیں، جس میں وہ روزے کو اُس وقت تک مسلسل جاری رکھتے ہیں جب تک انہیں غیب سے کچھ نہیں ملتا۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۳ دن تک بغیر وقفے کے متواتر روزے رکھے کیونکہ آپ کو کوئی افطاری نہیں ملی۔ لیکن تیسرے دن ایک شخص نے آپ کو کچھ روٹی پیش کی۔ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ یہ اُن کے لئے غیب سے آیا ہوا رزق ہے، اس لئے آپ نے اس سے افطاری کی۔ لیکن چند منٹ نہ

گزرے ہوں گے کہ آپ نے قے کی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر لپنے مُرشد سے کیا تو انہوں نے وضاحت فرمائی کہ، ”یہ روٹی کسی شرابی کی طرف سے تھی۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس قسم کی روٹی آپ کے جسم میں ٹہرنے سکی۔ اب جائیں اور ۳ دن کے روزے دوبارہ رکھیں اور جو کچھ بھی آپ کو غیب سے ملے اُسے لے لیں اور اُس سے افطار کریں“۔ ۳ دن کے روزے کے بعد بھی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غیب سے کچھ نہ ملا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کمزوری اتنی بڑھی کہ بے قراری کے باعث آپ فرش پر لیٹ گئے اور کچھ کنگر اٹھا کر منہ میں رکھ لئے اور وہ کنگر شکر میں تبدیل ہو گئے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ :

سنگ در دست تو گوہر گردد

تیرے ہاتھ میں پتھر موتی بن جاتے ہیں

زہر در کام تو شکر گردد

اور تیرے منہ میں زہر، شکر ہو جاتی ہے

بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چلہ معکوس بھی ایک عجیب مجاہدہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ

نے ۴۰ دن اور ۴ راتیں مسلسل پیروں میں رستی باندھے کنوئیں میں الٹا لٹک کر

اللہ کی عبادت کی۔ امیر حسن فرماتے ہیں کہ :

ہر دل کہ دردِ مچھرتو آدینخدا شد

آدینختہ شد عاقبت از کنگرہ عشق

(جس دل میں تیری محبت کا تعلق پیدا ہوا، انجام کا یہ کنگرہ عشق سے لٹکایا گیا۔)

اس دُنیا میں موجود اللہ کے خوبصورت دل بڑے صبر سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی نسبت اللہ سے ہے اور وہ اپنے اللہ کے ہمراہ رہتے ہیں، لیکن پھر بھی اُن کا مسکن دُنیا ہے۔ وہ صبر کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ معشوق کا حکم ہر چیز پر مقدم ہے۔ لیکن جب بے قراری ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے تو حق کو بھی یہ جدائی اچھی نہیں لگتی۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ: ”جب شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مرض الموت شروع ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اپنا خرقہ حوالے فرما کر سوال کے مہینے میں دہلی کی طرف روانہ کیا۔ جب میں دہلی پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے مُرشد کے مرض میں اضافہ ہوا ہے اور ایک رات عشاء کے بعد آپ پر بے ہوشی طاری ہوئی۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آئے تو مولانا بدر الدین اسحاق سے پوچھا: ”کیا میں نے عشاء پڑھ لی؟“ ”جی ہاں!“ مولانا نے جواب دیا۔ لیکن پھر بھی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ نماز پڑھی۔ اس طرح آپ نے اُس رات ۳ بار نماز پڑھی۔

پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”مولانا نظام الدین دہلی میں ہیں۔ میں بھی اپنے مُرشد خواجہ قطب الدین کے زمانے میں ہانسی میں تھا۔“ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت آہستگی سے مولانا بدر الدین سے فرمایا: ”میری موت کے بعد وہ جامعہ (لباس) جو خواجہ قطب الدین نے مجھے عطا فرمایا تھا اُسے خواجہ نظام الدین کے پیر و کردینا۔“ اس کے بعد آپ نے ایک دو گانا ادا کیا اور پھر سجدے میں گئے، اور عین اُسی حالت میں اپنے رب سے جا ملے۔ یہ ۵ محرم ۶۶۳ھ ہجری کا دن تھا



آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف اس وقت ۹۵ برس تھی۔

اے اُمتِ محمدی! داستانِ عشق کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ بس جاری ہی رہتی ہے، ایک عشق سے دوسرے عشق تک۔ یہ بس یونہی چلتی رہتی ہے۔ یہ رُک بھی کیسے سکتی ہے؟ عشق کو تو دوام حاصل ہے تو پھر کیا داستانِ عشق بھی دائمی نہ ہو؟

گل گلزارِ انور معانی

دردِ ریائے گنج لامکانی

مٹے وحدت ز جامِ عشقِ خورد

قدیم در عالم لاہوت بردھ

بلک فقر شہنشاہِ مقصود

فرید الدین ملت شیخ مسعود

حق فرید، یا فرید۔

اللہ کی رحمتیں ہم سب پر قائم دائم رہیں۔

آمین



## ”عَاشُورَہ“

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو العادل ہے؛ جو البکیر ہے؛ جس کے منصوبے اُس وقت تک کسی کو نہیں معلوم ہوتے جب تک کہ وہ خود انہیں ظاہر نہ کرے۔ وہ مالک ہے ہر ایک روح اور ہر ایک مخلوق کا جو کبھی بھی پیدا کی گئی ہو۔

دُرود و سلام اُن پر جنہوں نے اپنی زندگی دو چیزوں کو بڑی مضبوطی سے تھام کر گزاری: ایک صبر اور دوسرا شکر؛ اُن پر جو اللہ کے محبوب ہیں اور جن کا دل اللہ کو بہت ہی پیارا ہے۔

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب اشکوں کے لئے جو ذکرِ حُنین میں بہتے ہیں، اور سلامتی ہو اُن سب دلوں کے لئے جو غمِ حُنین اور غمِ کربلا میں لہو لہان ہوتے ہیں۔

۶

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”آپ انہیں فرمائیں کون ہے جو اختیار رکھتا ہے اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا، اگر ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی ضرر کا، یا ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی نفع کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ، جو کچھ تم

کر رہے ہو، اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہ آئے گا۔ یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوش نما لگتا تھا یہ ظن تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے بُرے خیالوں میں میں مگن رہے۔ اس وجہ سے تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔“

بھلا کون ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے منصوبے میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے؟ اُس کے منصوبے تو ایسے ہیں کہ جب وہ کہتا ہے ”کُن“ تو وہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے منصوبے بہترین ہیں۔ ہزاروں سال پہلے ایک اور قسم کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا، لیکن یہ منصوبہ ایک نہایت ہی شاطر اور فسادی مخلوق نے تیار کیا تھا جو ہر وقت نئے جال بُن رہا ہے تاکہ وہ اپنے بدلے لینے کی پیاس کو بجھا سکے، یعنی بنی آدم سے بدلہ، اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ۔ یہ ہے وہ منصوبہ جو اُس محرم کے دن کے لئے بنایا گیا تھا، ایک نہایت کمزور منصوبہ جسے نہایت ہی احتیاط سے بنایا گیا تھا، ایک منصوبہ جو اللہ کے نبی ﷺ اور اُن کے اہل بیت کے خلاف تھا، ایک منصوبہ جو اس زمین سے سادات کو مٹانے کا منصوبہ تھا تاکہ آنے والی نسلیں اُن کو بھول جائیں۔ جب نبی ﷺ کی نسل باقی نہیں رہے گی، تو یقیناً کوئی رسول اللہ ﷺ کو یاد نہیں کرے گا، اور جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی یاد کرنے والا نہ ہوگا تو پھر یقیناً کوئی اُن کے اللہ کو جاننے والا نہ رہے گا۔ یہ تھا وہ شیطانی منصوبہ، احتیاط سے سوچا گیا، اور احتیاط سے بنایا گیا اور پھر احتیاط سے عمل درآمد کیا ہوا۔ وہ کیا کیا بد نیتیں تھیں، کیا کیا نفرتیں اور غصے تھے اُس بدلے لینے

والے دل میں بنی آدم کے خلاف۔

یہ بدلہ دراصل اُن عظیم ہستی کے خلاف تھا جو تمام جہانوں میں کامل (مکمل ترین) انسان ہیں لیکن کیا کوئی ہے ایسا جو اللہ کا مقابلہ کر سکے اور اُن کو نقصان پہنچا سکے جن کی نسبت اللہ سے ہے! ہے کوئی ایسا جو اُن کے ذکر کو بند کر سکے جن کے ذکر کو اللہ نے بلند فرمایا ہو اور بے شک یہ ذکر ابد تک بلند ہی رہے گا۔ ایسی کوئی ہستی اب کبھی نہیں آئیگی جن کا ذکر، جن کا رتبہ اور درجہ کبھی بھی اتنا بلند ہوگا جتنا کہ اللہ کے محبوب رسول ﷺ کا ہے۔ شیطان نے جھوٹی اُمیدوں کے سہارے اپنی بُری نیت کے ساتھ کربلا کی سازش اس خیال سے تیار کی تھی کہ اس سے اللہ کے نظام کا خاتمہ ہوگا، اُس کے نام کا خاتمہ ہوگا اور اُس کے چاہنے والوں کے ناموں کا خاتمہ ہوگا۔ اس منصوبے پر باریک بینی سے غور کیا گیا تھا۔ اس پر عملدرآمد نبی کریم ﷺ کے وصال کے دن سے شروع ہوا تھا۔

ہر نئے خلیفہ کے لئے نئی مشکلات پیدا کی گئیں۔ کبھی زکوٰۃ کے نظام کے خلاف بغاوتیں ہوتیں اور کبھی خوارج کی سرکشی تھی۔ تاج و تخت کی حرص کمزور دلوں کو زہر آلود کر رہی تھی جو رفتہ رفتہ اسلام کی روح کو فراموش کرتے جا رہے تھے۔ پہلے تو یہ چند لوگ تھے، لیکن پھر قیصر و کسروہ کے محلات کی شان و شوکت اور چمک دمک منافقین کے دلوں میں جا گھسیں اور وہ چند لوگ کثیر تعداد میں بدل گئے؛ انہوں نے بڑی آسانی سے اپنے رسول پاک ﷺ کے تقویٰ کو بھلا دیا اور بڑی آسانی سے آپ ﷺ کے کئی کئی دنوں کے فاقوں کو اور مختصر دنیاوی اثاثے کو بھلا دیا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ منافقین نے مسلمانوں کی خلافت کو پھینکنے کے لئے کئی سازشیں تیار کیں مگر ان تمام منصوبوں میں شیطان کو سب سے بڑی رکاوٹ اہل بیت کی موجودگی کی صورت میں نظر آئی۔

اس لئے اس نے نہایت خاموشی سے اُن کے خلاف جال بننا شروع کیا اور اپنی شیطانی حکمتِ عملی کے ذریعے چاروں خلفاء کو شہید کروایا۔ اس طرح اسلام کے خلاف سازش بڑھنی شروع ہوئی، جس میں تیزی اور شدت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آنی شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے جو غیب کو دیکھ سکتی تھیں، پہلے سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ”اسلام کی چکی کو پورے ۳۵ سال بعد پھیر لیا جائے گا۔ اللہ کی تلوار اُس وقت تک نیام میں رہے گی جب تک کہ عثمان زندہ ہیں، لیکن جب انہیں شہید کیا جائے گا تو وہ تلوار میان سے (ایسے) باہر آئے گی کہ پھر قیامت تک میان میں واپس نہ جائے گی۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادتوں کے بعد مسلمانوں کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ اسکی بنیاد یزید کی تقرری اُس کے والد کی طرف سے کئے جانے سے بڑھی جس سے اسلامی چکی کو پھیرے جانے کے عمل میں تیزی آگئی، جسکی پیش گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ یزید بن معاویہ ایک عیاش اور مکمل غافل شخص تھا جس کے مشاغل شراب، عورتیں اور عیش و نشا تھا۔ وہ خلفاءِ مسلمین کی مکمل ضد تھا۔ وہ خلافت کے چہرے پر بد نما داغ تھا۔ ابلیس کا خیال تھا کہ اُس نے اچھا منصوبہ بنایا ہے، منصوبے کا پہلا حصہ اقتدار اُن ہاتھوں

میں دے دینا تھا، یعنی معاویہ کے ہاتھوں میں، جو بلاشبہ قابل تھے لیکن جن کے دل میں اپنے بیٹے کے لئے ایک نرم گوشہ تھا۔ جنہوں نے خطرہ مول کر تمام مسلمانوں کا مقدر اپنے نالائق بیٹے کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ بیٹا جو مکمل طور پر فسق و فجور میں مبتلا تھا۔ منصوبے کا دوسرا حصہ اُس وقت شروع ہوا جب یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ ابلیس کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کبھی یہ نہیں کریں گے۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی طاقت یا ترغیب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو باطل اور جھوٹ کے آگے جھکا نہیں سکتی تھی۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز بلند کی تو ہزاروں لوگ اُن کے حق میں اُٹھ کھڑے ہوں گے، تو اُس نے بڑی ہوشیاری سے کوفیوں کو آمادہ کیا کہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں، اس غلط بہانے سے کہ وہ اُن کے حمایتی ہیں۔ ابلیس جانتا تھا کہ کوفیوں کے دلوں کو بدلنا اس کے لئے مشکل نہ ہوگا کیونکہ وہ درحقیقت دنیا دار لوگ تھے۔

ہو ایوں کہ ان کوفیوں نے کئی خطوط لکھے جو بظاہر یزیدی بیعت کے خلاف مدد کے لئے تھے، لیکن جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور ابن زیاد نے انہیں بے دردی سے شہید کیا تو اُن کوفیوں کے دل اور وفاداریاں فوراً ہی تبدیل ہو گئیں۔ ہر ایک کو موت سامنے نظر آئی، اور ابلیس نے انہیں اس بات سے فراموش کرایا کہ چاہے وہ کچھ بھی کریں انہیں آخر کار مرنا ہی ہے۔

اس دوران امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو فیوں کی بے وفائی سے بے خبر تھے اور کوفیوں کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ یہ وقت ابلیس کے ناپاک منصوبے کے لئے بہترین تھا کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف ان کے خاندان والے اور چند دست تھے۔ ابھی آدھا ہی سفر طے کر چکے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو صحیح صورتحال کا علم ہوا۔ بہر حال آپ نے کوفہ کی جانب آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ ہی منصوبے کا بڑا مقصد تھا، یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی صورت حال سے دوچار کیا جائے کہ کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آسکے اور پھر اہل بیت کے تمام نشانات کو مٹا دیا جائے تاکہ امت کو کبھی یہ پتہ ہی نہ چلے کہ اصل میں ہوا کیا تھا۔

ابن زیاد نے پہلے ہی سے ایک زیدی شکر خُربن ریاض کی سربراہی میں بھیجا ہوا تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کے راستوں کو بند کرنے کے لئے، تاکہ پھر وہ انہیں بغاوت کے جرم میں سزا دے سکے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حقیقی باغی کون تھا؟ معصوم امام حسین رضی اللہ عنہ جو اپنے ۷۲ گھروالوں اور چند دوستوں کے سفر میں تھے جن کے قافلے میں جوان اور بوڑھے اور حتیٰ کہ شیرخوار بچے بھی شامل تھے، اس قافلے میں امام کا حرم اور ان کی جوان بیٹی اور بہن بھی تھیں۔ تو وہ کس طرح باغی تھے؟ کیا اصل باغی وہ لوگ نہیں تھے جو تخت نشین تھے اور ابلیس کے ہاتھوں مہر بنے ہوئے تھے، کیا اصل باغی وہ نہ تھے جنہوں نے اپنی بے باکی اور بے شرمی سے اللہ کے تمام قوانین کو توڑا تھا؟ وہ اصل باغی تھے۔ یہ حقیقتاً اللہ کے باغی اور نہ فرمان تھے۔

کبھی کبھی چیزیں اُس طرح نہیں ہوتیں جو بظاہر دکھائی دیتی ہیں۔ یہی کچھ تھا اس فیصلہ کن دن میں، یعنی ۱۰ محرم کے دن۔ یہ وہ دن تھا جب اہل بیت کے غریب الوطن قافلے کو لُت و دُتِ صحرا میں بھٹکا دیا گیا تھا، ۲۲,۰۰۰ خون کے پیاسے لوگوں کے مقابلے میں۔ یہ وہ دن تھا جب وہ خون کے پیاسے، جو کبھی خود کو علی کے عاشق کہلاتے تھے (یعنی شیعانِ علی)، وہ اب اہل بیت کو ایک بُری نیت سے گھیرے ہوئے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات آپکے اعمال، آپکی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتے۔ کسی سے یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ: ”میں تم سے پیار کرتا ہوں۔“ لیکن اکثر اوقات جب یہ الفاظ اللہ کیلئے یا اُسکے عاشقین کیلئے کہے جاتے ہیں، تو یہ صرف کھوکھلے الفاظ ہوتے ہیں جو صرف بولے جانے کیلئے کہے جاتے ہیں۔ جب اللہ ایسے الفاظ کے بولنے والے کو کسی امتحان میں مبتلا کرتا ہے، تو ان میں زیادہ تر مشکل سے یہ امتحان پاس کر پاتے ہیں۔ ایسا ہی ہوا اُس دن۔ یزیدی لشکر مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت تھے۔ کلمہ شہادت کے بولنے والے تھے۔ لیکن اُنکے دلوں پر تالے لگے ہوئے تھے اور اُنکی آنکھوں پر وحشت اور دُزدگی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اہلبیت کے خون کے پیاسے تھے۔ آخر ایسا کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ اپنی آرام دہ زندگی ختم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کے اپنے بچوں اور گھرانوں کو ان سے چھین لے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بچوں کے گلے و حسیانہ طریقے سے کاٹے۔



انہوں نے اُن کا لہو کر بلا کی خشک ریت پر بہایا۔ انہوں نے ۶ ماہ کے معصوم علی اصغر کے حلق میں تیرا تار دیا۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ خوشی سے رہ سکیں۔ لیکن کبھی کبھی حقیقت وہ نہیں ہوتی جو ظاہری آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ وہ بہت ہی مختلف ہوتی ہے۔ جی (قافلہ حسین صرف ۷۲ افراد پر مشتمل تھا، جو مرد، خواتین اور بچے تھے۔ جی ہاں! وہ وہاں کوئی جنگ لڑنے نہیں آتے تھے، مگر انہیں ایک ایسی صورت حال میں دھکیلا گیا جس میں اُن کے ہر طرف موت ناچ رہی تھی۔

لیکن پھر بھی انہوں نے کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے جو دشمنوں کو پیٹھ دکھاتے ہیں۔ اُن کی رگوں میں خاتم الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہو دوڑ رہا تھا۔ اُنکے بازوؤں میں حیدر کرار سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی قوت تھی۔ وہ خاتونِ جنت، سیدنا فاطمہ بیولہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے ”نور“ تھے۔ وہ سب اللہ کے شیر تھے وہ اپنے اللہ کی فوج تھے اور جانتے تھے کہ فتح اُنکے قدم چومے گی۔ ابلیس کی چال تو یہ تھی کہ اہلبیت کو اس طرح ختم کیا جائے کہ اُنکے نام تک کو کوئی یاد نہ رکھے، لیکن قطع نظر اس کے کہ اُس نے کتنی زبردست کوشش کی، لیکن مکمل طور سے ناکام رہا، اُسے ذلت آمیز ناکامی ہوئی۔

۱. محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کا دن تھا، علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی فتح کا دن تھا، شہزادی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی فتح کا دن تھا جب ۶ ماہ کے بچے سے لیکر ۴۳ سال کے مردوں نے پوری دنیا کو اللہ کے سپاہیوں کی قوت اور شجاعت دکھائی۔ ۷۲ نہتے مردوں، عورتوں اور بچوں نے

۲۲۰۰۰ منافقین (۲۲۰۰۰ کافر) کے خلاف جنگ لڑی اور فتح پائی۔ کتنے شرم کی بات ہے  
 یزید یوں کیلئے، کتنی شرم کی بات ہے اس شیطانِ مردود کیلئے جو ایک ۶ ماہ کے معصوم  
 بچے کے آگے ٹھہر نہ سکا جب اس معصوم جان نے شیطان کی سالہا سال کی منصوبہ بندی کو  
 تباہ کر دیا اپنے کٹے ہوئے گلے کے خون کو اس منصوبے پر گرا کر اس طرح کہ  
 جیسے اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں خاک جھونک رہا ہو، اُن کے مکروہ چہروں پر مٹی  
 ڈال رہا ہو۔

آ دیکھ کر بلا کو بشر کے شعور میں  
 شامل ہوتے ہیں خاک کے ذرے بھی نور میں  
 تاثیرِ خونِ ابنِ علی ہے کہ آج تک  
 جھکتا ہے آسمان بھی زمین کے حضور میں

اس طرح ابلیس کی سالوں کی محنت پر محض چند گھنٹوں میں پانی پھر گیا۔  
 وہ چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کو مٹادے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 اہل بیت کے ناموں کو ہمیشہ کے لئے مٹادے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ  
 وہ خون جو کر بلا کی اس سوکھی زمین پر گرا، اُس نے ان مقدس ناموں کو ابد الابد تک  
 امر کر دیا۔ یہ نام عرشِ العظیم کا ”نور“ ہیں۔ وہ بھلا ابد تک کیوں نہ چمکیں ہر ایک  
 مسلم اور ہر ایک مومن کے دل میں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی انس، جن اور ملائکہ  
 ابنِ علی کے نام کو فراموش کرے، شہیدانِ کر بلا کے ناموں کو بھول جائے۔

وہ نمازِ عشق تیسری، اے حسین ابنِ علی

سب پر واضح کر گئی کہ رازِ ”هُوَ“ سجدے میں ہے  
 کربلا میں کر دیا حق کے لئے سب کچھ فدا  
 وہ سراپا ناز اب تک ہو ہو سجدے میں ہے  
 خاکِ کربلا تیرے نصیبوں کو سلام  
 تجھ پر سوتے سب شہیدوں کو سلام

واقعہ کربلا کامل اطاعت کی مثال ہے، رازِ الہی کے سامنے سر تسلیم خم  
 کرنے کی ایک داستان ہے، اور اُمت کے لئے ایک یاد دہانی ہے کہ عشق  
 کس طرح کیا جاتا ہے۔ اُس دن، جب عشق نے کہا: ”دنیا چھوڑ دے“، تو دُنیا  
 چھوڑ دی گئی، گھر بار کا آرام چھوڑ دیا گیا اور صحرائے کربلا کی جھلسا دینے والی تپش کو  
 گلے لگا لیا گیا۔ جب عشق نے کہا: ”گھر بار چھوڑ دے“، تو گھر بار چھوڑ دیا۔ جان  
 فدا کرنے والی بیویاں چھوڑ دی گئیں۔ انہیں بے کس و بے سرو سامانی کی حالت میں  
 صحرائے کربلا کے اُس دشتِ ویران میں چھوڑ دیا گیا۔ جب عشق نے کہا: ”باطل  
 کے آگے ڈٹ جاؤ۔“ تو اُن میں سے ہر ایک ڈٹ گیا آنکھوں میں شعلے لئے  
 اور اپنے بازوؤں میں گردش کرتے ہوئے گرم لہو و علی کو لئے ہوئے۔ جب عشق  
 نے کہا: ”جو تمہیں پیارا ہو وہ ہمارے حوالے کر دو“، تو بازو بریدہ عباس کے جسم  
 مبارک کو حوالے کر دیا۔ ۱۸ سالہ نوجوان دو لہا یعنی نو شہداء کربلا قاسم کو حوالے کیا  
 ہم شکل مصطفیٰ یعنی علی اکبر کی سُوکھی زبان حوالے کر دی، علی اصغر کا خون آلود معصوم  
 حلق حوالے کیا۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے سجدہ ریز سر مبارک کا نذرانہ پیش کیا۔ یہ

سب کچھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے حضور ہدیہ کے طور پر پیش کیا ،  
ایک عاشق کی طرف سے اپنے معشوق کو خوبصورت ہدیہ ۔

اے اُمتِ محمدی ! اگر آپ کو عشق کی تعریف کرنی ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں  
کہ اس کی تشریح وہ ہے جو اس دن کربلا میں خون سے لکھی گئی تھی ، جب کربلا کی سُوکھی  
زمین نے اپنی پیاس ایک ایسے انداز میں بجھائی تھی کہ جب اسلام کے نہال کی  
آبیاری خونِ شہیدان سے کی گئی ، جب رسول اللہ ﷺ کے خون کی بوندوں نے  
دریائے کربلا میں طلاطم پیدا کرنا شروع کیا۔ جو پہلے ایک چھوٹا سا دریا تھا مگر اب  
اُس کی وسعت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس کا طیش ، اس کی بپھری موجوں اور طغیانی  
سے ظاہر ہے ، جس میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔ جوں جوں دنیا اپنے خاتمہ کی جانب  
بڑھ رہی ہے۔ کربلا کا یہ سبق زمان کے خاتمے تک کا ایک سبق ہے۔ موجودہ زمانے  
مشکل زمانے ہیں اور مزید سخت زمانے آنے والے ہیں۔ کشتیِ نورِ نبی نے زمانے  
کے خاتمے کی طرف اپنے آخری سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ کشتی بالکل کشتیِ نوح کی  
طرح ہے ، لیکن طوفانِ نوح کے بجائے اس کو طوفانِ آخر کا سامنا ہے۔

وہ طوفان جسے دجال برپا کرے گا جو حالیہ وقتوں میں شروع ہو چکا ہے۔  
اب ایک اور کربلا ہوگا جو شروع ہو چکا ہے ، مگر یہ کربلا نہ فقط سادات کے خلاف  
ہوگا ، بلکہ یہ اللہ کے تمام عاشقین کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کے چاہنے والوں  
کے خلاف ہوگا۔ بہت جلد عشق کی ایک نئی داستان لکھی جانے والی ہے بالکل اسی  
رنگ میں جو یومِ فتح کے مبارک دن لکھی گئی تھی ، دسویں محرم کو ، کربلا کے دن ۔

اے اُمتِ محمدی! شیطان اس جنگ کو جیتنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ ہر روز وہ نئے منصوبے بناتا ہے اور ہر روز انہیں مٹاتا ہے تاکہ کوئی نئی شیطانی اور مکارانہ منصوبہ تیار کیا جاسکے۔ یہ اُس کے لئے آخری موقع ہے اور وہ اسے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام ہوا، اگر وہ پوری اُمتِ محمدی کو اپنے جال میں پھانسنے میں ناکام رہا، تو وہ ہمیشہ کے لئے ہار جائے گا اور یہ خیال اُسے بڑا طیش دلا رہا ہے۔ وہ زیادہ بدنیت اور خوفناک ہو چکا ہے، لیکن اللہ کے منصوبوں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ اس میں کون خلل ڈال سکتا ہے جو اُس نے پہلے سے تیار کر رکھا ہے۔ وہ سب لوگ جو کشتیِ بد نوری میں سوار ہوں گے، وہ وقتِ آخر کی تابکاری سے مکمل محفوظ ہوں گے۔ وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہوں گے۔

اس کشتی نے اپنے بادبان کھول دیئے ہیں، اس نے اپنے سفر کا آغاز نبیِ پاک ﷺ کے سلسلہ نظامیہ نوریہ کی آمد سے کر دیا ہے، کیونکہ یہ سلسلہ، زمان کے خاتمے کا سلسلہ ہے، وہ سلسلہ جو رسول اللہ ﷺ کا علم الفتح امامِ ہدی کے ہاتھوں میں دے دے گا۔ پھر دنیا ایک بار پھر عشق کی تفسیر دیکھے گی، جو اہلِ مصطفیٰ نے یوم الفتح والے دن، یعنی دس محرم والے دن، کربلا والے دن عملی طور سے کر کے دیکھائی تھی۔

(آمین)

عبادت ہے شجر لیکن شہادت ہے ثمر اُس کا  
عبادت ہے دُعا لیکن شہادت ہے اثر اُس کا

عبادت کی حقیقت ہے محبت میں فنا ہونا

شہادت کی حقیقت ہے فنا ہو کر بقا ہونا

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی  
وہ خوش قسمت ہے، مل جائے جہنمیں دولت شہادت کی

شہید اس دارۂ فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے

زمین پر چاند تاروں کی طرح تابندہ رہتے

یہ شہادت ایک سبق ہے حق پرستی کے لئے

ایک ستونِ روشنی ہے، بہر ہستی کے لئے

نورِ نگاہ سرورِ عالم ہمارا سلام

اسلام کے شہیدِ معظم ہمارا سلام

دینِ خدا کی محبتِ محکم ہمارا سلام

اے کربلا کے فاتحِ اعظم ہمارا سلام

اے امام حسین تم پر لاکھوں سلام

شاملِ پنجتن تم پر لاکھوں سلام

باغِ جنت کی خوشبو کے تم پھول تھے

مصطفیٰ کے چمن تم پر لاکھوں سلام

حسین ابنِ حیدر تم پر لاکھوں سلام

حسین ابنِ حیدر تم پر لاکھوں سلام

## یزید کا المناک انجام

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جو کعبہ شریف کا مالک ہے، جو مالک ہے صراطِ مستقیم کا، جس کی شان و عظمت اور جاہ و جلال تمام جہانوں پر محیط ہے۔ یہ وہ ہی ہے جو عطا کرتا ہے، اور بے شک اس کی عطا کی کوئی حد نہیں۔

درد و سلامِ رحمۃ اللعالمین پر، جن کی شیرینی اُن سب میں عیاں ہے جن کی نسبت اُن سے ہے۔ وہ تمام دلوں کے رکھوالے ہیں اور اپنی اُمت کے لئے والد کے برابر ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب کو بصورتِ دلوں پر جو خشوع و خضوع کے لطف سے آشنا ہیں اور جو جانتے ہیں کہ اطاعتِ نذرِ تسلیم کا راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے۔ ماہِ محرمِ اہلِ دل کے لئے مختلف احساسات و جذبات کا ایک مجموعہ ہے۔ اسکی ہواؤں میں غم کا احساس ہے، اہلِ بیت کا غم۔ اور پھر بھی شہدائے کربلا کی شجاعت و تسلیم پر ایک احساسِ فخر بھی ہے۔ یعنی اللہ کے آگے تسلیم و سپردگی پر۔ اس پورے واقعے کا یہی طرہ امتیاز ہے۔

یہ ایک سبق اور ایک نصیحت ہے کہ جب بھی کوئی اللہ کے عاشقوں کو میلی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اللہ خود ہی اس میلی نیت کا بدلہ دیتا ہے۔ اللہ کے کسی ولی کے ساتھ جنگ دراصل اللہ کے ساتھ جنگ ہے۔ پھر یہ اللہ ہی ہے جو اُس ولی پر کی جانے والی بے توقیری اور زیادتی کا بدلہ لیتا ہے۔ کیا آج تک کوئی ایسا پیدا ہوا ہے جو اپنے رب کے خلاف جنگ جیت سکے؟ کربلا کی داستان اُن سب کے لئے ایک واضح نصیحت ہے جو اللہ کے طور طریقوں کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ آپ کو بتاتی ہے کہ چاہے ایک ولی کتنا ہی بے بس نظر آئے، کتنا ہی بے اختیار کیوں نہ دکھائی دے، لیکن دراصل اُن سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔ اللہ کے کسی ولی سے زیادہ مضبوط اور طاقتور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ولی کی آنکھوں کی کاٹ تلوار کی کاٹ ہے، اُن کی زبان مستجب الدعاء ہے، اُن کے بازوؤں میں شیر کی قوت ہوتی ہے اور اُن کے دل میں ایمانِ محمدی ہے۔ ولی کا وجود ایک چٹان کی طرح سخت اور ٹھوس ہوتا ہے کیونکہ اُن کے وجود میں اللہ کی طاقت ہے۔ کربلا والے دن اگرچہ زیدیوں کے مقابلے میں اہلبیت کی تعداد صرف ۷۲ تھی، جو نہتے مرد، عورتیں اور بچے تھے، لیکن اصل میں یہ ۷۲ مضبوط چٹان تھے۔ وہ اللہ کے ۷۲ شیر تھے، جو بے خوف تھے، اتنے بخوف کہ موت بھی اُن کے آگے آنے سے شرمناہی تھی۔

مگر ان معصومین نے اُمت کو کچھ ضروری سبق سیکھانے تھے جیسے کہ:-

عشق کا سبق، شجاعت کا سبق اور تسلیم کا سبق۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان معصومین



کو اپنے پاس بلوایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شہید کو بڑے آرام سے خُلد کی طرف  
 لے جایا گیا، آبِ کوثر کی طرف لے جایا گیا تاکہ وہ اپنی پیاس بجھائیں اور پھر ابدی  
 سکون حاصل کریں۔ اُن کے ناموں نے ہر ایک سچے مسلمان کے دل کو جیت لیا۔  
 ہر ایک شہید نے دراصل آبِ حیات کا جام پی لیا جس سے وہ ابد تک اُبھرتے رہیں گے۔  
 یہ وہ پاک نام ہیں جن کو شیطان لعین چاہتا تھا کہ گمنامی کا شکار رہیں لیکن  
 حقیقت میں ان ہی ناموں کو لازوال زندگی ملی۔ اور اُن ناموں کو ابدی ذلت اور رسوائی  
 ملی جو مادی دنیا کے پیچھے گئے، جو طمع و حرص کے کیچڑ سے لپٹے رہے اور جنہوں  
 نے حصولِ دنیا کی خاطر اہل بیت کا خون بہایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن ناموں کو بھی گمنامی  
 نہیں دی وہ نام دنیا کے خاتمے تک عبرت کا نشان بنے رہیں گے۔ یزید جو سمجھتا  
 تھا کہ صرف ایک حکمران کا بیٹا ہونے کے ناطے وہ تخت کا حق دار ہو سکتا ہے، جو  
 سمجھتا تھا کہ وہ جو چاہے اپنے اختیار سے کر سکتا ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ  
 کے گھرانے کا لہو بہانے میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہیں کیا، وہ جس انجام سے  
 دوچار ہوا وہ یہ تھا کہ اُس نے اپنے لئے اہل بیت کے دشمن کا ذلت آمیز نام  
 کھالیا۔ یہ وقت نے ثابت کیا ہے کہ باطل چاہے کتنا ہی زور لگاتے، وہ اُس  
 نور کو نہیں بجھا سکتا جو مردانِ حق کے دلوں سے آتا ہے۔

اس وقت بھی نہیں جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی ہوئی  
 آگ میں جھونک دیا اور وہ آگ گلزار بن گئی؛ اور جب فرعون نے ہزار ہا اسرائیلی  
 معصوم بچوں کے گلے کٹوائے تاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ختم کر سکے، اور پھر دریا

نے چند لمحوں میں فرعون اور اُس کے لشکر کو ننگل کر ختم کیا۔ اُس کی لاش دُنیا کے لئے عبرت بن گئی۔ جب یزید نے جگر گوشہاں رسول کے گلے کٹوائے، تو اس کے بعد اُس کے دن رات اُس کے لئے ایک اذیت بن گئے۔ جب لوگوں کو اس کا پتہ چلا کہ اُس دن کربلا میں کیا ہوا تھا، تو نفرت کی ایک لہر پوری عرب دُنیا میں دوڑ گئی۔ خاص طور سے مدینہ کے لوگوں نے یزید سے سخت نفرت کرنی شروع کی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک گناہ کو چھپانے کے لئے کئی اور گناہ کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اپنی رشتی کو دراز کرنے کے لئے اللہ کا طریقہ کار ہے تاکہ فاسق اور فاجر اپنے اصل انجام تک پہنچیں۔ یزید کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ کچھ لوگوں کے علاوہ اہل حجاز نے یزید سے اپنی بیعت توڑ لی اور انہوں نے قریش پر عبداللہ بن مطیع کو مقرر کیا اور انصار پر عبداللہ بن انزلہ کو۔ سال ۶۳ ہجری میں لوگوں نے اپنے ممبر کے قریب جمع ہو کر اپنی بیعت توڑنی شروع کر دی۔ کچھ نے کہا: ”جس طرح میں اپنی پگڑی اُتارتا ہوں اس طرح میں یزید کی بیعت اُتارتا ہوں“ کچھ دوسرے کہتے تھے: ”جس طرح میں اپنے جوتے اُتارتا ہوں اُسی طرح میں یزید کی بیعت کو اُتارتا ہوں“ تھوڑے ہی عرصے میں پگڑیوں اور جوتوں کے ڈھیر لگ گئے جو اُس نفرت کی علامت تھی جو لوگوں کے دلوں میں قاتل اہل بیت کیلئے تھی۔ جب یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے مدینہ کی طرف ایک فوج روانہ کی اور لشکریوں سے کہا کہ وہ وہاں ۳ دن تک جتنی قتل و غارتگری چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان ۳ دنوں کو ”یوم حُرہ“ کہتے ہیں۔ یہ وہ سیاہ دن تھے جو مدینہ کی تاریخ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

واقعہ حرہ کے متعلق علامہ قرطبی کا بیان ہے کہ: ”مدینے کے قتل عام میں ایک ہزار سات سو (۷۰۰) ہاجرین، انصار اور تابعین قتل کر دیئے گئے۔ اور عام لوگوں میں سے دس ہزار (۱۰۰۰) مسلمان شہید کئے گئے۔ (۷۰۰) قاری شہید کئے گئے اور (۹۷) قریش شہید کئے گئے۔ ابن مضم کہتے ہیں کہ ان دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں گھوڑے باندھے گئے اور اہل مدینہ کی عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔“ ابن جوزی نے کہا کہ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ: ”ایام حرہ میں جب بھی نماز کا وقت آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے اذان کی آواز آتی تھی اور پھر اقامت کہی جاتی۔ میں آگے بڑھ کر نماز پڑھتا اور میرے سوا اُس وقت مسجد نبوی میں کوئی نہیں تھا۔“

واقعہ حرہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے کوئی دل برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی کان اُسے سن سکتے۔ مدینہ کی تباہی کے ان ۳ دنوں بعد یہ لشکر مکہ کی جانب بڑھا۔ وہاں انہوں نے شہر کا محاصرہ کیا، اور بڑی بے دردی سے قتل عام کرتے رہے۔ پھر انہوں نے منجنيق کے ذریعے کعبہ پر سنگ باری شروع کی۔ اُن کی بربریت کا یہ عالم تھا کہ کعبہ کا صحن پتھروں سے بھر گیا۔ کعبہ کے پردے نے بھی منجنيق سے آتش باری کے باعث آگ پکڑ لی۔ کعبہ کی دیواریں بھی جل گئیں اور اُس کے ستون بھی ٹوٹ گئے۔ یہ شرم ناک جنگ مزید جاری رہتی، لیکن اللہ کے غیض و غضب نے یزید کو دوزخ کی ابدی آگ میں جھونک دیا۔

۷ اس بات سے واقف ہیں زمانے والے

زندہ رہتے ہیں محمد ﷺ کے گھرانے والے

کچھ مٹ گئے، باقی بھی مٹ جائیں گے،

شبیر تیرا نام خون میں رنگانے والے

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس دن یزید کے لشکر نے کعبہ کے پردے کو

آگ لگائی اور اُس آگ میں اُس مینڈھے کی سینگ بھی جل گئی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے پاس جنت سے آیا تھا اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے قربانی کے

لئے۔ یہ سینگ کعبہ پر لٹک رہا تھا۔ اُسی دن سے یزید ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا۔

واقعہ کربلا کے پورے ۲ سال بعد یزید کو دردِ قولنج (قولن) ہونا شروع ہوا۔ یہ درد اتنا

شدید تھا کہ وہ ۳ دن تک تڑپتا رہا اُس مچھلی کی طرح جو پانی سے باہر ہو۔ وہ پانی

کے لئے روتا تھا، لیکن جو نہی پانی کا ایک قطرہ اُس کے منہ میں جاتا وہ درد سے

چیخ اُٹھتا۔ ایسے لگتا کہ جیسے پانی ایک تلوار کی طرح اُس کے گلے سے لیکر سپیٹ

تک کاٹے جا رہا ہو۔ اس رنجِ دالم کے عالم میں وہ بستر پر ایڑیاں رگڑتا رہا۔

عین اس کی موت سے پہلے اس کی آنتیں سڑ گئیں اور اُن میں کیڑے پڑ گئے تھے

آخر کار اسی شدید درد و تکلیف کے عالم میں اس کی جان نکل گئی۔

ابن زیاد جو کوفہ کا گورنر تھا اور جس کا حکم تھا کہ سرِ حسین رضی اللہ عنہ کو اُس کے

سامنے پیش کیا جاتے، اُس کے سامنے مختار بن عبیدہ ثقفی اس کا عذاب بن کے

آیا۔ جب اس شخص نے خونِ حسین کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا تو یہ سارے قاتلان

حنین کے پیچھے گئے اور انکو چُن چُن کر مار ڈالا۔ اُس نے اُن قاتلان میں سے کسی کو بھی نہیں بخشا۔ اُس نے ایک آدمی عمرو بن سعد کے گھر بھیجا جس نے جا کر اس کا گلہ کاٹا اور اُس کا سر مختار کے پاس لایا۔ عمرو بن سعد وہ شقی القلب تھا جس نے کربلا کے اس خونی معرکہ کی قیادت کی تھی کیونکہ حکومتی چمک دمک سے اُس کی آنکھیں چُن دیا گئیں تھیں۔ جب مختار نے ابن سعد کی گردن اڑانے کا حکم دیا تو اس نے پہلے اس کے سامنے اس کے بیٹے کا گلہ کاٹنے کا حکم دیا، تاکہ ابن سعد کو بھی اُس کے اپنے بیٹے کی تڑپتی لاش کو دیکھ کر ایسا ہی درد و کرب محسوس ہو جیسے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اس وقت محسوس کیا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے دو معصوم بیٹوں، علی اکبر اور علی اصغر کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ اسی طرح ابن زیاد جو کوفہ کا گورنر تھا اور جس کا ظلم انتہا کو پہنچا تھا، جس کی آنکھ اس وقت ذرا سی بھی نہیں جھپکی تھی جب اُس نے حضرت مُسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ (اور اُن کے دو معصوم بیٹوں) کے قتل کا حکم دیا تھا، اور پھر اسی بے جس انسان نے ہی ۷۲ راہل بیت کے مقابلہ کے لئے ۲۲۰۰۰ کی فوج بھیجی تھی۔ اس پر عذاب الہی اُس وقت آیا جب مختار نے ابراہیم بن اختر کو ابن زیاد کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ ابن زیاد اور اُس کے لشکر نے نہر فرات کے قریب اُن کا مقابلہ کیا۔ جب ابن زیاد نے محسوس کیا کہ وہ جنگ ہار رہا ہے تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن ابراہیم کے سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اُس کی گردن اڑادی، اور پھر اس کا سر مختار کے پاس بھیج دیا۔

کہا جاتا ہے کہ مختار نے دارالامارات (گورنر ہاؤس) کو سجایا اور کوفیوں کو  
 اس وقت طلب کیا جب اُس نے ابن زیاد کے سر کو وصول کیا، جسے اُس  
 نے اس جگہ نمائش کے لئے رکھا جہاں ابن زیاد نے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا  
 سر مبارک رکھا تھا۔ ۶ برس بیت چکے تھے، لیکن اللہ نے اس مغرور فرعون  
 کے انجام کو دکھا ہی دیا جب پورا شہر اس بد بخت کے قتل کا جشن منا رہا تھا۔  
 یہ ایک معلومہ حقیقت ہے کہ جب ابن زیاد اور اُس کے سرداروں کے سروں  
 کو مختار کے آگے رکھا گیا تو نہ معلوم سمت سے ایک بڑا سانپ نمودار ہوا۔  
 وہ ابن زیاد کے سر کے قریب گیا اور اُس کے نتھنوں میں داخل ہو کر اس کے  
 منہ سے نکل گیا۔ اُس نے یہ عمل ۳ بار دہرایا۔ ہزاروں افراد نے اللہ کے اس  
 شقی القلب دشمن کے اُس عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو اللہ کی طرف  
 سے اُس کا منتظر تھا۔ یہ بھی ایک معلومہ حقیقت ہے کہ وہ سب لوگ جو اُس روز  
 کربلا کے اُس خون کی کھیل میں شریک تھے، وہ سب اپنے دردناک انجام کو  
 پہنچے۔ اُن میں سے کچھ تلواروں سے مارے گئے، کچھ پتھروں سے، اور کچھ کو مار  
 کر اُن کی لاشوں کو جلا یا گیا۔ کچھ عجیب بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرے اور اُن  
 میں سے کئی دیوانے ہو گئے۔ الغرض وہ سب لوگ جن کا ہاتھ اہل بیت کے  
 قتل میں شامل تھا، اُن سب نے اپنا دنیاوی انجام دیکھ لیا جو یقیناً اُس  
 عذاب سے بہت کم تھا جو اُن پر اُن کی قبروں میں نازل ہوا ہو گا اور جو حشر  
 تک نازل ہوتا رہے گا۔ پھر انہیں یوم حساب والے دن کون بچا کے گا؟

انہیں اس دن کون بچا سکے گا جب وہ کہہ رہے ہوں گے کہ کاش اُن کی ماؤں نے انہیں کبھی جہنم نہ دیا ہوتا؟

بیان کر بلا میں اُن سب کے لئے ایک بھر لوہے جو اپنے لئے انجام بخیر کے خواہش مند ہیں، جو اپنے اللہ کے حضور سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ یہ ادب اور سچی محبت کا ایک سبق ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جن کے لئے اللہ نے یہ تمام عالمین بنائے ہیں اور یہ آپ ﷺ ہی ہیں جن سے اللہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے اور یہ محبت تا ابد باقی رہے گی۔ اللہ اُن سب سے بھی محبت کرتا ہے جن سے رسول اللہ ﷺ محبت کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی خوشی، اللہ کی خوشی ہے اور حضور ﷺ کا غصہ اللہ کا غضب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا دل سونے کا ہے، اور آپ ﷺ اپنی اُمت کے لئے رؤف و رحیم ہیں۔ آپ ﷺ کے آنسو آپ سب کے لئے ہیں اور پھر بھی آپ ﷺ اپنی غفلت کو برداشت کر لیتے ہیں، آپ کی بے رحمیوں اور بے ادبیوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ اس پر کچھ بولتے نہیں تو اُس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ انہیں محسوس نہیں کرتے۔ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ یہ نمان کا خاتمہ ہے، آپ ﷺ جانتے ہیں کہ یہ وہ وقت ہے جب آخری وقت کے فتنے بارش کی طرح برساتے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ ان سب چیزوں سے آگاہ ہیں اور شب و روز اپنی اُمت کے لئے دست بہ دعا ہیں۔ لیکن اُمت کا یہ حال ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت کا جواب اپنی غفلت، دین

کی بے حرمتی، بے حسی اور عدم برداشت سے دیتی ہے۔

آج بہت سارے لوگ مذہب کی بات کرتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے اور کربلا کی بھی بات کرتے ہیں، لیکن یہ سوچے بغیر کہہ کر دیا بول رہے ہیں وہ صرف بحث کرنے کی خاطر بحث کرتے ہیں، کیونکہ شیطان انہیں بحث کرنے کو کہتا ہے اور وہ اُس کے حکم کی اندھا دھند تعمیل کرتے ہیں۔ اگر یزید حق پر ہوتا یا اُس کے ساتھی ذرہ برابر بھی حق پر ہوتے تو پھر اُن سب کا انجام اِس قدر دردناک کیوں ہوا؟ اللہ نہ انصاف نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی نا انصافی سے سزا نہیں دیتا۔ تو پھر ان یزیدیوں کے انجام سے آپ کی آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں؟ تو پھر کوئی یہ کیوں سوچتا ہے کہ اُس سے نہیں پوچھا جائے گا، یا وہ اللہ کے آگے جواب دہ نہیں ہوگا اگر اُس کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے گھرانے کے خلاف ایک لفظ بھی نکلے؟ اللہ کبھی بھی اپنے محبوب یا اُن کے کسی پیارے کی شان میں کوئی بھی بے ادبی برداشت نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی عزت ہیں اور اللہ اُس کی پاسداری کرنا خوب جانتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی کی زبان سے انتہ (ارادی) یا غیر انتہ (غیر ارادی) طور سے نکلا ہوا ایک چھوٹا سا فکرہ بھی اِس شخص کو اُمتِ محمدی سے نکال باہر کرے گا۔

اور پھر ایسے شخص کی کون پرواہ کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا دھتکارا ہوا ہو؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، اُن کی ازواجِ مطہرات کے خلاف، اُن کے بچوں کے خلاف اور اُن کے صحابہ کے خلاف کہا گیا ایک لفظ



بھی کہنے والے کے نامہ اعمال میں موجود تمام نیکیوں کو مٹا دے گا اور پھر شاید ہی توبہ کر لینے سے اُسے معافی مل جائے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اُسے توبہ کی رحمت بھی نہ دے، یعنی بے ادبی کی وجہ سے اُسے اس سے بھی محروم رکھے۔ یہ انتہائی سنگین معاملات ہیں۔ (اس لئے ہمیشہ سوچ سمجھ کر بات کریں۔ رسول پاک ﷺ کا اسم گرامی اور آپ ﷺ کے اہل بیت کے اسماء گرامی کو زبان پر لانے سے پہلے ہی زبان کو قابو میں رکھیں۔

وہ تمام سادات جو آج تک موجود ہیں، اُن سب کا احترام کرنا چاہیے اور جملہ اولیاء اللہ کا بھی نہایت احترام کرنا چاہیے۔ اس کا قوی امکان ہے کہ یہ ادب اور اللہ اور اُس کے تمام چاہنے والوں اور اُنکے محبوب رسول ﷺ کے ساتھ آپکی بے غرض محبت آپکے تمام گناہوں کو مٹا دے اور آپ کے نامہ اعمال کو ”نور“ سے منور کر دے۔ میری دعا ہے کہ اللہ آپ سب کو اپنی محبت نصیب فرمائے، اپنے پیارے رسول ﷺ کی محبت عطا کرے اور اہل بیت رسول کی محبت سے نوازے، اور یہ محبت ابد تک بڑھتی ہی رہے۔ ❖ (آمین)

اے چرخہ کربلا کے ستارو، تمہیں سلام،

اے دو جہاں کی آنکھ کے تارو، تمہیں سلام،

جلوہ تمہارے نور کا ہے حُسن کائنات،

اے مصطفیٰ کے نور کے پرو، تمہیں سلام،

اے حسین ابن حیدر تم پہ لاکھوں سلام۔

## مقامِ اہل بیت

• کشتیِ نورِ نبیؐ :

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جو بزرگ و برتر پروردگار ہے جس کے حکم سے پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ وہ اُن سب دلوں کو جانتا ہے جو اُس سے نسبت رکھتے ہیں، اور جو اُن تمام دلوں سے بھی واقف ہے جو نفاق اور شر سے آلودہ ہیں۔

دُرود و سلام، امامِ متقین، رحمت اللعالمین، سید المرسلین نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اُن تمام دلوں پر فتح پائی ہے جو روشنی کو دیکھ سکتے ہیں، اور اُن پر بھی جو روشنی کو دیکھ نہیں سکتے، اور اُن کی حقیقت کو بھٹلا نہیں سکتے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کیلئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی اُن سب دلوں کے لئے جو غمِ حسین سے لبریز ہیں اور جو جانتے ہیں کہ یہ غم ان کے دلوں میں ہمیشہ رہے گا اُن کی آخری سالن تک۔  
غمِ حسین وہ ذکرِ شہید ہے جو کبھی فر نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شہیدوں کو رزق فراہم کیا جاتا ہے؛ اور اس ذکر کا رزق وہ آنسو ہیں جو امام حسینؑ

کے عاشقین پہاتے ہیں۔ شہید ہرے رنگ کے پرندوں کے جھنڈ میں رہتے ہیں، جو گلشن کے دریاؤں پر جاتے ہیں، اُس کے میوے کھاتے ہیں اور تخت کے سائے تلے سہرے چراغوں کی روشنی میں بسیرا کرتے ہیں۔

ذکرِ حسین کا مسکن وہ نوری دل ہیں، جن کی نسبت اُن کے رُت سے ہے اور جو نواسائے رسول ﷺ کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہ سکتے۔ شہید، اللہ کے حفظ و امان میں رہتے ہیں، اور رحمتِ ذکرِ کربلا اُن سب کے لئے باعثِ شکر و رحمت ہے جو اپنے نبی پاک ﷺ سے سچے ہیں، اور جو بے شک کوئی اور چیز نہیں مانگتے سوائے آپ ﷺ کی شفاعت، محبت اور آپ کے اہلبیت کی نعمتوں کے۔

شہید، کبھی نہیں مرتے جیسے کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے (۱۶۹: ۳)

”... انہیں ہرگز مردہ خیال نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں“ جب شہید مرتے نہیں ہیں، تو اُن کا ذکر کس طرح کر سکتا ہے، خاص طور سے اُن شہید کا جو شاہ شہیدان ہیں، یعنی سلطانِ کربلا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذکرِ کربلا ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے کربلا کا لہو جو یومِ حساب تک زندہ رہے گا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی خالصتاً اُمت کے لئے تھی، دینِ محمدیؐ کی بقا کے لئے تھی۔ اگر وہ چاہتے تو یزید کے ظلم و ستم سے دور رہ کے خاموش اور پُر امن زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اگر انہیں صرف اپنے اور اپنے گھرانے کی

فکر ہوتی، تو وہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے، اپنی خاموشی کے بدلے ایک اچھی خاصی رقم و تالیف کے طور پر لے کر خاموش رہ سکتے تھے، چاہے یزید کچھ بھی کرتا۔

مگر وہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے! انکی رگوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون دوڑ رہا تھا وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کا حصہ تھے۔ وہ اللہ کے دین کے ایسے نقصان کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ان کی پرورش اور تربیت بہت مختلف انداز میں ہوئی تھی۔ وہ اہلبیت تھے جن کے بارے میں سورۃ الاحزاب آیت ۳۳ میں اللہ نے فرمایا ہے:

”اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر دے۔“

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ۶ (چھ) ماہ تک جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب سے گزرتے تو فرماتے:

”اے نبی کے گھر والو نماز پڑھ لو۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے تمام دنیاوی آلودگیاں دور کر لی گئی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دل دنیاوی خواہشات سے پاک کر لیا گیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنی اور اپنے گھرانے کی قربانی دینے میں لمحہ بھر بھی توقف نہ فرمائی۔

جب قرآن پاک اہل بیت کی پاکی کی گواہی دے رہا ہے تو پھر کسے حضرت

امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقام اور مرتبے میں شبہ ہو سکتا ہے اور کون ہے جو ان میں کسی دنیاوی خواہش کی نشاندہی کر سکے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین تھے۔ اس زمین پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام کے دوران، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دونوں صاحبزادوں کو اپنے پیارے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے گئیں اور عرض کی:

”بابا! یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، ان کو اپنی کسی چیز کا وارث بنا دیجئے؟“

اس پر رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسن کے لئے میری ہیبت

اور سرداری ہیں، اور حسین کے لئے میری بہادری اور سخاوت ہیں۔“

ایک اور واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے، اور پنجتن پاک کے اُس مرتبہ کا، جو پروردگار عالم نے اُن کو بڑے پیار سے عطا کیا ہے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”ایک دن میں نے اپنی ماں سے کہا کہ ”براہِ کرم مجھے اجازت دیں کہ

میں اپنی مغرب کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھوں“ ماں نے ”ہاں“ کہہ کر

اجازت دیدی۔ تو میں نے وہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ مغرب کی نماز کے

بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء تک نوافل ادا کئے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا۔ میرے قدموں کی چاپ

سُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”کون ہے؟ کیا حذیفہ ہو؟“ میں نے عرض کیا:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں حذیفہ۔“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تمہیں کیا ضرورت پیش آئی، اللہ تمہیں اور تمہاری والدہ کو بخش دے۔“

یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اُترا۔ اس فرشتے نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت لی ہے کہ زمین پر آکر مجھ کو سلام کرے اور مجھ کو یہ خوشخبری سنائے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔“

اگر آپ کو سردارانِ نوجوانِ جنت کے اخلاق دیکھنے ہوں تو آپ اسکا تجزیہ اُن کی زندگیوں کے ہزاروں واقعات سے کر سکتے ہیں۔

ایک بار سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں دوستوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک غلام سے سالن لانے کو کہا۔ جب غلام سالن کا پیالہ لے کر آگیا، تو پیالہ بڑھاتے ہوئے حادثاتی طور سے گر کر ٹوٹ گیا، سالن امام پر گر گیا۔ اس سے غلام بہت زیادہ پریشان ہوا۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے جب غلام کی طرف دیکھا تو اُس نے فوراً ہی یہ آیت پڑھی:

”غصۃ کو پی جانے والے“ اس پر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں نے غصۃ کو پی لیا۔“ پھر غلام نے اگلی آیت پڑھی کہ: ”اور لوگوں سے دُرگز ر کر نیوالے“ اس پر امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”جاؤ معاف کیا۔“ پھر غلام نے تیسرا حصہ پڑھا کہ ”ایمان والوں سے اللہ محبت فرماتا ہے۔“ یہ سن کر سخی امام نے فرمایا:

”جاؤ، میں نے تم کو آزاد کر دیا۔“

ایک ایسا ہی واقعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخاوت اس خاندان سے کی فطرت میں شامل تھی۔

ایک بار کوئی ضرورت مند امامِ عالی مقام، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے  
 در پر آیا۔ اس نے ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کر آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔  
 اشعار یوں تھے:

”میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہی، جس سے ایک دانہ خریدا جاسکے  
 میری حالت آپ پر ظاہر ہے، بتانے کی حاجت نہیں۔  
 میں نے اپنی آبرو بچانے رکھی تھی، اُسے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا پسند نہیں کرتا تھا  
 اب خریدار مل گیا ہے....“

امام صاحب رضی اللہ عنہ نے جب جواب دینے میں تاخیر کی تو اُس شخص  
 نے کچھ اور اشعار لکھے کہ:

”جب میں لوٹوں گا تو مجھ سے پوچھیں گے کہ، ”صاحبِ فضل سخی ہے  
 تجھے کیا بلا“ تو کیا جواب دوں گا، اگر کہوں گا کہ مجھے دیا ہے تو یہ جھوٹ ہوگا، اور  
 اگر کہوں گا کہ سخی نے اپنا مال روک لیا ہے، تو یہ بات مانی نہ جائے گی۔“  
 امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے... و... درہم درج ذیل اشعار کے ہمراہ اُس  
 کے پاس بھیج دیئے۔

”تم نے جلدی بچادی ہے سو تمہیں یہ قلیل حصہ مل گیا ہے۔ اگر تم  
 جلدی نہ کرتے تو تمہیں اور زیادہ ملتا۔ اب لے لو اور یوں سمجھنا کہ سوال کیا ہی نہیں  
 اور ہم سمجھیں گے کہ گویا ہم نے کچھ دیا ہی نہیں۔“

کون بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، پنجتن پاک، اور اہل بیت کی فضیلت بیان

کر سکتا ہے۔ وہ ساتوں آسمانوں کے نوری آفتاب کی طرح ہیں۔ وہ سرچشمہ ہدایت اور روشن دلیل، عزم و ہمت ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کے آگے چٹان ہیں، جو اسے مضبوط ہیں کہ انہیں کوئی ہلا بھی نہیں سکتا۔ حضرت علیؑ کے فولادی بازوؤں نے یہ ثابت کیا، حضرت امام حسنؑ کے صبر و صلح نے یہ دیکھا دیا، اور حضرت امام حسینؑ کی عظیم شہادت نے یہ ثابت کر کے دکھایا۔

اور جہاں تک دلوں کا معاملہ ہے، وہ تو اپنے رسول پاک ﷺ اور

ان کے پیاروں کے لئے احترام و محبت میں سرشار ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا گھرانہ ہیں، حیدر کرار، شیر خدا، حضرت علیؑ، خاتون جنت بی بی فاطمہ بیول رضی اللہ عنہا، امام جود و سخا سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، شاہ کربلا، شاہ شہیدان سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، رسول پاک ﷺ کے تمام ازواج مطہرات اہل بیت اور نبی پاک ﷺ کے خونی رشتہ دار جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے، اور حتیٰ کہ وہ بھی جو آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد آئے اور صاحب ایمان رہے، وہ سب آپ ﷺ کے شجرہ شریف اور خاندان میں شامل ہیں۔

قرآن کی آیت مباہلہ میں بھی ہے کہ کون کون نبی پاک ﷺ کے دل سے نزدیک ترین تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ بنی نجران، جو ایک عیسائی قبیلہ تھا، اور اپنے نظریہ تسلیم پر سختی سے قائم تھا، وہ مسلمانوں سے مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا کہ وہ انہیں مباہلہ کی طرف بلائیں۔

مباہلہ کہتے ہیں کہ: فریقین نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ



دعا کریں کہ ان میں سے جو بھوٹا ہر اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو آیت مباہلہ کے لئے نازل ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ:

”اے حبیبِ مکرم! آپ فرمادیجئے کہ اؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی، اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی، اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی، پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت بھوٹوں پر۔“

تو ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی انگلیاں پکڑے ہوئے تشریف لائے، اور آپ کے پیچھے بی بی فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہ، اور حیدر کرار، شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے اس طور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے وفد کو مباہلہ کا اشارہ دیا۔ جب عیسائیوں کے بڑے پادری نے سچترن پاک کے نورانی چہروں کو دیکھا تو اُس نے پریشان ہو کر کہا:

”اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو یاد رکھو تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔“

عیسائیوں نے کچھ وقت صلح مشورے کے لئے لیا اور دوسرے دن مباہلہ کرنے سے انکار کیا۔ اس کے بدلے انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور مسلمانوں سے صلح کر لی۔

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ اہل بیت اور آپ کے پاک گھرانے کا مقام کیا ہے، تو اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہو، وہ اللہ کا بھی محبوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے کتنے قریب تھا، اور اخلاق و اطوار میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے قریب تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ: ”مجھے میرے اہل بیت میں تلاش کرو“

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسین کرم اللہ وجہہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت اور شفقت اُس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب آیتِ تطہیر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو بلوایا، اور پھر ننھے حسن اور حسین کو اپنی گود میں بٹھایا، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ایک پہلو میں اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنے دوسرے پہلو میں بٹھایا، اور پھر اپنی کالی کالی سے ہر ایک کو ڈھانپ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اللہ سے دعا کی:

”اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، تو ان سے آلودگی کو دور فرما کر خوب پاکیزہ کر دے۔“

بھلا کون ان خوبصورت الزار کے مقام کا اندازہ لگا سکتا ہے جب کہ اللہ نے خود ہی ان کے بارے میں فرمایا کہ: ”انہیں خود ان کے اللہ نے پاک و صاف کر دیا ہے۔ بیشک وہ سب پاکیزہ نفوس ہیں۔“ یہ وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے سورہ شوریٰ (۲۳) میں فرمایا ہے: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ط : (ترجمہ): ”تم فرماؤ، میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، مگر قرابت کی محبت۔“ جب صحابہ کرام نے پوچھا کہ: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں فرمادیجئے کہ آپ کے وہ قریبی کون ہیں جن سے

محبت کرنا ہم پر لازم قرار دیا گیا ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وعلی،  
فاطمہ والحسن، حسین اور اُن کے بیٹے“

اُن کی مدحت ہے کلام اللہ کی آیت میں  
ہے حدیثوں میں بھی ذکرِ قدر و شانِ اہلبیت  
اُنکا حُب، مولا کا حُب، اُنکی رضا، رب کی رضا  
ایسا قرب ایسی فضیلت ہے نشانِ اہل بیت  
کامل الایمان وہ ہیں جن کو جان و اولاد سے  
ہوں پیارے مصطفیٰ اور خاندانِ اہل بیت

یہ سچ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”کوئی بندہ اُس وقت تک  
مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب  
تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اُسے اُس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں  
اور میری اولاد اُسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اُسے  
اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔“ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: ”میرے  
اہل بیت کی مثال کشتیِ نوح کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور  
جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا“

● یہ حدیث آج کے حالات سے بہت زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

اہل بیت کی اس کشتی کو کشتیِ نوح کہتے ہیں اور یہ ہی کشتی ان پُر فتن زمانے میں  
راہِ نجات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کو اس کشتی میں سوار ہونے کیلئے کیا

کرنا چاہیے؟ سب سے پہلے یہ کہ آپ کا دل رسول اللہ ﷺ کا بے دام غلام بن جائے۔ اُن کے لئے آپ کی محبت بے لوث اور بے پناہ ہونی چاہیے، اس قدر زیادہ کہ کوئی اور چیز آپ کو نہ بھائے۔

حتیٰ کہ خود کو اور اپنے گھرانے کو بھی خاطر میں نہ لائیں۔ بغرض کہ دُھن دولت یا دنیا کی کوئی بھی شے رسول اللہ ﷺ اور اُن کے گھرانے سے زیادہ عزیز نہ لگے۔ یعنی سچی محبت ہو رسول اللہ ﷺ کے لئے، سچی محبت ہو اہل بیت کے لئے، سچی محبت ہو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ زہرہؑ رضی اللہ عنہما کے لئے، سچی محبت ہو امام حسنؑ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسینؑ رضی اللہ عنہ کے لئے اور اُن کے پیاروں کے لئے۔ بس انہی چیزوں کا دل میں ہونا شرط ہے۔

یہی وہ کشتی ہے جو طوفانِ آخر میں چلے گی، یعنی زمان کے خاتمہ کی آزمائشوں میں، وہ وقت جب ہر ایک کو سخت بد امنی اور انتشار کا سامنا کرنا پڑے گا، وہ وقت جب کوئی بھی قانون، خواہ وہ دنیاوی ہو یا الہی، اُسے کوئی بھی نہیں مانے گا۔ وہ وقت جب عجیب واقعات رونما ہوں گے، جب زمین و آسمان خشیتِ الہی سے پلنے لگیں گے۔ وہ وقت جب شیطان جذبات میں اتنا مغلوب ہو گا کہ وہ ہر اُس شخص کو تباہ کرنے پر تیار ہو گا جو اُس کی بات سنے گا۔ وہ وقت جب خونِ پانی سے زیادہ ستا ہو گا، وہ وقت جب ایک دوسرا کر بلا بے شمار معصوم لوگوں کی جان لے گا۔ وہ وقت جب ”وقت“ کی کوئی قدر باقی نہیں رہے گی، یہ اتنی تیز دوڑے گا کہ جیسے وہ وقت کے خاتمہ کی ہولناکی سے دُور بھاگتا

چاہتا ہو۔

یہ طوفان آخر ہے جس میں کشتی برف نور نبی تیر رہی ہے۔ طوفان شروع ہو چکا ہے، کشتی برف نور نبی کے بادبان کھل گئے ہیں اور اسی طرح اُس پر سوار ہونے کا وقت بھی۔ یہ داخلہ پوری اُمت کیلئے ہے، بس اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور طلب کریں، یعنی یہ کہ نور نبی آپ کے دلوں میں داخل ہو، اور بے شک یہ نور آپ کو مکمل پاک کر دے گا۔ یہ آپ پر لگی ہوئی دنیاوی آلودگی کو ہٹا دے گا تاکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں داخل ہو سکیں۔

اے اُمتِ محمدی! بس، اُن مبارک ہستی کے ہاتھوں کو تھامے رکھیں جو آپ سب کے لئے ہر دم دُعا گو ہیں، اور اُن کے اہل بیت بھی، اُن کے صحابہ بھی اور اُن کے اولیاء بھی۔ اُن میں سے ہر ایک کے ہاتھ کو تھامے رکھیں، اور پھر کچھ ہی دیر میں آپ خود کو اس مبارک کشتی کا سوار محسوس کریں گے۔

اللہ آپ سب پر کرم فرمائے۔

آمین



## نورِ نبیؐ

### • صلوٰۃ نورِ نبیؐ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو تمام عالمین کا رب ہے، جو ازل سے موجود ہے اور جو ابد (کے بعد) تک موجود رہے گا اور اس کی حکومت کی نہ کوئی شروعات ہے اور نہ کوئی اختتام، اور جو صرف اسی کی ہے اور اُس میں کوئی شریک نہیں۔

دُرود و سلام محبوبِ رب، محبوبِ عاشقین پر جو صاحبِ شفاعت اور رُوفِ الرحیم نبیؐ ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب مومنین کے لئے جو زمان کے اس آخری دور میں ججا رہے ہیں اور پھر بھی سیدھے راستے پر ہیں۔ بے شک اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اُن پر سایہ فگن ہے۔

ہم نورِ نبیؐ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ”نور“ پر گفتگو کر رہے تھے۔ یہ ”نور“ اس کائنات کی ہر شے میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پوری کائنات اسی ”نور“ سے تخلیق کی گئی ہے۔

جب ابھی یہ کائنات نہیں بنی تھی، اللہ نے اپنے نور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نور کو پیدا فرمایا، اور یہ نور اُس مقام پر قیام پذیر رہا جہاں اللہ نے چاہا، اور اُس وقت کسی بھی دوسری چیز کا وجود نہ تھا، نہ لُوح تھا، نہ قلم تھا، نہ جنت تھی، نہ دوزخ، نہ ملائکہ کا ہجوم تھا، نہ زمین تھی نہ سورج تھا، نہ چاند، نہ جنات تھے، نہ انسان، نہ ان میں سے اب تک کسی کو بھی پیدا نہیں کیا گیا تھا۔

بس یہی نور تھا جلوہ نما۔ پھر اللہ جل شانہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عملِ تخلیق کا ارادہ فرمایا۔ اسلئے اُس نے اس نور کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ پہلے حصے سے قلم کو تخلیق کیا، دوسرے حصے سے لُوح کو جنم دیا، تیسرے سے عرش کو پیدا فرمایا۔ پھر اُس نور کے چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اُس کے پہلے حصے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو پیدا فرمایا، دوسرے حصے سے کرسی کو بنایا، تیسرے حصے سے اور آسمانی فرشتوں کو جنم دیا اور چوتھے حصے کو مزید تقسیم فرمایا۔

اس حصے کو بھی چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کا پہلا حصہ آسمانوں کی تخلیق میں استعمال کیا، دوسرے سے زمین کی تخلیق کی، تیسرے حصے کو جنات اور آگ کی تخلیق میں لگایا، اور چوتھے حصے کو پھر چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔

ان کے ایک حصے سے مومنین کے چہروں کے نور کو بنایا گیا، دوسرے حصے سے اُن کے دلوں کو منور فرمایا اور انہیں علمِ العرفان سے بھر دیا، تیسرے حصے سے اُن کی زبانوں کے نور کو پیدا فرمایا جو توحید کا نور ہے، اور چوتھے حصے سے رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف انوار کو پیدا فرمایا گیا۔

اللہ نے اس نور سے ایک زمردی چراغ بھی بنایا، جسے ایک لُوری زنجیر سے ایک درخت سے لٹکا دیا۔ پھر اللہ نے رُوحِ مُحَمَّدٍ ﷺ کو اُس چراغ میں رکھا اور اُسے حکم فرمایا کہ وہ اُس کی ثناء کرے بے انتہا خوبصورت ناموں سے۔ اُس نے حکم کی تعمیل کی اور ہر ایک نام کا ورد... اسال تک کیا۔

جب وہ نام ”الرحمن“ تک پہنچی تو نگاہِ رحمت اُس پر پڑی اور رُوح حیا سے پسینے پسینے ہو گئی۔ اُس سے ٹپکنے والے پسینے کے قطرے اتنے تھے کہ جتنے انبیاء و رسول آنے والے تھے یعنی گلاب کی خوشبو والا ہر ایک قطرہ ہر ایک پیغمبر کی رُوح میں تبدیل ہوا وہ سب درخت سے لٹکے چراغ کے گرد جمع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے رُوحِ مُحَمَّدٍ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”یہاں دیکھو، یہ ہے نبیوں کا عظیم اجتماع جن کو میں نے تمہارے پسینے کے موتی جیسے قطروں سے بنایا ہے۔“

اس حکم کی تعمیل میں آپ نے اُن پہ نگاہ ڈالی اور جیسے ہی نظر اُن پر پڑی ویسے ہی تمام نبیوں کی ارواحِ مُحَمَّدٍ ﷺ کے نور میں سما گئیں اور انہوں نے با آواز بلند پکارا: ”اے ہمارے رب! یہ کون ہیں جنہوں نے ہمیں اپنے نور میں لپیٹ لیا؟“ رب تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ میرے محبوبِ مُحَمَّدٍ ﷺ کا نور ہے۔ اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے اور اُن کے پیغام کی تصدیق کرو گے تو میں تم کو نبوت سے سرفراز کروں گا۔“

یہ سن کر تمام انبیاء کی ارواح نے آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا



اعلان کیا۔ اور رب نے فرمایا: ”میں تمہارے اس اعلان پر گواہ ہوں۔“ اور اُن سب نے حامی بھری۔ جیسے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

”اور جب اللہ نبیوں سے مخاطب ہوا تو فرمایا: ”میں نے تم کو کتاب اور حکمت عطا کی؛ پھر تمہارے پاس ایک رسول آئیں گے اور اُس کی تصدیق کریں گے جو تمہارے پاس ہے، اور تم اُن پر ایمان لاؤ گے اور اُن کی مدد کرو گے۔ کیا یہ تمہیں منظور ہے؟“ اُس نے فرمایا: ”کیا تم اس شرط پر میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہمیں منظور ہے۔“ (پھر اللہ نے کہا ”گواہ رہنا اور میں گواہوں میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔“ (سورۃ آل عمران: ۸۱)

پھر اس انتہائی مقدس رُوح نے بے انتہا حسین ناموں کا ورد دوبارہ جاری رکھا۔ جب وہ نام ”القہار“ پر آئی تو اُس کے سر سے دوبارہ پینے کے قطرے گرنا شروع ہوئے اس شانِ جلالت کے خوف کی شدت سے اور پینے کے ان قطروں سے اللہ نے پاک فرشتوں کی ارواح کو تخلیق کیا۔

اُن کے چہرے کے پینے سے اللہ نے تخت اور دربارِ الہی بنائے۔ آپ کے سینے مبارک کے پینے سے اُس نے علماء، شہداء اور صالح مومنین کی ارواح کو پیدا فرمایا۔ آپ کی کمر کے پینے سے بیت المعمور اور کعبہ، بیت المقدس اور روضہ مطہرہ (یعنی) مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا روضہ کو بنایا گیا اور اسی طرح دنیا کی تمام مساجد کی تعمیر ہوئی۔ آپ کی بھنوؤں کے پینے سے تمام مومنین کی ارواح کو پیدا فرمایا۔

آپ کی پیٹ کے نچلے حصے کے پسینے سے تمام کافروں، آتش پرستوں اور بت پرستوں کی ارواح کو بنایا گیا۔ آپ کے پیروں کے پسینے سے اللہ نے تمام زمین، مشرق تا مغرب اور چوکچھ اُس میں ہے بنائیں۔ پسینے کے ہر ایک قطرے سے ایک مومن یا کافر کی روح کو پیدا کیا گیا۔ یہی سبب ہے کہ رسول پاک ﷺ کو ”ابو ارواح“ کہا جاتا ہے، یعنی ارواح کے والد۔

تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا نور یعنی نور نبی پوری کائنات کی ہر چیز میں کس طرح موجود ہے۔ اس کی چمک دلوں کو روشن کرتی ہے۔ اس کا نور سورج، چاند اور ستاروں کو روشن کرتا ہے۔ اس کی تجلی سے دنیا میں رنگ پھیلتے ہیں، اور اس کی حرارت عاشقوں کو عشق فراہم کرتی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نور نبی کے حُسن کو بیان نہیں کر سکتا۔

وہ لوگ جو نبی آخر الزمان ﷺ کے ہمراہ اس زمین پر اُن کی حیات مبارکہ کے دوران موجود تھے، وہ اس نور کے براہ راست وصول کنندہ تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اُن کی بزرگی اور عظمت کی مثال نہیں۔ وہ آپ کے نہایت حسین صحابہ اور محترم اہل بیت تھے۔ حتیٰ کہ وہ سب مومنین جو آپ سے مختصراً ملے ہوں، اُن کے دلوں میں بھی اس نور کا ایک حصہ اتر گیا۔ یہ نور قلب نبی ﷺ سے پھوٹ کر لوگوں کے سینوں میں داخل ہوتا رہتا تھا۔

اگر وصول کنندہ مومن ہوتا، تو یہ اُس کے دل میں داخل ہوتا تھا۔ لیکن اگر وہ کافر ہوتا، تو وہ نور پلٹ جاتا اور دل میں داخل نہیں ہو پاتا۔ ایسے کئی لوگ تھے

جو شروع میں مومن نہ تھے لیکن اُن کا خاتمہ ایمان کا تھا۔ ایسی صورت میں یہ نورِ نبی تھا جو اُن کے دلوں کو صاف کرتا اور انہیں اللہ کے پیغام کو وصول کرنے کے قابل بناتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اس دُنیا سے پردہ فرمایا تو آپ ﷺ کے ارد گرد موجود لوگوں نے اپنے دلوں میں زبردست تبدیلی محسوس کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس بارے میں روایت کرتے ہیں کہ :

”جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، تو پورا مدینہ روشن ہو گیا اور جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، تو مدینہ تاریک ہو گیا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو قبرِ اطہر میں سُلیا۔ ابھی ہمارے ہاتھوں میں قبرِ اطہر کی مٹی لگی ہوئی تھی کہ ہمیں اپنے دل بدلے ہوئے لگے“

صرف رسول اللہ ﷺ کی موجودگی ہی ان کے لئے ”خاص“ لئے ہوئے تھی۔ وہ آپ ﷺ کا نور تھا جو ان کے دلوں کو منور کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت فرمانے کے بعد اس نور کی شدت پہلی جیسی نہ رہی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نور سے رحمت آنا بند ہو گئی یہ دُنیا اُس سے محروم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام جو اُس نور کے براہِ راست وصول کنندگان تھے، انہوں نے اس نور کو دُنیا میں پھیلانا شروع کیا۔ اُن کے دور کے بعد تابعین اور تبعہ تابعین نے اس نور کو اپنے لوگوں میں تقسیم کیا۔ اُن کے بعد اولیاء کرام کو اس نور نبی سے دُنیا کو منور کرنے کی

ذمہ داری سوچنی گئی۔

لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اور لوگوں نے صالحین اور اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنا چھوڑ دیا، تو دل تاریک ہونا شروع ہو گئے اور محمد ﷺ کے نور نے اُن کے دلوں میں پہنچنا چھوڑ دیا۔ نور نبی ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوتا ہے، اگر آپ اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کو چاہیے کہ کسی ایسے شخص کے پاس بیٹھیں جس کے پاس یہ نور موجود ہو۔

بد قسمتی سے آج کے دور کے لوگ اپنے دنیاوی معاملات میں بہت مصروف ہیں۔ وہ اپنے دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ مشغول ہیں۔ اسی لئے تو اُن کے پاس روحانیت کے لئے نہایت محدود وقت ہے۔ وہ کنکریٹ، اینٹوں اور پتھروں کے بیچ رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کو دنیاوی نقطہ نگاہ سے جانچتے ہیں۔ اُن کا پیمانہ چاندی اور سونے کو تولنے والا پیمانہ ہے، یا پھر شہرت اور طاقت والا ہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جس سے وہ لوگوں کو جانچتے ہیں۔

وہ سب دنیاوی سرمائے کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھتے ہیں اور انسان کو دوسرے میں اور پھر وہ اُسے تولتے ہیں۔ اگر ترازو اوپر اٹھتا ہے، جس کے معنی ہیں کہ اُس آدمی کی دولت کا وزن اُس کے اپنے وزن سے زیادہ ہے، پھر اُس آدمی کی کوئی اہمیت ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے، تو پھر وہ دنیا والوں کی نظر میں بے کار ہے اور وہ اس کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ

وہ اللہ کے دوستوں تک اتنی آسانی سے رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ کی نگاہ میں  
دُھن اور دولت اور شہرت کس طرح جانچنے کے معیار ہو سکتے ہیں؟

جانچنے کا اصل معیار تو درحقیقت آدمی کا دل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ  
دولت تو چوری بھی ہو سکتی ہے یا اُسے غلط ذریعے سے حاصل کیا جاسکتا ہے شہرت  
انسان کو مفرد اور انا پرست بنا سکتی ہے۔ اُسے شہرت کا چسکا اس قدر لگ جاتا  
ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ بلند مقام تک پہنچنے کے لئے جھوٹ اور بددیانتی سے  
گریز نہ کرے۔ بالکل اسی طرح قوت و اختیار غلط طریقے سے استعمال کئے جاسکتے  
ہیں اور طاقت کا غلط استعمال دوسروں کے حقوق کو پامال کر سکتا ہے۔

یہ تو صرف ایک مومن کا پاک دل ہی ہے جو بے لوث خیال رکھنے والا  
اور نہربان ہے۔ ایسا دل دوسروں کے درد کو محسوس کرتا ہے یہ دوسروں کی خوشیوں  
سے خوش ہوتا ہے اور دوسروں کے غم سے یہ اُداس ہوتا ہے۔ یہ دوسروں کے دلوں  
احساسات اور جذبات کا خیال رکھتا ہے۔ جو شخص ایک ایسے دل کا مالک ہے،  
وہ بڑا دولت مند شخص ہے، اس لئے کہ اُس پر اللہ کی رحمتیں ہیں۔ ایسا دل اللہ کی  
رحمتوں، اُس کے عرفان اور اُس کے نور کیلئے بہترین آستانہ ہے اور وہ رُوحانیت  
سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے دلوں کے مالک اُن اللہ والوں کی تلاش میں رہتے  
ہیں جو کامل مرشد ہوں، تاکہ وہ اُن سے زیادہ فیض حاصل کر سکیں۔ یہ مُرشدین  
کامل رسول اللہ ﷺ کے نور کے براہِ راست فیض یافتہ ہیں۔ وہ اس کے امین

ہیں اور اسے ہر سو پھیلانے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ نور بالکل ایک چھوٹے سے شعلے کے مانند ہے جو دلوں کو بھڑکاتا ہے۔ یہ شعلہ ہر وقت دل کے مرکز میں بھڑکتا رہتا ہے اور جب بھی دنیا کی ذرہ بھر دھول دل میں داخل ہوتی ہے تو یہ شعلہ آناً فاناً اسے جلا کر وہاں سے ہٹا دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پھیلانے کا اللہ کا یہ طریقہ ہے، خاص طور سے زمین کے اس آخری دور میں۔ یہ نور ہر اُس شخص کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے جسے مرشد کا مقام عطا ہوا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے قول کا سچا ہو۔

اللہ کے ان مرشدین نے ایک حلف و فاداری پر اتفاق کیا تھا۔ اور اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے اللہ اور اُس کے انبیاء اور خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے اور وفادار رہیں گے، چاہے زمانہ اُن پر کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ یہ حلف و فاداری یوم میثاق میں دیا گیا تھا، اُس دن جب تمام ارواح سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے اللہ کے آگے جھکیں۔ یہ وہ وقت تھا جب نور نبی کا یہ شعلہ تمام مرشدینِ کامل کے دلوں میں داخل ہوا۔ اور وہ اُسی دن سے اس کے امین ہوئے۔

یہ نور آج کے زمانے میں ایک ضرورت ہے۔ آنے والا وقت ہر دن گزرنے کے ساتھ زیادہ مشکل ہوگا۔ آپ کو زیادہ انتشار اور زیادہ خونریزی نظر آئیں گیں۔ سچے مذہب کا اظہار بھی آپ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ ایسے کئی لوگ ہوں گے جو اسلام کے طور طریقوں کو بدلنا چاہیں گے۔ وہ اس کے قوانین اور ضابطوں کے بارے میں بحث کریں گے۔ وہ اس بات پر بحث کریں گے کہ اسلام کو کس طرح

بدلے ہوئے وقتوں سے ہم آہنگ کریں۔ وہ اس پر بحث کریں گے کہ قرآن کی صحیح تشریح نہیں ہوئی ہے اور اس کی صحیح تشریح کو صرف وہی جانتے ہیں۔

وہ محبت اور عشق پر بات ہی نہیں کرنا چاہیں گے۔ اُن کی نظر میں اللہ سے محبت کرنے والا ہر ولی اور حتیٰ کہ نبی، سب عام انسان ہیں جن کا اس قدر عزت و احترام نہیں ہونا چاہیے اور نہ اُن سے اتنی محبت کی جانی چاہیے۔ پوری دنیا انتشار کا شکار ہوگی۔ ہر آدمی اپنی اپنی بولی بولے گا اور دوسروں سے گستاخی کرے گا۔

آپ دیکھیں گے کہ سچے لوگوں پر انتہا پسندی، تشدد، غیر انسانیت اور بے لچک ہونے کے الزامات لگیں گے، اور اس کے نتیجے میں اسلام کی کئی نئی صورتیں سامنے آئیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ اسے ”نرم چہرہ“ کہیں اور ہو سکتا ہے کچھ اسے ”آزاد خیال اسلام“ کہیں۔ یہ دراصل وہ وقت ہے جس کی پیش گوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی جیسے کہ:

”جب کوئی شخص صبح کے وقت اُٹھے گا، تو وہ صاحبِ ایمان ہوگا، لیکن رات ہوتے ہوتے وہ اپنا سب سے قیمتی اثاثہ یعنی اپنے دین اور اپنے ایمان سے محروم ہو چکا ہوگا۔ بالکل اسی طرح ایک شخص رات کے وقت صاحبِ ایمان ہوگا، لیکن دن ہوتے ہوتے وہ ایمان سے محروم ہوگا اور اسے اس کی خیر تک نہ ہوگی۔“

اب ذرا سوچئے تو کہ خود کو زمان کے خاتمے کی اس ہولناکی سے بچانا کتنا اہم ہے۔ وہ دل جن میں نور نبی موجود ہے، وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ وہ ہر وقت اللہ کی پناہ میں ہوں گے۔ یہ نور اُن تمام مرشدین کے پاس موجود ہے جو

کامل ہیں، جو دوسرے اولیاء اللہ کے ہاتھ تھامے ہوئے ہیں اور جن پر رسول اللہ ﷺ کے کرم کا سایہ ہے۔

آپ ایسا شخص کہاں پائیں گے؟ ایسا شخص وہ ہے جن کے چہرے سے نورِ محمدی جھلکتا ہو، جن کی زندگی سے نورِ محمدی جھلکتا ہو، جن کی گفتار میں نورِ محمدی جھلکتا ہو، اور جن کے دل سے نورِ محمدی جھلکتا ہو۔ جب آپ کسی ایسے شخص کی خدمت میں بیٹھتے ہیں تو وہ آپ کو لمحوں میں آپ کے اللہ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا عکس ہوں گے اور ان کے دل میں سارے جہاں کے لئے درد ہوگا۔ ایسے ہی شخص نورِ محمدی کے امین ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ نور آپ کے دل میں داخل ہو تو آپ بس ایسے شخص کے ہاتھوں کو تھامے رکھیں۔ جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو نیا انسان بنائیں گے۔

آپ کی زندگی میں بدلاؤ آنا شروع ہو جائے گا۔ اُس میں سادگی آئے گی، اور وہ دوسروں کے لئے زیادہ رحمدل ہوگی۔ آپ اپنے دل میں اللہ کے حبیب ﷺ کے لئے ایک گہرا درد محسوس کریں گے۔ اور آپ کی زبان ہر وقت اللہ کے ذکر اور اُس کے محبوب ﷺ کے دُرود و سلام سے تر رہے گی۔ کشتی نورِ نبی میں داخل ہونے کی واحد شرطِ دل میں نورِ نبی کا ہونا ہے۔ اس نور کو حاصل کرنے کے لئے زندگی میں سادگی اختیار کرنے اور زندگی کے ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ اپنی زبان کو ذکر سے تر رکھئے اور اپنی زبان کو بھی گناہ، غصہ، غیبت اور جھوٹ سے بچائے رکھیں۔ اپنے دل اور اپنے ارادوں پر ہر وقت کڑی



نگاہ رکھیں۔

● اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نماز عطا ہوئی ہے۔ جسے صلوٰۃ نور نبی کہتے ہیں۔ اس صلوٰۃ سے نور نبی کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ یہ نماز صرف فجر کے وقت پڑھی جاسکتی ہے۔ چار رکعتوں کی نیت کریں ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ النکوثر پندرہ (۱۵) مرتبہ، ہر سجدہ میں تسبیح پڑھیں سُحَّانَ رَبِّيَ الْعَلِيِّ، پھر تیس مرتبہ پیلا کلمہ پڑھیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولَ اللَّهِ۔ اس نماز کا ایک ہی سلام ہے نماز کے بعد دس بار اللَّهُ الصَّمَدُ اور دس بار درود نور پڑھیں۔ اپنی دُعا میں نہایت عاجزی سے نور نبی کی اور اپنے رسول ﷺ کی کشتی کی طلب کریں۔

یہ سب ہر ایک کیلئے لازمی نہیں ہے۔ یہ صرف اُن کے لئے ہے جو فنا فی الرسول کے مقام میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور جو اپنے وجود میں عشقِ محمدی سمونا چاہتے ہیں۔ یہ اُن لوگوں کے لئے بھی ہے جو وقتِ خاتمہ کے فساد سے بچنا چاہتے ہیں۔

کشتی نور نبی کے بادبان کھول دیئے گئے ہیں۔ اللہ کے تمام عاشقین، اُس کے پیارے حبیب ﷺ، رسولِ پاک کے اہل بیت اور اولیاء اللہ سے محبت کرنے والوں کو اس کشتی میں سوار ہونے کی دعوت ہے۔ اپنے کامل مُرشد کے ہاتھوں کو تھامے رکھیں اور پھر دیگر تمام سچی ارواح کے ہاتھ پکڑ کر کشتی میں داخل ہو جائیں۔ انشاء اللہ بہت جلد آپ سب اپنے رؤف الرحیم رسول حضرت احمدؑ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمتوں کے زیر سایہ ہوں گے۔

(آمین)

## بدلتے حالات

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے، واحد اور یکتا ہے، کرم والا رب ہے، جو ان سب کانگھبان اور پالن ہا رہے جو پیدا کئے گئے ہیں۔

دُرودِ سَلامِ رَبِّ کی محبت پر، اُس نوبصورت دل پر جو صرف اُس کے محبوب کے لئے پیدا کیا گیا تھا، اور جو ہر وقت اپنی اُمت کے لئے دُعا گو ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے یسلا متی ہو ان سب ہستیوں پر جو حق کا ساتھ دینے کے لئے کبھی پس و پیش نہیں ہوتے۔ بیشک یہ ہی وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ حق کے ساتھ رہیں گے۔

دنیا کو ایک عجیب قسم کی ہوا چلتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے جو اس سے پہلے کبھی یہاں نہ تھی۔ یہ تبدیلی کی ہوا ہے، وہ تبدیلی جو پہلے بس متوقع تھی اور جسے اب سب محسوس کر سکتے ہیں۔ یہ دلوں کی تبدیلی ہے، یہ دنیا میں واقعات کی تبدیلی ہے، یہ سماج، روٹیوں اور قدردوں میں تبدیلی ہے، اور پوری فضاء میں تبدیلی ہے۔ وہ چیزیں جو پہلے معمول کے مطابق موجود ہوتی تھیں، اب باقی نہیں رہیں۔

لوگوں میں اچھائی رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے اور دنیا کے غفلت انگیز طرزِ عمل سے انسانی جذبوں پر زنگ لگ رہا ہے۔ اس کی سرد مہری سے لوگوں کے دل سخت ہو رہے ہیں۔ اس کی سختی سے لوگوں کے مزاج گرم اور زبانیں بے لگام ہو رہی ہیں۔ انسانی دل، جو کبھی گرمیِ محبت سے معمور اور دوسروں کے لئے تڑپتا تھا، اب وہ ایک ٹھنڈا اور خود غرض مقام بن چکا ہے جہاں ہمدردی کے جذبات رفتہ رفتہ مُردہ ہوتے جا رہے ہیں۔

ہم، بعض اوقات یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وقت کا جبر ہے، مستقبل پر بے یقینی کا وقت ہے، یہ وقت ہمہ وقت بڑھتی ہوئی حرص کا ہے جو لوگوں کو اتنا خود غرض بنا دیتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے اپنے رویوں میں بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس تمام تبدیلی کا اصل سبب لوگوں کے ایمان میں کمزوری، زندگی میں توکل کا فقدان اور اللہ سے اُن کے تعلق میں کمزوری ہے جو روز بروز بڑھ رہی ہے۔

بس اگر لوگوں کا یقین قدرِ مضبوط تر ہوتا، اُن کا عقیدہ زیادہ کامل ہوتا اور اللہ پر اُن کا بھروسہ زیادہ مضبوط ہوتا، تو تب اُن کی زندگیاں مختلف ہوتیں۔ آج کل کے لوگ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ وہ خود کر رہے ہیں، یعنی وہ اپنی قوتِ بازو سے کما رہے ہیں، اپنے بچوں کو اپنی فراست سے کھلا رہے ہیں اور اپنے گھرنے کی پرورش خود اپنے وسائل سے کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کتنے غلط ہیں اور اُن کی سوچ کتنی پُر فریب ہے! کاش کہ وہ صرف اللہ پہ بھروسہ کرتے اور فقط اُسی پر ہی توکل کرتے تو اُن کی زندگی زیادہ آسان اور زیادہ خوش ہوتی۔

لیکن وقت کے خاتمے کے لوگوں کے بارے میں کیا کہیے، وقت کے ختم ہوتے ہوتے اُن کی بصیرت اور دانائی بھی ختم ہو رہی ہے۔ وقت تبدیل ہو رہا ہے اور اُس کے ساتھ لوگوں کے رویے بھی۔ اور یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھے گا۔ بد قسمتی ہے کہ کئی لوگوں کے لئے وقت میں بہتری نہیں آئے گی۔

حرص اور طمع اب آنکھوں کو بے نور کر دیں گی، جھوٹ اور فریب ہر زبان کی نوک پر ہوں گے۔ غفلت، زندگی کا معمول بن جائے گی اور دنیا میں سب سے بہترین بننے کی تمنا ہر ایک کی زندگی کا مقصد بن جائے گی۔ دلوں میں رشتوں کے تقدس کی جگہ مادی آسائشیں لے لیں گی۔ اور یہ ہے منظر نامہ مسلمانوں کا، جو آگے بھی رہے گا۔

یہاں ہم کافروں کے بارے میں بات نہیں کر رہے ہیں۔ آپ، کافروں پر کس طرح الزام لگا سکتے ہیں جبکہ اللہ کا نور اُن کے دلوں میں اُتر ہی نہیں۔ یہ افسوسناک منظر نامہ تو مسلمانوں کا ہے جو اپنے دینی تعلیمات سے آگاہ اور اپنے رسول پاک ﷺ کی ہدایتوں سے بخوبی واقف ہیں۔

میا آپ دیکھ نہیں رہے کہ کس طرح دُنیا اپنی تباہی کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے، اور کس طرح لوگ دنیا کو اُسکی طرف بڑھانے میں مدد کر رہے ہیں۔ جب کوئی، دوسروں کی پرواہ کرنا بند کر دیتا ہے، تو یہ نہ صرف انسانوں کو نظر انداز کرنا ہے، بلکہ اُن کے ماحول اور اس زمین میں رہنے والی تمام مخلوق کو بھی نظر انداز کرنے کے برابر ہے۔ اگر آپ فطرت کے نازک نظام کے توازن کو بگاڑتے ہیں، تو آپ گویا اُن

تمام قدرتی آفات کو دعوت دے رہے ہیں جو انسانوں کی غفلت سے واقع ہوتی ہیں۔  
 تو یہ ہے جو آج کل ہو رہا ہے؛ جنگل کاٹے جا رہے ہیں، دریاؤں اور  
 سمندروں میں آلودگی سے آبی اور حیوانی حیات کو خطرہ درپیش ہے اور ہوا بھی  
 آلودہ ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انسانی حرص کی کوئی حد نہیں۔ لیکن آخر یہ سب  
 کب تک جاری رہ سکتا ہے؟

انسانوں نے جو کچھ کیا ہے (دراصل) انہوں نے اپنے ہی بچوں، بچوں  
 کے بچوں اور آئندہ نسلوں کو تازہ ہوا، تازہ غذا اور تازہ پانی سے محروم کر دیا ہے۔  
 سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انہوں نے اُنکے چہروں سے سچی مسکراہٹیں چھین لی ہیں۔  
 انہوں نے اُنکے دلوں سے سچی خوشیاں چھین لی ہیں، اور انہوں نے اُن کی زندگیوں  
 کا چین و قرار چھین لیا ہے۔

اس جدید دنیا کے انسانوں نے اس کے بجائے دکھ پریشانیاں، غم،  
 بے آسودگی، بہت زیادہ حسد اور نفرتیں عطا کی ہیں اپنے بچوں کے دلوں میں۔  
 یہی وجہ ہے کہ یہ نئی نسل اپنی پھیلی نسلوں کے مقابلے میں جسمانی، اور ذہنی طور سے  
 اور کردار کے اعتبار سے کمزور تر ہے۔ ان کی حالت نہایت افسوسناک ہے اور  
 آگے بھی ایسے ہی رہے گی۔

ایسے قتلوں میں صرف وہ جو حقیقی مسلمان ہیں، یعنی وہ جو صرف نام کے  
 مسلمان نہیں بلکہ دل سے بھی مسلمان ہیں، صرف یہی لوگ ہی ان سخت اور آزمائش  
 والے وقتوں میں بچ سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے لوگوں کو بھی اللہ کی مدد، اور اُس کی پناہ

کی ضرورت ہے تاکہ انہیں طوفانِ آخر کی ظالم موجیں پہا کر نہ لے جائیں۔  
 وقت نہایت سخت ہے، اور ہر دن کے گزرنے سے اس کی سختی  
 میں اضافہ ہوگا۔ دنیا ایک مشکل صورتحال سے دوچار ہوگی، مختلف قوتوں کے  
 درمیان تصادم کی وجہ سے شروع میں یہ تصادم چھوٹے نظر آئیں گے، لیکن رفتہ رفتہ  
 یہ چھوٹے اور معمولی مسائل، بڑے مسائل کی صورت اختیار کریں گے، اور تھوڑے  
 ہی عرصہ میں دنیا کسی نہ کسی طرح کی بڑی جنگوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ کچھ طاقتیں  
 دوسروں پر غالب آئیں گی۔

لیکن مجموعی طور سے دنیا ایک ہیجان کی کیفیت میں مبتلا ہو جائے گی،  
 لوگ سخت غیر محفوظ ہوں گے اور اپنے ہیجان کو کم کرنے کے لئے ساختہ ذرائع  
 تلاش کریں گے۔ بعض لوگ مادی چیزوں میں خوشی حاصل کریں گے۔ کچھ لوگ مال  
 ذخیرہ کر کے اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل کریں گے، اور کچھ لوگ طاقت کے  
 کھیل اور سیاست میں مبتلا ہوں گے۔

مگر بد قسمتی سے ان کی اکثریت حقیقی دین سے دور ہوگی۔ اگرچہ یہ صرف  
 اللہ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت ہے جو کسی فرد کو وقت کی سختیوں سے  
 بچا سکتی ہے، لیکن یہ قربت والوں کے لئے بھی ایک مشکل وقت ہوگا۔ مذہب کے  
 لئے ہر طرح کی بے شمار مخالفتیں ہوں گی۔ وقتِ آخر کا یہ سب سے بڑا فتنہ ہوگا، یعنی  
 لوگ کسی بھی مذہب کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

یہ اس لئے ہوگا کہ وہ دجال کے ساتھیوں کی باتیں سنا شروع کریں گے

جو دین کے مخالف تبلیغ کریں گے۔ یہ ساتھی مذہب کو ملنے والوں کا مذاق اڑائیں گے۔ وہ خاص طور سے دین اسلام کے پیچھے پڑ جائیں گے، کیونکہ یہ ہی دین ہے جو حقیقت میں دجال کے خلاف ہے۔ یہ اسلام کے ہی رسول ہیں جنہوں نے فتنہ دجال کے بارے میں ایسی واضح پیشگوئیاں کی ہیں جیسے کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہے ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ دجال اور اُس کے ساتھیوں کا پورا زور اسلام کی طاقت کو ختم کرنے کی کوشش پر صرف ہوگا۔ وہ درحقیقت اس پر ساہ سال سے کام کر رہے ہیں۔ اسلام کے منافقین نے زیادہ تر غداروں کا کردار ادا کیا ہے اور امت کو مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کرنے میں اپنا پورا زور لگایا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ فرقے چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑیں گے، اور اُن لڑائیوں کے باعث لوگ مذہب سے بددل ہو جائیں گے۔

دشمنانِ اسلام نے اسلام کے قوانین پر مختلف دلائل کی حوصلہ افزائی کی ہے اور نا سمجھ لوگوں کے ذہنوں میں اس خیال کے بیج بُوئے ہیں کہ اسلام کو آج کے حالات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس پر نئے سرے سے سوچنا اور اُس کی نئی تشریح کی ضرورت ہے۔ اس کی تجدید کی ضرورت ہے تاکہ یہ جدید دور کے تقاضوں میں ڈھل کر اُس کے دلائل کا سامنا کر سکیں۔ اس کو آزاد کیا جانا چاہیے اور اس کے قوانین ”انسانی حقوق“ کے چارٹر کے مطابق ہو جائیں۔

اب صورتحال کچھ یوں ہے کہ ”جتنے منہ اتنی باتیں“ کا رو باری معاملات ہیں

اکثر لوگ عام طور سے پہلے سوچتے، بعد میں بولتے ہیں اور بعض لوگ دنیا کے واقعات پر اپنا نکتہ نظر بھی پیش کر سکتے ہیں، لیکن ایسے لگتا ہے کہ کم و بیش ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ مذہبی معاملات پر آسانی سے اپنی رائے دے سکتا ہے، چاہے وہ اُس موضوع کے بارے میں جانتا ہو یا نہیں۔

کئی لوگوں کا طرز عمل یہ ہے کہ جب وہ کسی مسئلے کے بارے میں سنتے ہیں تو اُس کے صحیح ہونے کی تصدیق کئے بغیر اُسے دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص طبقہ خاص میں بیٹھتا ہے اور اپنی سرمایہ کاری پر رائے طلب کرتا ہے، تو زیادہ تر لوگ کہیں گے کہ: ”10% یا 15% منافع والی اسکیموں میں سرمایہ لگاؤ“ اور جب وہ کہے کہ کیا سود اسلام میں حرام نہیں؟ تو اُس کے ارد گرد بیٹھے لوگ کہیں گے ”جب سارا مالی نظام سود پر مبنی ہو، تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ آپ بعد میں اللہ سے معافی مانگ سکتے ہیں“

تو اس طرح وہ سود کو حلال قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ جو شخص سود لیتا ہے وہ دراصل اللہ کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ تو آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح اپنے مقاصد کے لئے کتنی زیادتی کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کے خلاف ولاتل دیتے ہیں اور یہ ہی وہ کرتے رہیں گے۔ وہ دین کو اپنے فائدے کے لئے ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب ایسے مسائل پر الجھن بڑھتی ہے تو عام آدمی یہ کہنا شروع کرتا ہے کہ: ”بابا، ہمیں تو مذہب سے دُور رکھو، اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے“ یہ ہو سکتا



ہے کہ ایسے کچھ لوگ ہوں جو نماز اور روزہ جیسے اپنے فرائض پورے کرتے ہوں،  
لیکن وہ یہ جانتا نہیں چاہتے ہوں گے کہ کس طرح اسلام نے انہیں زندہ رہنے  
کے لئے کہا ہے۔ وہ دھیرے دھیرے اپنے مذہب سے دُور ہونا شروع کر دیتے  
ہیں۔ اور اس طرح وہ بد قسمتی سے اپنے بچوں کو بھی اسلام کی سچی تعلیم حاصل کرنے  
سے دور رکھتے ہیں۔

دینِ اسلام سے یہ دُوری اور علیحدگی کسی کو بھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں دیگی۔  
رفتہ رفتہ دُنیا یہ سوچنا شروع کر دے گی کہ مذہب کے بارے میں بات کرنا پسماندگی  
کی نشانی ہے یا ”سبحان اللہ“ یا ”الحمد للہ“ کہنا رجعت پسندی کا  
طریقہ ہے جو جدید دُنیا کے طور طریقوں سے نا آشنا ہیں۔

اگر کوئی شخص مذہب میں دلچسپی لینا بند کرتا ہے تو سمجھتے کہ وہ دراصل  
اللہ کی پناہ سے نکلنا ہے اور شیطان کے شکنجے میں زیادہ آسانی سے آتا ہے۔ اگر  
اس طرح ہوتا ہے تو پھر سمجھتے کہ وہ شخص دجال کے لئے کام کر رہا ہے، کیونکہ یہ ہی تو  
دجال چاہتا ہے، یعنی اللہ کے وجود سے فراموشی اور دُنیا کے جھوٹے خداؤں کے  
پیچھے بھاگنا، یعنی دولت، اقتدار اور شہرت کے پیچھے۔ وہ (دجال) چاہتا ہے کہ ہر  
عام آدمی اللہ کے متعلق سب کچھ بھول جائے اور پھر اپنی زندگی ان جھوٹے  
خداؤں کو سجدہ کرتے گزارے۔

یہ ہے سارا دجالِ نظام، یعنی ہر ایک کو فضول جنگ، جھگڑوں میں  
مبتلا کرنا اور پھر اُسے مال و دولت کے پیچھے بھاگانا، تاکہ اُس کا دل اُس کے دین

کی محبت سے خالی ہو جائے؛ اتنا خالی ہو جائے کہ وہ اللہ کے وجود کا ہی مُنکر ہو جائے۔ اس کام کو دین کے لئے اُس کی معمولی دلیلیں اور بُھتیں آسان کر دیتی ہیں۔ یہ ہے دُنیا کا نیا نظام ایک ایسا نظام جسے صرف شیطان چلاتا ہے جہاں عریانیّت جائز ہو، یعنی اُسے مذہبی ثقافت کا ایک چالان مانا جاتا ہو، جہاں لوگوں کا واحد مشغلہ سود، سرمایہ دارانہ نظام اور غیر قانونی ذرائع سے حاصل کردہ دولت کے پیچھے بھاگنا ہو، جہاں ناجائز تعلقات باعثِ عزت و فخر ہوں۔

جہاں دین پر دلیل بازی کو ایک فیشن سمجھا جاتا ہو اور اُس کی مخالفت شخصی آزادی ہو، جہاں خود اپنے لئے جینے کو آپ کا حق اور دوسروں کی پاسداری کو وقت کی بربادی مانا جاتا ہو، جہاں فضول حرکتوں کو مشغلہ سمجھا جاتا ہو اور دولت، عالی شان عمارتوں یا ناجائز تعلقات کی تعداد کی بنیاد پر دوسروں سے مقابلہ باعثِ عزت و توقیر سمجھا جاتا ہو۔

یہ سب کچھ اُس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنے اللہ کو مکمل بھول جاتا ہے۔ جب وہ یہ سوچنا شروع کرتا ہے کہ کوئی کل نہیں، کوئی احتساب نہیں اور کوئی روزِ جزاء نہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ دجالی نظام کی یہ انتہائی کوشش ہوگی کہ لوگ دین کو بھول جائیں اور اُس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جائیں۔

اے اُمتِ محمدی! باہر نکل آئیں اور دیکھیں کہ آپ کے اطراف کیا ہو رہا ہے۔ یہ دجالی نظام تقریباً اچکا ہے، اور اس کے نفاذ کے بارے میں سب کچھ کیا جا چکا ہے۔ دل تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں، ایمان ختم ہو رہا ہے، لہو بہہ

رہا ہے اور اقدار تباہ ہو رہے ہیں۔

افسوس، کتنا بڑا نقصان ہے! کتنا بڑا نقصان ہے! یہ دُنیا کہہ سکتی ہے کہ دُنیا اپنے آخری دور میں داخل ہو گئی ہے۔ دُجال کے سالوں میں اور مہدی کے دور میں۔ جی ہاں! تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں، کام کم و بیش ختم ہو چکا ہے۔ نظام تقریباً نافذ ہو چکا ہے۔ آنکھیں اندھی کر دی گئیں ہیں اور یقین ڈگمگا چکا ہے۔

بنی آدم واقعی مشکل میں ہیں۔ وہ دراصل طوفانِ آخر میں پھنس چکے ہیں، یعنی وقت کے خاتمے کے طوفان میں۔ وقت اب آچکا ہے اپنے ایمان سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ جڑے رہنے کا۔ یہ وقت ہے کہ خاموشی سے دُنیا کے ہنگاموں اور انتشار سے دُور اپنے مُرشدِ کامل کے حفظ و امان میں رہا جائے۔

یہ وقت ہے اللہ سے مدد طلب کرنے کا، اُس سے پناہ مانگنے کا اور کشتیِ نورِ نبی میں ایک نشست مانگنے کا۔ یہ وقت ہے بعض لوگوں کے لئے انتہائی بلند روحانیت کا، اور اللہ کی رحمتیں صرف اُن لوگوں کے لئے جو اُس سے اور اُس کے رسول ﷺ سے سچے اور مخلص ہیں۔

طوفانِ آخر کے خطرات سے بچنے کا ذریعہ فقط کشتیِ نورِ نبی ہے۔ اس کشتی نے چلنا شروع کر دیا ہے، لیکن بہت کم لوگ اس میں سوار ہو سکیں گے۔ حتیٰ کہ ایک ہی گھرانے کے کچھ افراد تو سوار ہو سکیں گے اور بد قسمتی سے دوسروں کو اس میں جگہ نہیں مل پائے گی۔

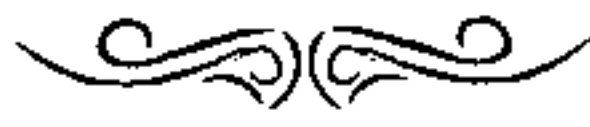
اسے اُمتِ محمدی ! طوفانِ آخرِ شروع ہو چکا ہے؛ اس کی موجیں بننا  
 شروع ہو چکی ہیں؛ دریا تے کر بلا کا خونِ پانی بھی پورے جوش میں ہے۔ اب  
 اُس ہونی کو کون روک سکتا ہے جو تقدّر ہو چکی ہے؟ کون روک سکتا ہے اُس کو جو ”کوچ  
 محفوظ“ میں اُس وقت سے لکھا جا چکا ہے جب دنیا ابھی وجود میں بھی نہیں  
 آئی تھی؟ طوفانِ آخر کو آنے سے کون روک سکتا ہے؟

ہر نماز کے ساتھ استغفار کیا کریں، اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔ اور اپنے پیارے

حبیب ﷺ کی شفاعت عطا کرے گا۔ انشاء اللہ

آمین

(رُتْمُ آمین)



## اخلاقیات

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی مملکت ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور جس کا حکم سب سے زیادہ مانا جانے والا اور تعظیم کے قابل ہے، جو جسے چاہے نیکی کرنے کی قوت اور برائی سے بچنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔

درود و سلام نبی پاک ﷺ پر آپ کی نرم مزاجی اور اعلیٰ اخلاق پر اپنی سخاوت اور اطوار پر اور آپ ﷺ کی نرمی اور ادب پر۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے، سلامتی ہونیک دل اور نیک نظروں کے لئے، اُن لوگوں کے لئے جو تسلیم و رضا کے معنی جانتے ہیں۔

آج کل دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہوتی جا رہی ہیں۔ دن بہت ٹھنڈے مگر راتیں اُن سے بھی بہت زیادہ ٹھنڈی ہیں۔ اللہ کی دنیا کا یہی حُسن ہے۔ اس میں آپ کو ہر قسم کا تناؤ ملے گا۔ کبھی تو گرمی کا راج ہوتا ہے، تو کبھی شدید ٹھنڈ کا۔ کبھی تو ہر طرف پھول ہی پھول نظر آتے ہیں، تو کبھی ہر طرف صرف خشک سالی اور قحط۔ کبھی تو بارش سے ہر کوئی بھیگا ہوا اور تریتر اور کبھی لوگ پانی کے چند قطروں کیلئے

اپنے اللہ سے دُعا گو۔ اگر (موسموں میں) یہ تبدیلیاں نہ ہوتیں، تو زندگی بے خوف اور غیر دلچسپ ہو جاتی۔ یہ نہ فقط موسموں کی تبدیلی ہے جس کیلئے لوگ شدت سے منتظر رہتے ہیں بلکہ وہ اپنی زندگی میں بھی تبدیلی چاہتے ہیں۔

وہ طفل جو ابھی بہت ہی چھوٹا اور بے بس تھا، جلد ہی ایک شریہ بچہ بن جاتا ہے، اور پھر یہ ہی شریہ بچہ ایک حیا دار نوجوان بن جاتا ہے۔ پھر وقت اس نوجوان کو ایک پختہ ذہن اور بالغ بنا دیتا ہے، اور بہت جلد یہ ایک قریب المرگ بوڑھا بن جائے گا۔ ایک شخص میں تبدیلی ظاہری طور سے تو آتی ہے، لیکن کتنے لوگ باطنی طور سے تبدیل ہوتے ہیں؟

ایسے کتنے لوگ ہیں جو خود اپنی کوشش سے اپنے دل کو تبدیل کرتے ہیں، یا زندگی کے تجربات سے سیکھ کر ایسا کرتے ہیں؟ ایسے کتنے لوگ ہیں جو واقعی اپنے دل کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یا اس کے بارے میں سوچتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ آپ کو بڑی قلیل تعداد میں ملیں گے کیونکہ اکثر لوگوں کی نظر میں دل بس دُنیا کے مزے کُٹنے کے لئے ہوتا ہے۔ دل تو زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے ہے۔ ہنسی خوشی کے لئے ہے۔

اگر آپ اپنے ارد گرد کے کسی شخص سے پوچھیں کہ: ”آپ کتنی مرتبہ اپنے دل کی صفائی کرتے ہیں؟ کتنی بار اپنے دل سے خود غرضی، طمع، حسد، ریا کاری اور غرور کو نکال باہر کرتے ہیں؟ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ایسا کوئی شخص مشکل سے ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشتر لوگوں کو دوسروں کے عیبوں کو دیکھنا پسند ہے

وہ ان عیبوں کے بارے میں بات کرنا پسند کرتے ہیں اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کو یہ سب بتاتے رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کے عیبوں کو تلاش کرنے اور انکی تشہیر کرنے میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انہیں بمشکل اپنے احتساب کا وقت ملتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ کسی شخص کی اخلاقی کمزوریوں کی نشان دہی کی کوشش کرتے ہیں تو وہ شخص اول تو حیران ہوگا پھر وہ اس سے انکار کرے گا اور اس کے بعد وہ غصے میں آئے گا اور کہے گا کہ کسی میں یہ کہنے کی مجرت کیسے ہوئی؟ کیا یہ اُس کا ذاتی مسئلہ نہیں؟ کسی کو اس بارے میں بات کرنے کا حق نہیں ہے۔ دیکھا آپ نے دوسروں کے بارے میں بات کرنا تو تفریح ہے، لیکن جو نہی انگلی اپنی طرف اٹھتی ہے تو مزاج کیسے بگڑتے ہیں۔

یہ ہے ہمارے سماج کا المیہ۔ کسی کا دل اس قدر بڑا نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر تنقید کو برداشت کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ تبدیلیاں فقط ظاہر میں ہوتی ہیں اور داخلی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ: ”ہمارے دل میں تو کوئی مسئلہ نہیں، ہم تو رحم دل اور نرم دل ہیں تو پھر ہمیں اپنے داخلی وجود کی فکر کیوں ہو۔“ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ”ہمارے اپنے مسائل بہت سارے ہیں جیلا ہم اپنے دلوں کے بارے میں کیا سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں تو بس اپنا مقام و مرتبہ برقرار رکھنا ہے۔ ہمیں تو اپنے بچوں کی پرورش کرنی ہے۔ تو بتائیے کہ اپنے لئے ہمیں کب وقت ملے گا؟“

حقیقت یہ ہے کہ اُن کے زیادہ تر مسائل حل ہو سکتے ہیں اگر وہ اپنے دلوں پر نگاہ رکھتے، اگر وہ اسکی بیماریوں کا اندازہ لگاتے اور اس کا کوئی علاج

ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔ اُن کا سب سے بڑا مسئلہ اُن کی ”اُنا“ یا ”میں“ ہے، جو انہیں خود اپنا محاسبہ نہیں کرنے دیتی۔ اپنے دلوں کا تجزیہ نہیں کرنے دیتی۔ انہیں نہیں کہنے دیتی کہ وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ”میں“ انہیں اندھا کر دیتی ہے اور انہیں حسد، طمع، ریاکاری، لالچ، تکبر اور ہزاروں ایسی بیماریوں سے پُر بد صورت دُنیا کو نہیں دیکھنے دیتی۔ عام طور پر اُن کے اکثر مسائل کی جڑ یہی ہیں۔ یہ بیماریاں اُن کی زندگیوں کے توازن کو بگاڑ دیتی ہیں۔ وہ توازن کی راہ میں رکاوٹ ہیں، وہ توازن جو (انہیں) اللہ نے دکھایا ہے۔

دل میں پیدا ہونے والی طمع انسان میں زیادہ سے زیادہ کے حصول کا جنون پیدا کرتی ہے۔ حسد، انسان کو یہ برداشت نہیں کرنے دیتی کہ کوئی اس سے بہتر ہو، ریاکاری، انسان کو دو چہرے والا بناتی ہے، اور تکبر اس میں یہ گھمنڈ پیدا کرتا ہے کہ صرف اس کی اپنی ذات اہم ہے، اور یہ سب پر واضح ہونا چاہیے۔ ایسے لوگ اپنی جہالت یا انجانے میں کئی چیزوں کو توڑ ڈالتے ہیں۔ پہلی تو وہ دوسروں کے حقوق کو پامال کر کے اللہ کے قوانین کو توڑتے ہیں۔ پھر وہ اپنی تلخ زبان اور نامناسب رقیوں سے بہت دلوں کو توڑتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ کے عطا کردہ اعمول رشتوں کو بھی توڑ دیتے ہیں۔ ان خوبصورت رشتوں میں سے ایک نہایت خوبصورت رشتہ انسان کا اپنے والدین سے ہے۔ اور والدین میں ماں کا رشتہ سب سے زیادہ قیمتی ہے، یعنی بے لوث رشتہ ہے۔ مگر بد قسمتی سے آج کی مادہ پرست دُنیا نے تو ماں اور بچے کے درمیان خلوص کو بھی تباہ



کر دیا ہے۔

آج کی ماڈرن ماؤں نے بچوں کی صحیح اسلامی طرز کی پرورش کو بھلا دیا ہے،  
دراصل اکثر خواتین کے پاس اپنے بچوں کے لئے وقت دینے کے لئے نہیں ہے۔  
یہی وجہ ہے کہ یہ بچے بلا نگرانی اور بغیر محبت کے پروان چھڑتے ہیں۔ محبت کے تعاون  
کو پُر کرنے کے لئے والدین اپنے بچوں کو قیمتی کھلونے اور جدید ترین چیزیں لادیتے  
ہیں۔ یہ چھوٹے بچوں میں ایک غلط تاثر پیدا کرتا ہے یعنی آپ انسانی رشتوں کے  
بجائے مادی چیزوں سے خوشی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ بچے  
بڑے ہو جاتے ہیں، تو وہ اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے سرگرداں رہتے ہیں اور  
اپنے اُن بوڑھے والدین کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن کو بڑھاپے میں مناسب  
نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اسلامی سماج بھی دھیرے  
دھیرے خود غرض مغربی ثقافت کو اپنا رہا ہے۔ اب تو اکثر اسلامی گھرانوں میں بھی  
والدین کے لئے نہ تو وقت ہے اور نہ ہی نرمی و احترام۔ ایک بار شادی ہو جائے  
تو وہ اپنے والدین سے الگ رہنا چاہیں گے۔ اسلام ایک شادی شدہ جوڑے  
کو اپنے الگ مکان میں رہنے سے نہیں روکتا۔ لیکن یہ سب کچھ اپنے اُن  
والدین کو نظر انداز کرنے کی قیمت پر نہیں ہونا چاہیے جنہوں نے آپ کو پالا پوسا  
اور زندگی بھر آپ کی نگہداشت کی ہے۔ اُن کو بھی آپ کے وقت اور آپ کی توجہ  
پر حق ہے۔ اُن کو بھی آپ کے بچوں کی ہنسی اور مسکراہٹ پر حق ہے۔  
انہیں بھی آپ کی کھائی پر حق ہے۔ یہی سبب ہے کہ دانا والدین اپنے بچوں کی

پرورش اللہ کے قوانین کے مطابق کرتے ہیں۔ وہ انہیں ایک اچھا اسلامی طرز حیات دیتے ہیں جسے اگر ایک جُملے میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ: ”دوسروں کے حقوق کا خیال رکھو“ وہ حقوق آپ کے اللہ کے ہیں، اس کے نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، اس کے عاشقین کے حقوق ہیں، آپ کے والدین کے حقوق ہیں، آپ کے بھائی بہنوں کے حقوق، سارے رشتے داروں اور دیگر لوگوں کے حقوق ہیں جو آپ کے اطراف موجود ہیں، حتیٰ کہ آپ کے حقوق اور اللہ کی مخلوقات کے حقوق بھی۔

اس کا حصول صرف اس صورت میں ممکن ہے جب آپ نہایت احتیاط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی کریں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ذاتِ اقدس ہیں جنہوں نے ان تمام حقوق کو ادا کیا تھا۔ اگر کوئی ان حقوق کو نظر انداز کرتا ہے، تو سمجھئے کہ وہ اپنے لئے مسائل کے ایک شکر کو دعوت دیتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے! آپ کے اکثر مسائل آپ کی اپنی غفلت کا نتیجہ ہیں، آپ کی اپنی حماقت کا۔ یہی وجہ ہے آپ ایسے مسائل میں گھر جاتے ہیں جن کا بظاہر کوئی حل نہیں ہے۔ آپ کی محبت اور شفقت بھری توجہ آپ کے بچے کے لئے اور اس کے دین پر اس کو ایک ذمہ دار بالغ میں ڈھالتا ہے۔

اگر شروع سے ہی والدین کے احترام کے بارے میں اُسے بتا دیا ہوتا، صلح رحمی کا تصور اُسے ذہن نشین کر دیا ہوتا تو، وہ اپنے رشتے داروں کا تقدس برقرار رکھتا، چاہے وہ اُس سے کتنے ہی قریب یا دور ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی کئی حدیثوں میں ان رشتوں کے احترام کے بارے میں تعلیم دی ہے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”میں نے اپنے پیارے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ تمام اعمال میں سے کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟“ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ”وقت پر نماز کی ادائیگی کرو۔“ میں نے دوبارہ عرض کیا کہ: ”اُس کے بعد وہ کون سا عمل ہے جو اللہ کی نظر میں سب سے محبوب ہے؟“ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”حسن سلوک اپنے والدین کے ساتھ۔“ پھر میں نے پوچھا: ”اس کے بعد اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔“ آخر میں میں نے محسوس کیا کہ اگر میں اسی طرح سوالات کرتا جاتا، رسول اللہ ﷺ ان کے جوابات ارشاد کرتے نہیں تھکتے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: ”میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟“ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری والدہ حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔“ سائل نے پوچھا ”پھر کون؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری والدہ“ اس نے دریافت کیا: ”پھر کون؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہاری والدہ“ سوال کرنے والے نے عرض کیا: ”پھر کون؟“ فرمایا: ”تمہارا باپ۔“ رسول اللہ ﷺ نے آخر لفظ ”ماں“ کیوں ارشاد فرمایا تھا؟ دراصل حسن سلوک میں ماں کے تین حصے ہیں اور باپ کا ایک حصہ ہے۔ ماں کے اُن تین حصوں میں ایک اس لئے ہے کہ اس نے حاملہ ہونے کی سختیاں جھیلیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس نے وضع حمل

کی سختی جھیلی ہے۔ اور تیسرا یہ کہ اس نے بچے کو دودھ پلانے کی سختی جھیلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ماں سب سے زیادہ عجز، ادب اور تعظیم کی حق دار ہے۔ آپ اُن لوگوں کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو اپنے والدین سے بُرا سلوک کرتے ہیں، جو اُن سے بے ادبی کرتے ہیں، یا اُن کی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہیں؟ جو انہیں اکیلا چھوڑ دیتے ہیں، اور انہیں مشکل سے کوئی وقت دیتے ہیں کیونکہ اُن کی اپنی مصروفیت اتنی زیادہ ہے کہ والدین کے لئے وقت نکالنا نہ ممکن ہے۔ اور اُن بچوں کے بارے میں کیا کہیں گے جو اپنے بیمار والدین کو چھوڑ کر بیرون ملک چلے جاتے ہیں تاکہ اُن کا اپنا مستقبل محفوظ ہو؟ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اُن کے والدین اُن کے لئے ترسیں گے اگرچہ وہ اُن کے سامنے اس کا اظہار نہ کرتے ہوں۔ کون خوش رہ سکتا ہے اگر اُسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔

ایسے گھرانوں پر افسوس ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے بوڑھے والدین دیئے ہوں اور پھر بھی وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوں۔ یہ ایسا ہے کہ جیسے اللہ ان لوگوں کو جنت عطا کر رہا ہو اور یہ کہہ رہے ہوں کہ ”معاف کیجئے ہمارے پاس اس کے لئے بھی وقت نہیں۔“ صد افسوس ان کی اس حالت زار پر!۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”ماں باپ کے ستانے کے علاوہ تمام گناہ ایسے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں معاف فرما دیتے ہیں اور ماں باپ کو ستانے کا گناہ ایسا ہے کہ اس گناہ کے کرنے والے کو اللہ جل شانہ موت سے پہلے، دنیا والی زندگی

میں سزا دے دیتے ہیں۔“

والدین کی بے حرمتی اور بڑا سلوک دراصل گناہ کبیرہ ہے۔ آپ کو اس گناہ کی سنگینی کا احساس اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ کی تشریح یوں فرمائی: ① اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ ② اپنے والدین کی نافرمانی کرنا۔ ③ کسی ایسے کو مار ڈالنا جس کا قتل حلال نہ ہو۔ ④ جھوٹی قسم کھانا۔ اگرچہ گناہ کبیرہ کی فہرست بڑی لمبی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”شُرک کے بعد والدین کی نافرمانی سب سے فہرست ہے۔“ عربی لفظ ”حقوق الوالدین“ میں یہ باتیں شامل ہیں! ماں باپ کو کسی طرح بھی ستانا قول سے یا فعل سے اُن کا دل دکھانا، نافرمانی کرنا، حاجت ہوتے ہوئے اُن پر خرچ نہ کرنا یہ سب ”حقوق“ میں شامل ہیں۔

تو اس طرح آپ نے دیکھا کہ والدین کو دکھ پہنچانا اللہ کی نگاہ میں سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک ہے بالکل اسی طرح صلح رجمی میں پہلے آپکے والدین آتے ہیں پھر آپ کے قریبی عزیزا پھر دُور کے رشتہ دار آتے ہیں۔ وہ سب جن سے آپ کا نسبی رشتہ ہے، صلح رجمی میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”تو اپنی ماں کے ساتھ، اور اپنے باپ کے ساتھ، اور اپنی بہن کے ساتھ، اور بھائی کے ساتھ حُسن سلوک کر، ان کے بعد جو رشتہ دار زیادہ قریب ہو اُن کے ساتھ حُسن سلوک کر۔“

بدقسمتی سے جس کسی کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے وہ اپنے

اُن رشتہ داروں میں نظر نہیں آتا چاہتے ہیں جو کم نصیب ولے اور غریب ہیں، اور جہاں تک اپنی جائیدادوں میں سے اپنے ہی بہن بھائیوں کو حصہ دینے کا تعلق ہے، اس میں بھی بڑی ناانصافی ہوتی ہے۔ اکثر بھائی و راشت میں اپنی بہنوں کو اُن کا جائز حصہ دینا پسند نہیں کرتے۔ کبھی کبھی وہ جذباتی انداز میں اپنی بہنوں پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ بھائیوں کی محبت میں اپنا حصہ چھوڑ دیں۔ اگر خاندان میں کوئی بیوہ یا یتیم ہو، تو اُنہیں وراثت میں کوئی حصہ ملنا مشکل ہے۔

جب لالچ کی تہہ کسی دل پر چڑھنا شروع کر دے تو اس کو مکمل سخت کر دیتی ہے۔ شیطان ایسے دلوں کو ان کی اصل موت سے پہلے ہی مار دیتا ہے، ایسی سنگین حالت ہے اُن کی۔ پھر کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ”اگرچہ ہم اپنے رشتہ داروں سے ملنا چاہتے ہیں، لیکن درحقیقت کوئی بھی ہم سے ملنا نہیں چاہتا۔ اگر ہم ان سے کوئی نیکی کرتے ہیں، تو ہمیں اُن کی طرف سے کوئی نتیجہ نہیں ملتا۔ یہ لوگ تو صرف ان لوگوں سے ملتے ہیں جو اُن کی مہربانیوں کا بدلہ دے سکتے ہوں، لیکن (ظاہر ہے کہ) یہ اصلی صلہ و رحمی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ: ”جو شخص بدلہ اُتار دے وہ صلہ و رحمی کرنے والا نہیں ہے، بلکہ صلہ و رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے، تو وہ صلہ و رحمی کا برتاؤ کرے۔“

اے اُمتِ محمدی! زندگی بڑی مختصر سی ہے۔ اپنی ہمیشہ رہنے والی زندگی کو برباد نہ کریں، اس فانی زندگی کی خاطر اپنے دل کی حالت کو بدل لیں۔ یہ

مت سمجھیں کہ اس میں کوئی بیماری نہیں ہے۔ دل کے گرد و غبار پر گہری نگاہ رکھیں تاکہ وہ آپ کی بصارت کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ نہ بھولیں کہ اللہ نے سورۃ التکاثر میں کیا فرمایا ہے :

”تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا۔ ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے، پھر ہاں ہاں جلد جان جاؤ گے۔ ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے، بے شک ضرور جہنم کو دیکھو گے، پھر بے شک ضرور اُسے یقینی دیکھنا دیکھو گے، پھر بیشک ضرور اُس دن تم سے پرسش ہوگی۔“

وہ سب جو ان باتوں پر خیردار ہیں اور جو عقل سے اٹھ کر جانے کے بعد انہیں فراموش نہیں کرتے، وہی تو سچے دل والے ہیں۔ خدا ہم سب کی مدد کرے۔

آمین  
(تم آمین)



## حضرت آنا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس نے لفظ ”کن“ کہہ کر تمام جہانوں کو پیدا کیا، جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر مٹی سے پیدا کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو صرف بنی آدم کی آزمائش کے لئے پیدا کیا۔ فقط روشن آنکھوں والے ہی اُس کی نشانیوں کو دیکھ سکتے ہیں جو ہر جگہ موجود ہیں۔

درد و سلام اُس حسین رُوح پر جسے ہر دوسری چیز سے پہلے پیدا فرمایا گیا تھا، لیکن جو اس دُنیا میں اس کے وقتِ آخر میں تشریف لائے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کیلئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب کے لئے جنہوں نے طرز زندگی کیلئے راہِ سلوک کو اختیار کیا ہے اور کیا ہی خوبصورت راہ انہوں نے اپنے لئے اپنائی ہے۔

راہِ سلوک یا راہِ طریقت وہ راہ ہے جو احسان والوں کی ہے، یعنی جن کا تعلق رُوحانی دنیا سے ہے۔ (لیکن) اس راہ پر سب نہیں چل سکتے۔ یہ تو صرف وہ چند نفوس ہیں جو سلوک کو سمجھ سکتے ہیں یا جنہیں سالک بننے کا شرف حاصل ہے۔ ان نوری محفلوں میں ایسے کئی لوگ آتے جاتے ہیں، لیکن صرف وہ لوگ ہی



یہاں مستقل رہ سکتے ہیں جن کی وابستگی اس راہ سے ہے۔ باقی لوگ کچھ دیر کے لئے آتے جاتے ہیں لیکن جلد ہی اُن کا راستہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ یہ سوال کریں کہ اگر روحانیت ایک شخص کو بے اہمیتا بلندیوں تک پہنچا سکتی ہے تو ہر آدمی کیوں اس راہ کی طرف نہیں آتا؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ عشق سے پینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس کے علاوہ طریقت بڑی قربانیاں مانگتی ہے۔ یہ آپ سے آپ کے وقت کا تقاضا کرتی ہے، آپ کی توجہ اور دل جمعی چاہتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ آپ کے دل کی طالب ہے۔ اگر آپ یہ سب دیکھ سکتے ہیں، تو پھر آپ صاحبِ طریقت ہیں، ورنہ یہ راہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ طریقت، یا روحانیت کی دنیا، دراصل ہر ایک کے لئے موجود ہے۔ حالانکہ یہ پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے، لیکن اللہ کے اُن عاشقین نے اس کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے جنہوں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور دوسروں پر اس کا انکشاف کیا ہے۔

ہر آدمی کو اپنے عرصہٴ حیات میں کوئی نہ کوئی روحانی تجربہ ہوتا ہے، جس کے معنی ہیں کہ روحانیت دراصل کوئی چھپی ہوئی دنیا نہیں ہے، لیکن اس کے شرائط و ضوابط پر عمل کرنا دنیا والوں کے لئے مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ: ”میں اپنا وقت، توجہ اور سہ دگی دے سکتا ہوں،“ لیکن اکثریت کے لئے اپنا دل دے دینا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنے دلی نہان خانے میں جمع کردہ ساز و سامان کو کس طرح نکال سکتا ہے۔ دل، دنیا کے حرص سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا،

اور اگر دل مکمل پاک و صاف نہیں، تو وہاں اللہ کا عرفان کس طرح نظر آئے گا؟ راہِ سلوک یا روحانیت کے راستے کو سب لوگ اختیار نہیں کرتے۔ اس راہ کو تو صرف وہی اختیار کرتے ہیں جو اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ دے دیتے ہیں۔ وہی اس راہ کے امیدوار ہیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ سب سے بڑا، بہت ہی اولیٰ و اعلیٰ، افضل و عظیم، علیم و حکیم آپ کے اللہ کی ذات ہے اور عظیم و برتر اللہ کا علم ہے، یعنی وہ علم جو اللہ جل جلالہ کی ذات کی معرفت عطا کرتا ہے۔ یہ وہی علم ہے جسے علمِ تصوف، علمِ فقر، علمِ روحانیت کہتے ہیں، جو دینِ محمدی ﷺ کی اصل اور روح ہے۔ اسی علم کے ذریعے آدمی تزکیہٴ نفس اور اصلاحِ باطن کرتا ہے اور راہِ سلوک سیکھتا ہے۔ یہ راہ عجیب اور انجانی نہیں ہے۔ اسکی ابتداء پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی اور اس کی انتہا رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اس راہ کے ازل وابد کوئی نہیں پہنچ سکتا سوائے حبیبِ خدا حضور ﷺ کے، جن کا مقام، مقامِ محمود ہے، اور یہ مقام راہِ سلوک کی انتہا ہے۔ تو جو کوئی بھی سالک بننے کا خواہشمند ہے، اُسے چاہئے کہ اللہ کے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کو اپنے گھرانے، اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنی جان و مال سے زیادہ محبوب رکھے۔ اُس کے دل میں آپ کے لئے انتہائی ادب و احترام ہونا چاہیے۔ اور زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنی چاہیے۔ وہ اس راہ کا علم، صحابہ کرام کی اتباع کر کے سیکھیں۔

روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی مسجد نبوی کی طرف آ رہے تھے۔ ابھی وہ مسجد میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنی جو کھڑے ہوئے لوگوں کو بیٹھ جانے کا حکم دے رہے تھے۔ وہ صحابی جو مسجد میں داخل ہونا چاہتے تھے فوراً مسجد کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ جب لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ وہ وہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ تو صحابی نے فرمایا: ”کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرما رہے تھے؟“ اس پر لوگوں نے جواب دیا کہ: ”لیکن وہ حکم تو مسجد کے اندر موجود لوگوں کے لئے تھا،“ صحابی نے جواب دیا: ”لیکن میں نے بھی تو آپ ﷺ کی آواز سنی تھی“ پھر لوگوں نے کہا: ”آپ کو کم از کم مسجد کے اندر جا کر آرام سے بیٹھنا چاہیے تھا“ لیکن صحابی و رسول نے جواب دیا: ”سوچا میں نے بھی یہی تھا، پھر مجھے خیال آیا کہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے اگر میری جان نکل گئی، تو وہ حضور ﷺ کی نافرمانی میں نکلے گی جو میرے لئے رسوائی و دنیا اور آخرت کا باعث بن سکتی ہے“

یہ ہے طریقہ حضور ﷺ کے تمام غلاموں کا، اپنے آقا کی اتباع کا۔ یہ راہِ سلوک کا اولین قاعدہ ہے، یعنی حضور ﷺ کے حکم کی پیروی زندگی کے ہر شعبے میں۔ راہِ سلوک میں سالک تصوف کا ایک طالب علم ہوتا ہے۔ اس علم کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ شریعت

۲۔ طریقت

۳۔ حقیقت

۴۔ معرفت

آپ اسے بادام کی مثال سے سمجھیں، جو خود چار حصوں پر مشتمل ہے

یعنی: ۱۔ بیرونی خول

۲۔ پھلکا

۳۔ گھری یا مغز اور،

۴۔ روغن

تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم تصوف ایک ایسا پودا ہے جس کی شروعات، شریعت کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد طریقت ہے جو اس کی شاخوں کی طرح ہے، یعنی جب یہ پودا بڑھنے لگتا ہے اور اس کی شاخیں ہری اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی طریقت کے بارے میں پوری طرح آگاہ ہو جاتا ہے، تب حقیقت کے پھول کھل اُٹھتے ہیں، اور اس کے بعد سالک معرفت کے پھل کا مزہ چکھنا شروع کرتا ہے۔

آج ہم ایک انتہائی محترم اور معرفت کے روشن چراغ کا ذکر کریں گے جن کے نام سے صدیوں سے یہ راہ منور ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نہ فقط خود معرفت کا میوہ چکھا ہے، بلکہ اس میں تمام سالکین اور عارفین کو بھی شریک کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی آپ کی تعلیمات کا سلسلہ آپ کی انمول کتابوں کے ذریعے جاری و ساری رہا، جو بے شک کسی بھی سالک کیلئے ایک خزانے سے کم نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید علی عثمان، بھویری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حسنی بھی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ اس طرح ہے: علی بن سید عثمان بن سید عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر، بن سید زید شاہد بن امام حسن بن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ بھویری اور جلابی اس لئے کہلائے جاتے تھے کیونکہ بھویر اور جلاب غزنی کے قریب وہ دو گاؤں تھے جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال گزارے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کئی ممتاز اساتذہ تھے، لیکن آپ کے روحانیت کے استاد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن خطلی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو آپ کے مرشد اور اپنے وقت کے ایک عظیم صوفی تھے۔ آپ کا تعلق سلسلہ جنیدیہ (حضرت جنید بغدادی سے نسبت) سے تھا۔

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت و ریاضت انتہائی سخت تھے خاص طور سے جب آپ نے تزکیہ نفس کیا تھا۔ آپ کا ایک طریقہ ملامت کا تھا، جس میں آپ مجبہ اور دیگر صوفیانہ علامتوں سے گریز کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ عام لباس پہنا کرتے تھے۔ اگر کوئی آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا، یا طنز یا ملامت کرتا، تو آپ اس پر خوش ہوا کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: ”لامت، خلوص محبت میں بہت محبوب آمیز ہے۔ اس لئے بزرگان دین ہمیشہ خلق کی ملامت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو اہل حقیقت کے ایمان اور عاشقین الہی کے پیشوا ہیں، جب تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی تھی، سب کے نزدیک نیک نام اور بزرگ مانے جلتے تھے۔

مگر جیسے نبوت ظاہر ہوئی لوگوں نے زبانِ ملامت دراز کر دی۔ کسی نے آپ ﷺ کو جادوگر کہا، کسی نے شاعر، کسی نے (نعوذ باللہ) انہیں مجذوں کہا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کا نام لیتا ہے، لوگ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ ہی اُن کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کو لوگوں کی نظروں سے غائب رکھتا ہے تاکہ اُن کے جمالِ حال پر کسی کی نظر نہ پڑے یا کہ وہ خود ہی اُسے دیکھ کر مغرور نہ ہو جائیں۔ اس لئے اللہ خلقت کو اُن کے خلاف لگا دیتا ہے تاکہ لوگ اُن کی ملامت کریں۔ اُن کا اپنا نفس لوامہ بھی ہر وقت اُن کی ملامت کرتا ہے۔ اگر کوئی بُرا کام ہو تو وہ ہر وقت اس کی ملامت کرتا ہے اور اگر نیکی کی ہو تو بھی نفس لوامہ ملامت کرتا ہے کہ جو کچھ کیا ہے بہت کم کیا ہے اور زیادہ کرنا چاہیے تھا۔“

جب داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روحانی تربیت مکمل کی، تو آپ مختلف جگہوں کے سفر پر نکلے، جیسے کہ شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، تبرستان، خراسان وغیرہ اور وہاں پر کئی اولیاء اور صوفیاء کرام سے فیض حاصل کیا۔ صرف خراسان میں ہی آپ کو ۳۰۰ مشائخ اور اولیاء کرام کی صحبت نصیب ہوئی۔

یہ مسعود بن محمود غزنوی کا دور تھا جب آپ کے مرشد سے آپ کو لاہور جانے کا حکم موصول ہوا۔ لاہور میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو اپنے مرشد کے حکم کے بارے میں پتہ چلا تو آپ کو حیرت ہوئی، لیکن تاہم آپ نے اس حکم کی تعمیل کی جو آپ کو ملا تھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ لاہور پہنچے تو اس وقت رات تھی۔ دوسرے دن صبح سویرے آپ نے ایک جنازے

کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے، تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا گزشتہ شب وصال ہوا تھا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ شہر میں داخل ہوئے۔ بیشک اللہ کے طور طریقے نزلے ہیں جنہیں ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ جب داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں سکونت اختیار کی تو آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا، اور وہیں سے آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کا آغاز فرمایا۔ داراشکوہ نے اپنی ایک کتاب 'سفینۃ الاولیاء' میں داتا صاحب کی ایک کرامت کا ذکر کیا ہے کہ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو شہر کے تمام علماء نے اعتراض کیا کہ مسجد کا محراب جنوب کی طرف ہے۔ یہ سن کر داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام علماء کو بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ مسجد میں نماز ادا کریں۔ اس جماعت کی امامت خود داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی۔ نماز کے دوران اللہ تعالیٰ نے تمام حجابات اٹھائے اور کعبۃ اللہ سب کو نظر آنے لگا۔ نماز کے بعد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اب مجھے بتائیے کہ آیا مسجد کا رخ جنوب کی طرف ہے یا قبلہ کی طرف؟" اس پر تمام علماء نے کہا: "ہم اپنے اندازوں اور حساب میں غلط تھے، مسجد قبلہ رخ ہے۔"

یہ تھی اللہ کی رحمت اس بزرگ ولی پر۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ایک ایسی روحانی کشش اور آپ کے کلام میں اتنی تاثیر تھی کہ جو بھی آپ کی محبت میں آتا وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جایا کرتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مہربانہ رویہ اور نہایت اعلیٰ اخلاق غیر مسلموں پر اثر کیا کرتے تھے جو بغیر کچھ کہے اسلام قبول کرتے تھے۔ وہ شخص جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھا، اور جس نے آپ کے

ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ لاہور کا نائب حکمران رائے راجو تھا جسے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند کا لقب عطا فرمایا تھا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے تمام عاشقین کے لئے فیاض داتا تھے۔ آپ کا دل معرفت کے خزانوں سے بھر پور تھا جسے آپ بڑی فیاضی سے اُن لوگوں پر بچھا کر دیتے تھے جو اللہ والے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ: ”چونکہ محبت کا گہوارہ دل ہے، اس لئے دل پھل پھول نہیں سکتا بغیر عشق الہی کے نور اور معرفت کے۔ وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ وہ علم و عقل کے ذریعے معرفت حاصل کر سکتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ اگر معرفت علم و عقل سے حاصل ہوتی، تو ہر ایک عاقل اور عالم عارف ہوتا۔“

حقیقی معرفت تو صرف اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ کا فضل ہو، کیونکہ یہ اللہ ہی ہے جو دلوں کو کھولتا یا بند کرتا ہے، انہیں کشادہ کرتا ہے، یا اُن پر مہر لگا دیتا ہے۔ عقل و علم اُس کے حصول کا ذریعہ ہو سکتے ہیں، لیکن یہ اس کے لئے شرط نہیں ہو سکتے، شرط تو فقط اللہ کی عنایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: ”میں نے خدا کو خدا ہی ہے پہچانا اور خدا کے سوا کو اُس کے نور سے پہچانا۔“

فقر کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”فقیری وہ ہے جب کوئی شخص اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہو، یعنی اللہ سے تحلیل ہو جانا ہے۔“ اس کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خوبصورت مثال



دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”میں نے تاج الدین کو یہ کہتے سنا کہ ایک چھوٹا سا کھیرا ہے جس سے پھولوں کی خوشبو آتی ہے۔ ایک بار دیکھا گیا کہ وہ اُس جگہ زمین پر لوٹ رہا تھا اور آہ وزاری کر رہا تھا جہاں جنبیلی کے پھول کھلا کرتے تھے۔

جب اُس سے پوچھا کہ: ”تمہاری جنبیلی کو کیا ہوا؟ تو کہنے لگا: ”میں نے سنا ہے کہ وہ جل گئی ہے۔“ اِس پر لوگوں نے کہا کہ: ”پھر تمہارا عشق سچا نہیں ہے۔ اگر سچا ہوتا تو تم پیچھے نہ رہ جاتے، تم بھی اپنے محبوب کیساتھ جل جاتے۔“ غم زدہ عاشق نے کہا: ”میں یہاں موجود نہ تھا، یہ ساغر میری غیر موجودگی میں پیش آیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اُس مٹی کو تلاش کر رہا ہوں جہاں میری جنبیلی پیدا ہوئی تھی تاکہ میں اُس مٹی کو اپنے سر کا تاج بنا لوں۔“

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال دے کر مرشد کی اہمیت کی وضاحت فرمائی اور فرمایا کہ: ”اگر کسی کو حقیقت اور معرفت حاصل کرنی ہو تو اُسے اپنی زندگی مرشد کے قدموں میں ڈال دینی چاہیے۔“ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد شیخ عبدالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ارشادات سنائے:

”فقیر کے لئے اپنے مرشد کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ فقیر کے لئے لازم ہے کہ ہر وقت اپنے مرشد کو حاضر و ناظر سمجھے، اور مرشد وہ ہوتا ہے جو مراقبہ کے ذریعے مرید کی ہر لمحہ نگرانی کرتا ہے۔“

اس عظیم نور معرفت نے ۴۶۵ ہجری میں اس دارِ فانی کو چھوڑا اور اپنے ابدی مسکن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کو پہلی بار غزنوی بادشاہ

ابراہیم نے بنوایا اور بعد میں مغل شہنشاہ اکبر نے مزید تعمیرات سے اُسے زیادہ  
دلکش بنا دیا۔

فیض کے لئے نہ صرف علماء اور صوفیاء کرام آپ کے مزار شریف کی  
زیارت کرتے، بلکہ اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں جیسے مغل بادشاہ بھی باقاعدگی سے  
مزار کی زیارت کے لئے لاہور آکر حاضری دیا کرتے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے  
کہ گزشتہ ہزار سالوں سے تمام عظیم علماء، اولیاء کرام اور صوفیاء کرام اس مزار شریف  
پر روحانی فیض کے لئے حاضر ہوتے رہے ہیں۔

اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اس در سے خالی ہاتھ جاتے جبکہ بادشاہ  
گنج بخش کہلاتا ہو۔ اور یہ گنج اللہ کی وہ بے شمار رحمتیں ہیں جو اللہ کے اس محبوب  
ترین بندے کے ذریعے پہنچتی ہیں۔ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے  
جب اس عظیم صوفی کے مزار پر چلا کاٹا، تو آپ کو بے پناہ روحانی فیض حاصل ہوا۔  
یہی وجہ ہے، آپ نے بے ساختہ فرمایا:

ے گنج بخش فیض عالم، منظر نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل، کمالاں زا رہ نما

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مزار شریف پر اعتکاف کیا

تھا اور انہیں بھی اس مقدس مقام سے بے پناہ فیض ملا۔ حضرت نظام الدین اولیاء

محبوب الہی نے یہ بھی فرمایا:

”حضرت داتا گنج بخش کی ذات پر انور تو رہتائی کا مخزن تھی ہی، اُن کی کتاب

”کشف المحجوب“ بھی اُن لوگوں کے لئے ایک رہ نما کی حیثیت رکھتی ہے جنہیں کسی کامل راہنما کی صحبت میسر نہیں۔“

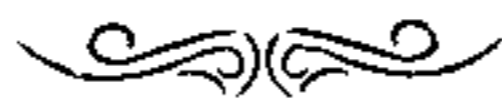
اے اُمتِ محمدی! راہِ سلوک ایک آسان راستہ نہیں ہے۔ یہ راستہ جی دارِ باہمت اور زندہ دل والوں کا راستہ ہے۔ اگرچہ اس راہ کے تقاضے بہت ہیں، لیکن اس کے بدلے میں یہ آپ کو آپ کے توقعات سے کہیں زیادہ عطا کرتی ہے۔

یہ آپ کو سچی محبت عطا کرتی ہے۔ اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ کی محبت، اولیاء اللہ کی محبت، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا کا محور یہی سچی محبت ہے جو ہر شے کو حرکت دے رہی ہے۔ اللہ کے عاشقوں اور ولیوں سے محبت کریں اور آپ یقینی طور سے دیکھیں گے کہ ان کی محبت بھی لامحدود انداز میں آپ کے پاس آئے گی۔

اللہ تعالیٰ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات اور بلند کرے اور داتا صاحبؒ کی نگاہِ کرم ہم سب پر قائم و دائم رہے۔

آمین

(تم آمین)



## روح کی صحت

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو رب کائنات ہے اور رب العالمین ہے۔ وہ واحد ذات ہے جس کی عبادت تمام جاندار اور غیر جاندار وجود کرتے ہیں، جس کی حمد و ثناء کی صدائیں تمام جہانوں میں گونجتی ہیں۔ وہ تمام دنیاؤں کا رب ہے۔

دُرود و سلام اللہ کے محبوب پر، اللہ کے خوبصورت دل پر جو ہر وقت اپنی اُمت کی فلاح کے لئے دھڑکتا ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کیلئے۔ سلامتی ہو اللہ کے تمام بندوں کے لئے جو اس غلامی کو اپنا محبوب اناثر سمجھتے ہیں۔

وقت کی دیکھ بھال اکثر لوگوں کیلئے ہمیشہ ایک مسئلہ رہی ہے۔ اگر آپ ان کے سپرد ایک ایسا کام کریں جس میں کچھ وقت لگ سکتا ہو، تو وہ بے چین اور چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کام شروع کرنے سے پہلے کام کے تقاضوں کے مطابق نظام الاوقات بنائیں، اور پھر مرحلہ وار کام کو ختم کر لیں، تو

زندگی ان کے لئے آسان تر ہو جائے گی۔

جس طرح آپ اپنے پیسے کا حساب کتاب رکھتے ہیں، تاکہ اس کی سرمایہ کاری سے آپ کو زیادہ فائدہ ہو، بالکل اسی طرح وقت کی بھی انتظام کاری ہونی چاہیے۔ وقت بھی پیسے کی طرح، ایک محدود اثاثہ ہے۔

آپ کے پاس ہر دن کے صرف ۲۴ گھنٹے، ہر ماہ کے ۳۰ دن اور ہر سال کے ۱۲ مہینے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ: بہت کچھ کرنا ہے لیکن وقت بہت کم ہے۔ وقت وہ قیمتی سرمایہ ہے جو ہر ایک کے پاس، بغیر پیسہ خرچ کئے، میسر ہے۔ اگر آپ اسے سمجھداری سے استعمال کرتے ہیں تو یہ آپ کو فائدہ پہنچائے گا۔ یہ آپ کو اچھا منافع دے گا۔ لیکن اگر آپ اسے ضائع کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ نقصان آپ کا اپنا ہوگا۔

انسان کے لئے، وقت سانسوں کی وہ تعداد ہے جو اسے زندگی بھر کے لئے عطا ہوتی ہیں۔ جب وہ پیدا ہوتا ہے اور پہلی سانس لیتا ہے، وہ ہی لمحہ دراصل اس کے وقت کا آغاز ہے۔ اسی طرح کسی شخص کی آخری سانس وہ ہے جب اس کی زندگی کی گھڑی چلنا بند کر دیتی ہے، اور اس کے کانٹے حرکت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اسے کتنی سانس عطا ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت بہت قیمتی ہے۔

حالات مختلف ہوتے اگر ایک شخص کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس کے پاس سانسوں کی کتنی تعداد ہے۔ اس صورت میں وہ اپنی زندگی کا انتظام دنیاوی طور

سے بہتر ترتیب دے سکتا۔ وہ کہہ سکتا کہ اُس کی زندگی کا ایک تہائی (۱/۳) وقت حصولِ تعلیم کے لئے ہوگا اور ایک تہائی (۱/۳) وقت زندگی کے مزے اُڑانے کے لئے، یعنی اپنی محنت کا پھل کھانے کے لئے ہوگا، اور وقت کا آخری حصہ اللہ کے لئے ہوگا۔

لیکن اس دُنیا میں ایسا کوئی قسمت کا دھنی نہیں جسے اپنے وقت کی صحیح تعداد معلوم ہو۔ یہ چند گھنٹے، چند دن، یا چند مہینے یا محض چند سال بھی ہو سکتے ہیں۔ آدمی کتنا ہی بوڑھا کیوں نہ ہو، وہ پھر بھی سوچتا ہے کہ اُس نے ابھی اپنی زندگی بھر پور طور پر نہیں جی۔ وہ پھر مزید وقت کی خواہش کرنا شروع کرتا ہے اور پیتے ہوئے وقت پر افسوس کرتا ہے۔

اگر یہی حال سب کا ہے تو انسان اپنا وقت اس قدر کیوں ضائع کرتے ہیں؟ وہ اس کی قدر کیوں نہیں کرتے؟ یہ وقت کی وہ ریت ہے جو ہر ایک کی مُٹھی میں ہے اور چاہے کوئی اپنی مُٹھی کو کتنا ہی بند رکھے، وہ پھر بھی اُس کے ہاتھ سے دھیرے دھیرے نکلتی جائے گی۔ اللہ نے وقت کو اس لئے پیدا کیا تاکہ آپ اپنی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کریں۔

ہر چیز ایک خاص مدت تک کے لئے برقرار رہتی ہے اور پھر وہ اپنی تباہی سے دوچار ہوتی ہے جب اُس کا مقررہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ نے وقت کو اپنے نظام کو چلانے کے لئے بنایا ہے۔ کہکشاں جنم لیتی ہیں اور پھر وہ مَر جاتی ہیں۔ ستارے پیدا ہوتے ہیں لیکن ہزاروں سال بعد وہ بھی ختم

ہو جاتے ہیں وہ سب کچھ جو شروع ہوتا ہے آخر اپنے انجام تک پہنچتا ہے۔  
 انسانوں کی زندگی بڑی نازک ہوتی ہے۔ ان پر ذمہ داریوں کا بڑا  
 بوجھ ہے۔ اُن کے دلوں میں ہزاروں خواہشیں ہیں اور اُن کے ذہنوں میں کئی  
 کئی منصوبے سمائے رہتے ہیں۔ لیکن کیا ان کے پاس ان سب مقاصد کو حاصل  
 کرنے کے لئے کافی وقت ہے؟ بد قسمتی سے اس زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے  
 جسے اس پر یقین ہو۔ کون اپنی اگلی سانس یا اپنی زندگی کے آخری لمحے کی ضمانت  
 دے سکتا ہے؟

وقت بہت قیمتی شے ہے، لیکن انسانی زندگی میں اس کا استعمال انتہائی  
 غیر مناسب ہوتا ہے۔ یہ وہ شے ہے جو تُو دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ہی محسوس کیا  
 جاسکتا ہے۔ یہ پیسے کی طرح نہیں، جسے ہاتھ میں پکڑا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ  
 اس قیمتی وسیلے کو اہمیت نہیں دیتے۔ وہ اس دھوکے میں ہیں کہ دنیا میں ان کے  
 پاس کافی وقت ہے کہ وہ اپنے دنیاوی اور اخروی امور کو وقت کے اس دورانیہ  
 میں نمٹالیں گے۔

لیکن جو نہی انہیں احساس ہوتا ہے کہ ان کے بچے بڑے ہو رہے ہیں  
 اور وہ خود بوڑھے ہو رہے ہیں تو پھر انہیں اپنے وقت کی فکر دامن گیر ہونا شروع  
 ہو جاتی ہے۔ وہ اپنا وقت اس دنیا میں یہ سوچ کر لگاتے ہیں کہ اپنی اور اپنے بچوں  
 کی آرام دہ زندگی کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ اُن کے لئے اُس وقت کو استعمال  
 کریں، کون جانے کے کل اُن کے پاس وقت ہو گا یا نہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ: "ہمارا

وقت ہمارا سرمایہ ہے۔ یعنی اُن کا ایک ایک لمحہ زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے موجود ہے۔

ایسی ہے اُن کی تنگ نظری، اور ایسی ہے ان کی حماقت۔ یہ دولت کے اُنبار ایک ایسی زندگی کے لئے جمع کئے جا رہے ہیں جو ہو سکتا ہے کہ صرف چند لمحوں کے لئے ہو، یا ہو سکتا ہے چند دنوں کے لئے ہو۔ لیکن اُن کا ذہن آخرت کی اُس زندگی کی طرف نہیں جاتا جو ابد تک باقی رہنے والی ہے۔

یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آپ ایک ایسے گلاس میں پانی جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے پینڈے میں پھید ہے۔ کیا آپ کبھی اُس گلاس میں پانی بھر سکتے ہیں؟ کیا وہ ہمیشہ خالی نہیں رہے گا؟ یہ ہی ہوتا ہے جب آپ دنیا میں اپنا وقت اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل اور اپنے دل کے حرص کی تسکین کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ بیماریاں آخرت کی زندگی میں ایک پھید ڈال دیتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں جمع کردہ دولت مشکل سے ہی اُس برتن کو بھر سکتی ہے۔ اُخروی زندگی کے برتن (ظرف) گونگیوں اور عبادات سے بھر لینا چاہیے۔ یہ ظرف اصل میں آپ کا اعمال نامہ ہے جو آپ کے شعور کے وقت کھولا گیا تھا اور آخری سانس کے وقت بند کیا جائے گا۔ اس میں ہر ایک عمل اور ہر ایک خیال محفوظ ہے تاکہ کل جب اللہ آپ سے پوچھے، تو آپ ان میں سے کسی چیز کے بارے میں انکار نہ کر سکیں کیونکہ ثبوت آپکی آنکھوں کے سامنے موجود ہونگے۔ انسان یہ کیوں سوچتے ہیں کہ ان کی زندگی کا آخری مرحلہ یعنی فیصلے کا وقت



انہیں کوئی تکلیف نہیں دے گا؛ وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ وہ دن ہے جب بچے چند لمحوں میں بوڑھے ہو جائیں گے؛ جب پہاڑ روٹی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے؛ جب حاملہ اپنے حمل کو گرا دیں گی۔ یہ وہ وقت ہوگا جب میزان سامنے لایا جائے گا جو سچ کو ظاہر کرے گا؛ جو ہر اُس شخص کے نیک اور بد اعمال کو تولے گا جس نے اس دنیا میں سانس لی ہو اور جس کے اعمال کا حساب اُس کے فرشتوں نے رکھا ہوگا۔

اعمال کی یہ کتاب واضح طور سے بتائے گی کہ اُس شخص کو کتنی سانس ملی تھیں اور اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔ اس کے جسم نے کتنی پاک سانسیں اور کتنی خراب سانسیں لی ہیں۔ پاک سانسیں دراصل اُس کے نیک اعمال کا نتیجہ ہیں جیسے کہ کسی کے لئے بے غرض کی گئی نیکی یا اللہ کی راہ میں خرچ کیا گیا پیسہ۔

اللہ کا کوئی بھی لفظ نہ فقط رُوح کو تازگی بخشتا ہے، بلکہ مادی جسم میں مثبت قوت پیدا کرنے کا بھی باعث بنتا ہے۔ یہ ہے سانس کی پاکی کا مطلب۔ لیکن کسی کے اعمالِ بدنہ فقط اعمالِ ناسے کو برباد کرتے ہیں، بلکہ اُس شخص کے جسم سے منفی قوت کے اخراج کا باعث بنتے ہیں جس سے اس کا وجود دوسروں کیلئے ناخوشگوار بن جاتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ جہاں کہیں بھی اللہ کا کوئی عاشق موجود ہوتا ہے تو اس کا وجود فضا کو لطیف اور ہلکا بنا دیتا ہے اور اُس جگہ پر اللہ کی رحمتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی جگہ پر اللہ کا کوئی نافرمان موجود ہو تو وہاں کا تمام ماحول

رُوح کے لئے بھاری اور ناخوشگوار بن جاتا ہے۔

انسانی رُوح کسی مقام کی قوت یا فضا سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ کسی شخص کی خوشی ضروری نہیں کے رُوح کی خوشی ہو۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو دنیاوی لذتوں سے خوشی حاصل ہوتی ہو، وہ اللہ کی نہ فرمانی میں خوش ہوتا ہو، اُسے اپنی شراب کی بوتل میں خوشی ملتی ہو، یا ناجائز تعلقات میں۔ یعنی اُس کے ظاہری جسم کو ایسی چیزوں سے خوشی محسوس ہوتی ہوگی، لیکن ضروری نہیں کہ اس کی رُوح کی کیفیت بھی ایسی ہی ہو۔

نافرمانی کے ہر عمل سے رُوح کمزور ہو کر اپنی قوت کھودیتی ہے۔ اور جب نہ فرمانی بڑھ جاتی ہے تو رفتہ رفتہ رُوح بے حرکت اور مُردہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار اور مشرکین کی رُوحیں اتنی کمزور، بلکہ قریب المرگ ہوتی ہیں، اور اسی لئے وہ اللہ کی نشانیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھ پاتیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ مُردہ آنکھیں روشنی کو دیکھ سکیں، چاہے وہ روشنی کتنی ہی جگمگاتی کیوں نہ ہو۔ جب کسی کی رُوح مُر جاتی ہے تو پھر فقط اس کا بیرونی جسم کام کرتا ہے۔ پھر رُوحانی دُنیا سے اُس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اُس کا جسم شیطان کی سواری بن جاتا ہے اور یہ اُس وقت حرکت کرتا ہے جب شیطان اُسے حرکت دینا چاہے۔ ایسے لوگوں کو خوشی صرف اس دُنیا میں ملتی ہے۔

لیکن چونکہ یہ خوشیاں محض ظاہری ہیں، اس لئے حقیقی اطمینان اور خوشی کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں،

تو آپ کو نظر آئے گا کہ یہ لوگ اپنے جسموں کی خوشنودی کے لئے نئی راہیں تلاش کرتے ہیں، نئے کھیل تماشے اور نئی مہم جوئیاں کرتے ہیں۔ وہ ہر وقت خدا کی نہ فرمائی کرتے ہیں، اُس کے تمام احکامات کو رد کرتے ہیں تاکہ وہ (اپنے اس عمل سے) زیادہ سے زیادہ خوشی حاصل کر سکیں۔

وہ خود کو اور دوسروں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں اس سے انہیں کوئی روک نہیں سکتا، حتیٰ کہ اللہ بھی انہیں نہیں روک سکتا۔ کتنا افسوس ہے ان کے دلوں کی حالت زار پر، اور ان کی ذہنی حماقت پر۔ اللہ انہیں لمبی مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی نافرمانی میں اضافہ کریں، وہ انہیں کافی وقت دیتا ہے تاکہ وہ آخری سانس تک اپنی دلی تمنائیں پوری کریں۔ آنکھیں بند ہونے کے بعد ہی انہیں اصل دُنیا یعنی دوسری دُنیا دیکھائی دے گی۔

پھر وہ دیکھیں گے! خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اس سودے کے نتیجے کو بے شک انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک گڑھا ملے گا اور پھر وقت اُن کی مدد کو نہیں آئے گا کیونکہ آگ کے اس گڑھے میں اُن کی زندگیوں کا کبھی خاتمہ نہیں ہوگا۔ کاش کہ وہ اُس وقت سُنتے جب اُن سے کہا جا رہا تھا۔

وقت ایک نہایت قیمتی شے ہے۔ وہ ایسا زہر ہے جس کی مقدار روز بروز کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ صبح ایک آدمی طاقت سے بھرپور بستر سے اٹھتا ہے اپنے پھیپھڑوں میں تازہ ہوا لیتے ہوئے ہر روز اللہ اُسے توبہ کرنے کے لئے مزید وقت دیتا ہے۔ کچھ اور وقت اللہ کی راہ کی طرف لوٹنے کے لئے۔

لیکن یہ آدمی ہر روز اس قیمتی وقت کو نافرمانی اور غفلت میں گزار دیتا ہے۔

پھر بھی اللہ نہایت رحمان اور رحیم ہے۔ ہر روز وہ ہر ایک کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ اس کا نام ہر روز ۵ بار پکارا جاتا ہے تاکہ لوگ اُسے یاد کیا کریں۔ ہر روز اُس کی رحمت پوری دُنیا پر برسائی جاتی ہے، لیکن وہ صرف صاحب بصیرت ہی ہیں جو اُس کے کرم کو دیکھ پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو اُس کی ہر ایک نعمت کی قدر کرتے ہیں۔ جب وہ کھاتے ہیں تو "الْحَمْدُ لِلَّهِ" کہتے ہیں؛ جب وہ پیتے ہیں تو اُس کا شکر ادا کرتے ہیں؛ وہ اپنی آنکھوں، اپنے کانوں، اپنے اعضاء اور اپنی صحت، اپنے مال، اپنے گھرانے اور سب سے بڑھ کر اپنے ایمان کی عطا پر اس کے شکر گزار ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وقت ایک قیمتی شے ہے اور وہ اس کے چھوٹے سے حصے کو بھی ضائع نہیں کرتے۔

اُن کی ہر سانس ذکر کی سانس ہے، اُن کی ہر سانس اپنے اللہ کے شکر کی سانس ہے۔ انہیں اپنی زندگی کی قدر ہے۔ وہ اپنی ہر سانس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ جب تک یہ سانس باقی ہے اُن کے پاس اللہ کو یاد کرنے کا وقت ہے، اُس کی حمد و ثناء کرنے کا وقت، ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کرنے کا وقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے لئے اُن کی ہر سانس اتنی قیمتی ہے۔ وہ اپنی صحت کا خیال رکھتے ہیں کیونکہ ایک صحت مند جسم ہی عبادت بہتر طور سے کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے وقت کو بہتر طریقے سے خرچ کرنا سیکھتے ہیں۔ وہ عام طور سے اپنے کاموں کی فہرست بناتے ہیں۔ پھر وہ اپنے وقت کو (۳) تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

ایک حصہ اپنے اللہ کے لئے، ایک اپنے گھرانے کے لئے اور ایک حصہ اپنی سماجی ذمہ داریوں کے لئے۔ اللہ کے لئے مخصوص وقت عبادت اور تلاوت کیلئے ہے۔ جب کہ گھرانے کے لئے وقت کا مطلب روزگار کھانا اور اپنے خاندان کی دیکھ بھال ہے، اور سماجی ذمہ داریوں کے لئے وقت کے معنی ہیں وہ وقت جو آپ اپنے دوستوں اور جاننے والوں کے لئے نکالتے ہیں، غریب اور ضرورت مندوں کیلئے نکالتے ہیں، پڑوسیوں کے لئے نکالتے ہیں، اور ان کے لئے بھی جو آپ کے اطراف موجود رہتے ہیں جن کو کسی نہ کسی طور آپ کی ضرورت پڑتی ہو۔ اس سے وقت میں توازن اور اعتدال قائم رہتا ہے تاکہ کوئی نظر انداز نہ ہو۔ حتیٰ کہ آپکی اپنی بھلائی بھی متاثر نہ ہو، کیونکہ آپ کی اپنی ذمہ داری بھی آپ کے اپنے سر ہے ہمیں یہ ہدایت کیوں دی جاتی ہے کہ ہم اپنے وقت کا صرف ۱/۳ حصہ یادِ الہی کے لئے رکھیں، کیوں نہیں ۱۰۰٪ حصہ؟ یہ ہے اللہ کے عاشقین کی طرزِ گفتگو۔

آپ کو جاننا چاہیے کہ اگر آپ کوئی بھی دنیاوی کام کر رہے ہیں، جیسے روزگار کھانا، خاندان کی دیکھ بھال، یا پڑھائی وغیرہ، تو یہ سب کام عبادت میں تبدیل ہو سکتے ہیں اگر آپ کی نیت اللہ کی رضا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ آپ کے تمام کام اور دوسروں کے ساتھ آپ کے تمام معاملات شریعت کے دائرے میں ہونے چاہئیں۔ یادِ الہی ہر وقت آپ کے ساتھ ہونی چاہیے، خواہ آپ عبادت کر رہے ہوں یا کوئی دنیاوی کام۔ اس کے معنی ہیں کہ چاہے آپ کچھ بھی کر رہے ہوں، ذکرِ الہی آپ کے دلوں میں جاری رہے، تاکہ آپ کی ہر سانس پاک اور با مقصد ہو جائے،

ہر ایک لمحہ جو آپ اللہ کے ذکر میں گزارتے ہیں وہ آپ کا توشہء آخرت ہو۔  
یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کچھ رقم بینک میں جمع رکھتے ہیں اور بینک آپ کو  
اس سرمایہ کاری پر کچھ منافع دیتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ آپ کا اصل سرمایہ بڑھنا  
شروع ہو گیا ہے۔ اللہ کی اطاعت میں گزارا ہوا وقت بھی سرمایہ کاری ہے جو آپ کے  
نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں اور دنیاوی سرمایہ کاری میں فرق صرف اتنا  
ہے کہ دنیاوی سرمایہ کاری آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے اگر بینک اپنے کاروبار  
میں نقصان کا اعلان کرتا ہے۔ لیکن وہ سرمایہ کاری جو آپ اللہ کے پاس کرتے  
ہیں، وہ آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس کے برعکس یہ آپ کو وہ منافع بخشنے  
گی جو اس دنیا میں آپ کے گمان سے بھی باہر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ آپ کو اپنے  
وقت میں نظم و ضبط لانے کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔ باقاعدگی سے ۵ وقت نماز  
پڑھ کر اور اس پر کڑی نظر رکھ کر کہ آپ اپنے شب و روز کے لمحات کس طرح گزارتے  
ہیں۔ ایک بار جو وقت ہاتھ سے نکل گیا، وہ کبھی بھی واپس نہیں آتا۔ وہ لمحہ جسے آپ  
آج گزارتے ہیں وہ واپس نہیں آتا۔ تو ہر لمحہ پر کڑی نگاہ رکھیں۔ روزانہ جو کچھ آپ  
کرتے ہیں اس کا حساب رکھیں پھر رات کو اپنا محاسبہ کریں تاکہ غلطیاں اور لغزشیں  
دوبارہ سرزد نہ ہوں اپنی ہر سانس کو اللہ کی نعمت جانیں اور ہر سانس کا شکر ادا کریں  
اور اسی شکر گزاری سے اللہ کی اطاعت کرنا سیکھیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے اور  
دُنیا کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

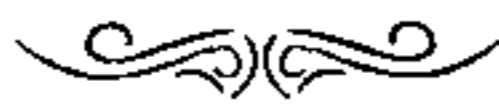
”انسان اس عمر پر کس طرح خوش ہوتا ہے جو گھنٹوں کے گزرنے سے گھٹتی ہے اور اس جسم کی سلامتی پر کیوں مغرور ہوتا ہے جو جہاں بھر کی آفتوں کا نشانہ ہے۔ بے شک زمانہ ایک ایسا دشمن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کر سکتا۔ یہ وہ حاکم ہے جسے ظالم نہیں کہہ سکتے اور یہ ایسا جنگ آور ہے کہ اس کے ساتھ کوئی لڑ نہیں سکتا۔“

کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے، خوب تیرتی ہے، لیکن جب پانی کشتی میں آجائے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس دنیا میں ہم اپنے وقت کو اس طرح استعمال کریں کہ جس سے اس کی رضا حاصل ہو۔

آمین

ثم آمین



## حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو اُن سب کا رب ہے جو تخلیق کی گئی ہیں۔ سبحان اُس کا نام اور پاک اُس کی ذات ہے۔ وہ روح الامین کا خالق اور اپنے تمام بندوں کا مالک ہے۔

درود و سلام محبوبِ رب پر، سردارِ اہل سیرت المستقیم پر، رہنما و صالحین اور عاشقین پر اور اپنی امت کے نجات دہندہ پر۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے، سلامتی ہو نچیتن پاک کے تمام عاشقین پر اور بے شک یہ سب میں سے بہترین سے محبت کرتے ہیں۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ بالخصوص اُن کے قریبی عزیزوں کا یعنی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، کا؟ ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین تھے اور انہی کے ذریعے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قائم رہا اور یہ بھی کہ یہ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے براہ راست وصول کنندہ تھے۔



ان ہی کے گرد بات کیوں گھومتی ہے اس کی ایک اور بھی وجہ ہے۔ یہ درست ہے کہ اہل چادر کا رسول اللہ ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ ہی اہلبیت تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم لوگوں کو دکھائے، یعنی آپ ﷺ کا طرز حیات اور سیرت مبارک دنیا کے سامنے رکھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی اہمیت آج کل کے زمانے میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس فتنہ و فساد کے زمانے میں ان کی روحانی موجودگی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ وقت جب شیطان انسانی جانوں کو برباد کرنے میں زیادہ سرگرم ہے۔ یہ وقت دو قوتوں کے درمیان جنگ کا وقت ہے۔ یعنی حق کی قوتوں اور باطل کی قوتوں کے درمیان جنگ۔

یہ وہ وقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی روحانی طاقتوں کو بھیجے گا جو ہر وقت حق کی قوتوں کے پشت پر ہونگی، کمان کرتی، رہنمائی اور انسانی قوتوں کی مدد کرتی۔ وقت کا یہ خاتمہ بڑا عجیب ہے عام لوگ ایسی روحانی تربیت سے گزریں گے کہ ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے پاک گھرانے کی موجودگی کئی لوگوں کو دکھائی دے گی اور دنیا کے ان آخری ایام میں ان کا ایک مضبوط کردار ہوگا۔ امام مہدی اہل بیت کے ایک رکن ہیں، یہی وجہ ہے کہ زمین کے ان آخری ایام میں ان کے خاندان مبارک کی موجودگی بڑی نمایاں ہوگی تاہم ان کو صرف وہ ہی آنکھیں دیکھ سکیں گی جنہیں اللہ دکھانا چاہے۔ ایسے واقعات گزشتہ زمانوں

میں عام نہ تھے مگر آخری زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر ایسے واقعات زیادہ عام ہوں گے، آپ کے زمانے میں اور مستقبل میں بھی۔

یہی وجہ ہے کہ تمام نوریوں کو نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ان کے اہل بیت کے بارے میں اچھی طرح جاننا چاہیے بلکہ اپنے دلوں میں ان کیلئے شدید محبت رکھنی چاہیے یہ محبت ان کے دروازے کشتی نور نبی کی جانب کھول دیگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی ہے۔

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کا ذکر کرتے ہیں تو کون ان کے ان دو حسین نواسوں سے اظہار محبت نہ کرے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کے پھول ہیں۔ جو جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں اماموں کو پہلی بار اپنے سینے سے لگایا ہوگا۔

یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے بڑے نواسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی جب ولادت ہوئی، تو آپ کو شبر کا نام دیا گیا یہ نام حضرت جبریل علیہ السلام لائے تھے۔ کیونکہ شبر کا عربی بدل حسن تھا، اس لئے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حسن کہہ کے پکارا۔

یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا کہ، ”علی آپ کیلئے ایسے ہی ہیں جیسے ہارون، موسیٰ کے لئے تھے“ اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹے کا نام شبر تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ شبر مصطفیٰ تھے، یعنی آپ رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

بہت زیادہ ہم شکل تھے۔ (یعنی سرِ انور سے سینہء اطہر تک)۔

شفیق تانا جان کو اپنے نواسے سے کتنی محبت تھی، یہ ان احادیث سے

ظاہر ہے:

رسول اکرم ﷺ کی یہ دعا ہوتی تھی: ”اے اللہ! میں حسن اور حسین رضوان اللہ

سے محبت کرتا ہوں تو بھی اُن سے محبت کر اور ان سے بھی محبت کر جو اُن سے محبت

کرتے ہیں۔“

ایک اور جگہ پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”الحسن والحسین سید الشباب

اہل الجنتہ۔“ ”حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ حضور کی محبت

کی شدت کا اندازہ آپ ﷺ کی اس دعا سے لگا سکتے ہیں جو آپ ﷺ اللہ

سے دعا فرماتے تھے:

”اے اللہ! بے شک یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ تو اپنی صلاۃ

بیجج اور رضا اور بخشش بھیج مجھ پر اور ان پر یعنی علینا وفاطمہ حسن و حسین و علی۔“

کیا کوئی ان پانچ پاک نفوس کے مقام کا اندازہ لگا سکتا ہے جن کے بارے

میں حضور ﷺ اپنے اللہ سے دعا گو ہیں کہ ان کے لئے صلاۃ و رحمت اور رضا اور

بخشش کا نزول فرما۔ صرف اُن کا نام اور وسیلہ لینے سے کسی کا بھی بوجھ ہلکا ہو سکتا ہے

اور زندگی کی سختیاں کم ہو سکتی ہیں۔

یہ وہ مقدس نام ہیں جن کو پکارنے سے شیطان ڈر جاتا ہے اور جنات و

وبلیات مارے خوف کے بھاگ جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے شیریں جو ہر وقت اُسکے

علاقے کی نگہبانی کرتے ہیں اور ہر وقت اُس کے بندوں کی مدد کیلئے آمادہ ہیں۔  
یہی وجہ ہے کہ آپ جب نادِ علی پڑھتے ہیں تو عجیب واقعات رونما ہونے  
لگتے ہیں اور آپ کو کراماتِ اہلبیت نظر آسکتی ہیں۔ اس خاندانِ پاک کے دلوں میں نورِ نبی  
موجود تھا اور وہ آپ ﷺ کی روحانیت کے علم بردار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ  
کے نوسواں نے اس قدر فیضِ نبی حاصل کیا اتنے قلیل عرصے میں جو دوسری صورت میں  
ساہا سال کے علم اور مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان شہزادگانِ رسول کی پرورش دوسروں سے بالکل مختلف  
ہوئی تھی۔ اُن کی فیاضی کی کوئی حد نہ تھی اور اُن کا اعلیٰ اخلاق اوروں کیلئے نمونہ تھا۔ یہی وجہ تھی  
کہ جب اُمت کا بوجھ اُن کے کندھوں پر پڑا تو اُن کا عمل ایسا ہی رہا جس کی ان کے نانا جان  
نے پیش گوئی فرمائی تھی، (یعنی) جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

”میرا یہ بچہ سردار ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ مسلمانوں کے دوگرد ہوں کے

درمیان صلح کرادے گا۔“

پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ خلافت جو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو دی گئی تھی، اُسے  
آپ نے اُمت کو خوزیزی سے بچانے کی خاطر پُر امن طور سے واپس کر دی۔ یہ امام جو جنت  
کے نوجوانوں کے سردار تھے اور پوری کائنات ان کے قدموں میں تھی اور جن کے الفاظ  
اللہ کی بارگاہ سے خالی نہیں ٹوٹتے تھے، تو پھر بھلا انہیں دنیا کے تخت و تاج کی کیا حاجت  
ہو سکتی تھی؟

بیشک شجرِ حجر (یعنی درخت اور پتھر) بھی آپ کے حکم کے تابع تھے۔ ایک بار سیدنا

امام حسن رضی اللہ عنہ نے سفر کے دوران ایک ایسے کھجور کے باغ میں پڑاؤ ڈالا جس کے درخت سوکھ چکے تھے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے آپ کے ہمراہ تھے جب قافلہ باغ میں رُکا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بستر ایک سوکھے درخت کے نیچے بچھایا گیا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے عرض کیا: ”اے ابن رسول، کاش کہ ان سوکھے درختوں پر تازہ کھجور ہوتے، تاکہ ہم انہیں جی بھر کے کھا لیتے۔“

اس پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک دعا پڑھی اور اسی وقت وہ سوکھا درخت ہرا ہوا اور تازہ کھجوریں اُس پر ظاہر ہوئیں۔ یہ دیکھ کر شتربان نے کہا: ”یہ جادو ہے۔“ لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ: ”یہ جادو نہیں بلکہ شہزادہ رسول کی دعا کی قبولیت ہے۔“ اُس کے بعد ہر ایک نے وہ تازہ کھجوریں کھائیں اور اللہ کی اس رحمت کو نوش جان کیا۔

”خود خدائے پاک ہے بدحت سرائے اہل بیت“

جس رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ہوئی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔ اس خطبے نے اُمت کو اس شہزادہ کو نبین کی بالغ خطابات اور مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اما بعد، آج رات آپ لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے۔ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن نازل ہوا تھا، یہ وہ رات تھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم حضرت یوشع بن نوح علیہ السلام کو شہید کیا گیا، اور جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی، وہ جو مجھے جانتا ہے، وہ جانتا ہے، اور جو مجھے نہیں جانتا، اس سے میں اپنا تعارف کراؤں گا۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا حسن ہوں (میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اُن کا بیٹا

ہوں کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا والد کہا تھا۔ وہ اُنکے دادا اور پردادا تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میں بشارت دیئے ولے کا بیٹا ہوں، میں ڈرنے ولے کا بیٹا ہوں، میں نبی کا بیٹا ہوں۔ میں اللہ کے حکم سے اللہ کی دعوت دینے ولے کا بیٹا ہوں، روشن چراغ کا بیٹا ہوں۔ میں اُس ذات کا بیٹا ہوں جنہیں رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ میں اس گھرانے کا فرد ہوں جن سے اللہ نے گندہ دور کر دی اور جنہیں خوب اچھی طرح پاک کیا۔ میں اُس گھرانے کا فرد ہوں جن کی محبت اور دوستی کو اللہ نے فرض قرار دیا، چنانچہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے، اُس میں فرمایا ہے۔ ”آپ اُن سے یوں کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے“

اگر کوئی مسلمان اس محبت سے اپنے دل کو خالی پاتا ہے تو اسے جاننا چاہیے کہ اس کا ایمان کامل نہیں ہے، وہ اپنے عقیدے سے محروم ہے۔ اہلبیت سے محبت بہت قدر اہم ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا دین اور آپ کی دنیا کا اچھا صلہ ملے۔

یہ محبت اور چاہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں کی آپ کو مجبور کرے گی کہ آپ اُن کے نقش قدم پر اپنی زندگی کے تمام مراحل میں عمل پیرا رہیں اور ان کی تعلیمات کو دل سے جانیں۔ ایک مرتبہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے خاموشی کے بابت پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ:

”خاموشی اور کم گوئی جہالت کو پھیلاتی ہیں۔ یہ عزت کو زینت بخشتی ہے جو شخص

خاموش رہتا ہے وہ راحت میں رہتا ہے، اور جس کا ہم نشین خاموش یا کم گو ہے وہ

امن و سکون میں رہتا ہے۔“

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”اس شخص کو جو اب نہ دو جو گفتگو شروع کرنے سے پہلے سلام نہ کہے“ ایک دوسرے مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا: ”عمدہ سوال آدھا علم ہے۔“

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس عظیم ہستی کے نواسے ہیں جنہوں نے اپنے دشمنوں کے بارے میں بھی غفور و درگزر کا راستہ اختیار فرمایا تھا۔ یہ وہ ہی سبق ہے جو پاکباز اماموں نے سیکھا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک دشمن کے پاس سفر پر جانے کے لئے سواری اور رقم نہ تھی۔ جب اس نے مدینہ والوں سے اس بارے میں بات کی تو اسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کو کہا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور وہیں اسے دونوں چیزیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مل گئیں۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ: ”آپ نے اپنے والد کے دشمن کی کیوں مدد کی؟“ اس پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں ان سے اپنی آبرورنہ بچاؤں؟ یہ دراصل ان کے لطف و کرم اور اعلیٰ اخلاق تھے جس کے باعث ہزاروں راہِ حق پر آگے تھے۔ اس کا موازنہ آج کل کے زمانے سے تو ذرا کیجئے کہ اگر کسی کا دشمن ضرور تمند ہو تو کیا وہ اپنے مخالف سے کسی مدد کی توقع رکھ سکتا ہے؟ اس کے برعکس، آج کل لوگوں کے پاس دوسروں کیلئے مشکل سے کوئی وقت ہے، چاہے وہ دوست ہو یا دشمن۔ اور اگر کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے، تو آپ دیکھئے کہ اُسکے نام نہاد دوست کتنی جلدی غائب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ۱۴۰۰ سال پہلے اس طرح کی صورت حال نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے گھرانے اور آپ کے صحابہ کرام کے اخلاقیات نے اتنے دل جیتے کہ بہت ہی قلیل عرصے

میں سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدیں دُنیا کے چاروں طرف پھیل گئیں تھیں۔ دوسروں کی ضروریات کیلئے ان کا ہمدردانہ احساس اور دوسروں کے لئے ان کا رحمِ دلانہ برتاؤ تمام انسانوں کیلئے مثال تھا۔

روایت ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ دوسروں کی ضروریات کو پوری کرنے کے عمل کو نفعی عبادت پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے تھے کہ ایک ضرورتمند آپ کے پاس آیا اور آپ کو اپنی مشکلات کے بارے میں بتایا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”ایک مسلمان بھائی کی ضرورت کو پوری کرنا ایک ہینے کے اعتکاف سے بہتر ہے۔“

ایک بار کسی نے پوچھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے روزمرہ کے معمولات کیا ہیں، تو بتایا کہ نماز فجر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اپنے مُصلے پر ہی طلوعِ آفتاب تک بیٹھے رہتے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور چاشت تک لوگوں سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اُمہات المؤمنین کو سلام کرنے تشریف لے جاتے۔ پھر اپنے گھر جاتے جس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ مسجد کا رخ فرماتے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ادا کئے ہوئے تمام حج پیدل ہی کئے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا فرمانا تھا کہ:

”مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے بلوں اور اس کے گھر

پیدل نہ گیا ہوں۔“

اسلام نے اُمت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بہترین شخص کو اپنا خلیفہ بنائیں۔ حضرت



علیٰ کریمؑ کی شہادت کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے بہترین شخص تھے۔ لیکن شر، حق کو حکومت کرتے دیکھ نہیں سکتا ہے۔ یہی ہے کہ ہر زمانے میں اہل بیت پر ظلم و نا انصافی کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیکر شہید کیا گیا اور یہ زہر آپ کو کئی بار دیا گیا تھا۔ لیکن زہر خورانی کا جان لیوا کام آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی (جعدہ بنت اشعث) کے ہاتھوں انجام پایا۔ اگرچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ انہیں زہر دیا جا رہا تھا اور یہ بھی کہ کون دے رہا تھا، لیکن پھر بھی ان کی فیاضی نے ان کے لب سے لے لئے تھے۔

زہر دینے کا ایک واقعہ اُس وقت ہوا تھا جب آپ رضی اللہ عنہ نے شام کے امیر سے صلح کی تھی۔ یہ صلح اس لئے کی گئی تھی تاکہ مسلمانوں کو بے گناہوں کی خوریزی سے بچایا جاسکے۔ اس جنگ بندی کے بعد شام کے کچھ باغیوں نے لوگوں کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسایا اور رات کے وقت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے دوستوں پر حملہ کیا جس میں اڑتیس (۲۸) افراد شہید ہو گئے۔

جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ کس طرح شامیوں نے جنگ بندی کی خلاف ورزی کی ہے، تو آپ کو شامیوں کی دغا بازی کا احساس ہوا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ فوراً ہی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کیلئے روانہ ہوئے، وہاں آپ موصل نامی مقام پر ٹہر گئے۔

موصل کے سردار سعد موصلی تھے جو مختار کے چچا تھے۔ اُس نے ابن رسول

کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ موصل سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سیدھے شام چلے گئے جہاں آپ نے امیر شام سے شامیوں کی عہد شکنی کی شکایت کی۔ امیر نے اس کی تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا۔

جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ لوٹ رہے تھے تو آپ نے موصل میں ایک ایسے شخص کے ہاں قیام کیا جس کا دعویٰ تھا کہ اس کے دل میں امام صاحب کے لئے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن اس شخص نے اپنا دین و ایمان شیطان کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور ولی شام کے حکم پر خفیہ طور سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کھانے میں زہر ملا کے کھلا رہا تھا۔

یہ کام اُس نے تین مرتبہ کیا، لیکن ہر بار اللہ نے امام کو بچایا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا میزبان اس سے سخت پریشان ہوا اور ولی شام کو لکھا کہ میں نے تین بار زہر کھلایا مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ اس پر ولی شام نے زہر کی ایک شیشی بھیجی اور اُس کے ہمراہ ایک خط لکھا کہ اس کے صرف چند قطرے سے پورے دریا کا پانی بھی زہریلا ہو جائے گا۔

اتفاق سے وہ آدمی جو زہر کی شیشی اور خط لے جا رہا تھا، وہ راستے میں کہیں رُکا، وہ اپنے اونٹ سے نیچے اُترتا کہ دوپہر کا کھانا کھائے، لیکن کھانا کھانے کے بعد اُس کے پیٹ میں مردرد شروع ہوا اور جب وہ درد سے تڑپ رہا تھا، تو نہ جانے کہاں سے ایک بھیڑیے نے اُسے مار ڈالا۔

کچھ دیر بعد وہاں ایک آدمی آیا۔ یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا محبت تھا۔ اُس کو وہاں سے زہر کی شیشی اور خط ملے۔ اس نے دونوں چیزیں اٹھائیں اور موصل جا کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ اس وقت امام صاحب رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ تشریف

فرماتھے۔ آپ نے وہ خط خاموشی سے پڑھا اور اُسے اپنے مُصلے کے نیچے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی تاکہ اُن کا میزبان کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔

لیکن تاہم آپ کا چہرہ سُرخ اور متغیر ہو گیا۔ لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر آپ ﷺ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائیں شروع کر دیں۔ جس وقت لوگ حدیث سننے میں مصروف تھے تو موصل کے سردار نے چپکے سے آپ کے مُصلے کے نیچے سے وہ خط نکال کر پڑھ لیا۔ خط پڑھنے کے بعد اُس پر کپکپی طاری ہونے لگی اور وہ کھڑا ہو گیا۔

پھر اس نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کو چومنا اور عرض کیا: ”اے ابنِ رسول! مجھے بتائیے کہ اس میں اور کون شامل ہے؟“ سخی امام صاحب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اس وجہ سے وہ شخص ندامت کا شکار ہو اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس نے میری جو خدمت کی ہے، اس کے بعد میری طرف سے وہ شرمندگی اُٹھائے۔“

اس پر سعد موصلی نے میزبان کی طرف منہ کر کے اس سے اس گھناؤنی حرکت کے بارے میں پوچھا اور پھر سعد کے نوکروں نے لمحوں میں دبوچ کر مار ڈالا۔ اگرچہ یہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا، لیکن پھر بھی عظیم امام کی عاجزی اور انکساری نے ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ یہ شان تھی خاندانِ رسول کی فیاضی کی۔

ایک عربی شاعر نے ایک بار کہا تھا:

”عاجزی اختیار کرو۔ تم تارے کی طرح ہو جاؤ گے جس کا عکس دیکھنے والے

کو پانی کی سطح پر نظر آتا ہے جیکہ وہ تارا اس سے بہت بلند ہوتا ہے۔“

یہ شان تھی رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی اور آپ کے شہزادوں کی آسمان  
پر چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح، ہر وقت کائنات کو اپنے نور سے روشن کرتے ہوئے۔  
سلام پاک نفوس اہل بیت پر سلام ان کی عظمت و شجاعت پر سلام ان کے  
اظہر و ہیبت، عزت و فیض پر۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور  
آپ کے اہل بیت کی محبت میں روز افزوں اضافہ فرمائے۔

آمین

ثم آمین



## ماہِ ربیع الاول کی تعظیم

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جو سمیع البصیر ہے، جو رازوں کا رازدان ہے، جس کی مملکت کی کوئی حد نہیں۔ وہ ازل سے پہلے موجود تھا اور ابد کے بعد موجود رہے گا۔ اور بے شک ابد کی کوئی انتہا نہیں۔

دُرود و سلام نور نبی پر، جو تمام مُرسِلین کے سردار اور تمام متقین کے ایمان ہیں، اور وہ جو تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔



سلام، رحمت اور برکتیں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو عاشقینِ رسول پر، جن کے دلوں پر رحمتوں کی بارش اور جن کے وجود میں "نور" سما ہے۔ اللہ کی مبارک باد ہے ربیع الاول کے مقدس مہینے پر۔ ہمیشہ کی طرح یہ ماہ مبارک تمام عاشقینِ مصطفیٰ کیلئے رحمتوں اور مسترتوں کا مہینہ ہے، اور ایسا آخر کیوں نہ ہو۔ اسی مہینے میں تو عرشِ الاعلیٰ کا ماہتاب (پورا چاند) طلوع کیا گیا تھا۔ آفتابِ ہدایت چمکایا گیا تھا اور رحمتوں کی ٹھنڈی بارش پوری کائنات پر برسائی گئی تھی۔ یہ وہ وقت ہے جب جنت کو دہن کی طرح بجایا جاتا ہے اور دوزخ اپنی آگ کی جدت کو گھٹا دیتی ہے، جب تمام عالموں میں خوشی اور مسترتوں کے ایک جشن کا سماں ہوتا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب وہ تمام مخلوق جو عرش و فرش

میں موجود ہیں جن کی نسبت اپنے اللہ سے بے وہ سب اللہ کے محبوب ﷺ کی ولادت کا جشن مناتے ہیں، اُن کا جشن جن کے لئے پوری کائنات کو پیدا فرمایا گیا تھا۔ یہ فقط شیطان ہے جو سب سے زیادہ غصتے میں اور چراغِ پا ہے، خاص طور پر جب اُسکے کانوں میں ذکرِ مصطفیٰ کی صدائیں گونجتی ہیں۔ یہی ہے جو اپنے کانوں میں اس ذکر پر انگلیاں ٹھونستتا ہے اور یہی ہے جو اپنے پیروکاروں کے دلوں میں دوسے ڈالتا ہے کہ کوئی مولودِ نبی ﷺ کیوں منائیں یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ جشن منایا جائے؟ اور وہ بیچارے جن کے دل کمزور ہیں، اس کو ایک دلیل کے طور پر پھیلانا شروع کرتے ہیں۔

جب آپ کسی بات پر خوش ہوں تو آپ کیا کرتے ہیں؟ کیا آپ خوشی نہیں مناتے، کیا آپ اسے دوسروں کے ساتھ مل کر نہیں مناتے۔ کیا آپ اس کا ذکر نہیں کرتے تاکہ ہر ایک اس میں شریک ہو؟ مثال کے طور پر اگر کسی کے ہاں بڑی مدت بعد بچے کی پیدائش ہو تو وہ گھر میں شیرنی نہیں کپواتے گا اور اُسے تقسیم نہیں کرے گا۔؟ جب آپ کا بچہ اپنی پڑھائی میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرتا ہے، تو کیا آپ دوسروں کو اپنے گھر بلا کر اس کا جشن نہیں منائینگے؟ یہ چھوٹی خوشیاں ہیں جنہیں لوگ بڑے جوش سے مناتے ہیں لیکن جب ہم ۱۲ ربیع الاول کی خوشی کی بات کرتے ہیں، تو دلیل بازی شروع ہو جاتی ہے۔ کیا آپ کو سب سے بڑی نعمت اور خوشی پر جشن نہیں منانا چاہیے جو کہ تمام مسلمانوں کو عطا ہوئی اُن کے نبی ﷺ کی شفقت اور محبت کی شکل میں؟ تمام اعمال اس نیت سے جانچے جاتے ہیں جو اُن کے پس پشت ہے، وہ جو مولودِ نبی ﷺ اس نیت سے مناتے ہیں کہ اپنی شہرت ہو یا اس مبارک نام کا احترام نہیں کرتے، یا اسے ایک عام مجھے کارنگ دیتے ہیں جہاں ادب کا وجود نہ ہو، تو پھر اس سے

کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔

یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ جب آپ رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک زبان پر لاتے ہیں، تو انتہائی احتیاط اور احترام ضروری ہے۔ محفل میں مکمل خاموشی ہو، ہر آدمی سر جھکائے آنکھیں پچھاتے اور دل میں درود کا ورد جاری کئے بیٹھے رہے۔ خطاب کرنے والے کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے خطاب میں انتہائی تعظیم و احترام کو ملحوظ خاطر رکھے اور نعتوں میں بھی شہداء و ائمہ کی تعظیم میں ہوں۔

یہ کوئی عام معاملہ نہیں، کہ ذہن میں جو کچھ آئے وہ کہہ دیا جائے۔ جب آپ ۱۲ ربیع الاول کی کوئی ایسی محفل دیکھیں جس میں احترام کا فقدان ہو، اور اس میں شریک لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ کس طرح ادب سے بیٹھا جائے، ان میں کچھ آپس میں گفتگو کر رہے ہوں، یا محفل دولت اور فضول خرچی کی نمائش ہو، جس میں مرد و خواتین مل بیٹھے ہوں، باقابلِ اعتراض لباس میں ہوں، تو بہتر ہے کہ ایسی جگہوں سے خود کو دور رکھا جائے۔

۱۲ ربیع الاول رسول اللہ ﷺ کی یاد کے طور سے منایا جاتا ہے۔ بس یہ یاد رہے کہ حضور ﷺ کتنے سادہ تھے اور یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو کیا تعلیم دی تھی، وہ تعلیم سادگی اور وقار کی تھی، تو پھر یہ دو چیزیں کیوں نہ ان کی محفل میں اختیار کی جائیں جہاں آپ ﷺ کا نام مبارک لیا جاتا ہو۔

ادب، اللہ کی دنیا میں داخل ہونے کی کنجی ہے۔ یہ پہلا سبق ہے جو سارے مسلمانوں کو سیکھنا چاہیے۔ لیکن جب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول بالکل منانا ہی نہیں چاہیے، اور پھر ماضی کے لوگوں کی مثال دیں، کہ انہوں نے اسے نہیں منایا ہے، تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ

کیسے ممکن ہے کہ ہم اُن کو یاد نہ کریں جن کو اللہ ہر وقت یاد کرتا ہے؟

جب اللہ اور اُس کے ملائک مسلسل درود و سلام بھیج رہے ہیں اُسکے نبی پاک ﷺ پر جب یوم میثاق پر تمام انبیاء کی ارواح سے یہ حلف لیا گیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے اور جب کائنات کے شجر و آب، فلک و ارض اُن کی ثناء کر رہے ہیں اور اُن پر درود و سلام بھیج رہے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس دُنیا کے لوگ نبی پاک ﷺ سے اظہارِ محبت پر اعتراض کریں؟ رسول اللہ ﷺ کے دور کے لوگ اور آپ ﷺ کے فوری بعد کے زمانے کے لوگ، آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی سنت اور سیرت کی باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی تھیں، اور آپ ﷺ کی یاد سے مومنین کے دل ہمیشہ متور رہتے تھے۔

اُن وقتوں میں لوگوں کے پاس نبی پاک ﷺ کی محبت حاصل تھی اور وہ محبت اتنی مضبوط تھی کہ زیادہ تر لوگ اپنی زندگیاں سنت کے مطابق بسر کرتے تھے۔ یہ تھا اُن کی پرورش کا طریقہ، گہوارے سے لیکر قبر تک۔ اُن لوگوں کی محبت کا مقابلہ بعد کے زمانے کے لوگوں کی محبت سے نہیں کیا جاسکتا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ دُنیا کا گرد و غبار لوگوں کے دلوں پر بیٹھنا شروع ہوا، انہوں نے ہر شے کو دُنیا کے ترازو سے تولنا شروع کیا جس کے پتھر (ناپنے تولنے کے آلے) خود غرضی اور تکبر ہیں۔ وہ آخرت کے لافانی انعامات کو بھول کر بس عارضی فائدوں کو دیکھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے دل دنیاوی خواہشات میں زیادہ سے زیادہ الجھتے رہے اور رسول پاک ﷺ کی محبت جو پہلے اُن کے اباؤ اجداد کا مرغوب امانہ تھا، وہ کم ہونا شروع ہو گئی۔

رسول کریم ﷺ کی محبت اور احترام میں کمی خاص طور سے اُن جدید مسلمانوں کے



دلوں میں ایک بیماری ہے جو دین کو اپنے دلوں کی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں؛ جن کی نظر میں دین کے قوانین سخت اور بے لچک ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اُن پر اعتراض اور تنقید کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو اکثر مسلمانوں کے ہر ایک عمل پر عجبتیں پیدا کرتے ہیں کہ وہ شرک اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کی قربت سے بہت دور ہوں گے اور جب آپ ﷺ اُن کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں فرمائیں گے، تو ایسی صورت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو کیسے اپنے دلوں میں پائیں گے؟ یہ بد بخت لوگ مومن کی سب سے زیادہ قیمتی متاع سے محروم ہو جاتے ہیں، یعنی اُنکے دلوں سے عشق محمدی ﷺ غائب ہو جاتا ہے۔ بیشک وہ اس دنیا میں خالی ہاتھ رہتے ہیں اور وہ خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے دوسری دنیا کو منتقل ہونگے۔ افسوس، صد افسوس، ایسے بد قسمت لوگوں پر۔

ہمیں بتائیے کہ رسول پاک ﷺ کا ذکر ایک مخصوص دن پر کرنے میں کیا خرابی ہے؟ سال کے جملہ ۳۶۰ دن ہی اُن ہی کے ہیں اور تمام خاص دن بھی تو انہی کے ہیں۔ درحقیقت پورا وقت ہی انہی کا ہے۔ تو پھر کیوں وہ ۱۲ ربیع الاقل پر اعتراض کرتے ہیں؟ آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آپ اِختتامِ زمان میں رہ رہے ہیں، وہ وقت جس میں فتنے بارش کے قطروں کی طرح گریں گے۔ کیا آپ کی آنکھوں کو نظر نہیں آ رہا کہ آپ کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے؟ ذرا اپنا (T.O.V) ٹی وی کھولیں اور مجھے سچ بتائیں کہ: کیا آپ کے والدین ان پر دگرا موں کو اپنے بڑوں کے سامنے دیکھ سکتے تھے؟ آپ کے بزرگ اُس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب بچے اور افرادِ خانہ اُس وقت تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے جب والد کمرے میں داخل ہوتے۔ یہ وہ دور تھا جب گھر کی ہوا اپنے سر ایلوں سے باتیں کرتے وقت حیا سے نظر میں جھکا لیتی تھی۔ جب عورت

کا احترام کیا جاتا تھا، جب اس کا وقار سب سے اہم تھا۔

کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ لوگ کیا محسوس کرتے اگر وہ آج کے حالات دیکھتے؟ آج وہ وقت ہے جب ہر چیز کا لحاظ خراب ترین ہے۔ بڑوں کے لئے کوئی احترام نہیں، بچوں کے لئے کوئی محبت یا شفقت نہیں، اصولوں اور اخلاقیات کی کوئی قدر نہیں، اور دین کے لئے کوئی محبت نہیں۔ بس (اب) ایک ہی چیز ہے جس کا دنیا میں راج ہے، اور وہ یہ ہے کہ ”سب سے بہترین بنو اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کسی کی بھی پروہ نہ کرو“ کیا آپ نہیں دیکھ سکتے ہیں کہ ہر لمحہ فحاشی کے نئے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

دھوکہ دہی کے نئے انداز، والدین کی بے ادبی کے نئے طریقے، اور ہمارے زمانے کے لوگوں کی طرف سے اللہ کے قوانین سے سرتابی کی جا رہی ہے۔ اسی آلودہ فضا میں آپ کے اپنے بچے اور آپ کی آئندہ کی نسلیں رہیں گی۔ اب آپ کے خیال میں، آپ خود کو اور اپنی آنے والی نسلوں کو ان گناہوں اور نافرمانیوں سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

جب آپ ایسے خطرناک دور میں رہ رہے ہوں، جب آپ کے ایمان کو خطرہ ہو، جب آپ کے بچوں کے دین و ایمان کا خطرہ اتنا حقیقی ہو اور ہمیشہ آپ کے سر پر منڈلا رہا ہو، تو پھر آپ سب کے لئے ضروری ہے کہ خوابِ غفلت سے جاگیں، اپنے دلوں کے دروازے کھولیں، اور رسول اللہ ﷺ کے دستاورد مبارک کو مضبوطی سے تھامیں، کسی بھی دوسری چیز سے زیادہ مضبوطی سے، ایسے ہی جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص خود کو بچانے کے لئے کسی بھی چیز کو پکڑتا ہو۔ یہ درست ہے کہ طوفانِ آخر کی لہریں اٹھنی شروع ہو چکی ہیں، اور اس سے جو واحد چیز بچا سکتی ہے وہ کشتی و نذر نبی ﷺ ہے۔

بھلا ایسے لوگ اس کشتی میں کس طرح سوار ہو سکتے ہیں۔ جو مسلسل اس بخت میں اُلجھے ہوتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیوں ہو، یہ دن کیوں منایا جائے، اور یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ثناء و توصیف اسی خاص دن میں ہو؟ کوئی کسی کو رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک کو لینے سے کیسے روک سکتا ہے، خواہ دن کوئی بھی ہو، تاریخ کچھ بھی ہو؟ جب اللہ خود ہر ساعت میں آپ ﷺ کو یاد کر رہا ہے، تو کیا وہ اللہ سے بھی کہیں گے کہ وہ اپنے محبوب کو ۱۲ ربیع الاول کو یاد نہ کرے؟

انہیں اپنے کہے پر شرم آنی چاہیے اور انہیں زبان کھولنے سے پہلے دوبار سوچنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ حشر والے دن جب یہ اپنا اعمال نامہ کھولیں تو نیکیوں کی جگہ وہاں خالی کاغذ ہو۔ حضرت ابو سید خضریٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا: بے شک آپ کا رب فرماتا ہے کہ (اے حبیب!) نہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذکر کیا یا نہیں کیا ہے۔ میں نے کہا اللہ خوب جانتا ہے۔ فرمایا کہ جب میرا ذکر ہوگا، تو میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہوگا۔“

یہ حقیقت ہے کہ ایمان کا دار و مدار حضور ﷺ کی محبت پر ہے۔ اور جب آپ اپنے محبوب سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو: ”ایک محب اپنے محبوب کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہے کہ جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔“ ایک طرف محبت ہے اور دوسری طرف احترام۔ یہ ہمیشہ یاد رکھئے کہ محبت، ادب کے بغیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ ادب اللہ کی بارگاہ کی گنجی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم فرض عین ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر تمام فرائض کی اصل ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی اور تکذیب کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”(اے نبی!) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا شاہد و مدثر بنا کر تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو“ (سورۃ الفتح آیت ۹)

سورۃ الحجرات میں بیان ہے کہ: ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اُدنچی نہ کرو اور اُن کی حضوری میں بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بے شک وہ جو اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پست کرتے ہیں، وہ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لئے ہیں اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر و ثواب ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا اعلیٰ ترین درجہ آپ کا حق ہے، اور محبت خاص طور سے وہ محبت جو آپ کے والدین، آپ کے بچوں، آپ کے مال سے، اور حتیٰ کہ خود آپ کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر ہو۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دین حق کی شرطِ اول ہے

اسی میں ہو اگر خامی، تو سب کچھ نامکمل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سفتے منعقد ہونے والی محفل کا ادب کیسے ہونا چاہیے؟ آپ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم، علم الفتح کے اہلین ہیں اور یہ محفلیں بھی بہت خاص محفلیں ہیں۔ آپ کو دوسروں کے لئے مثال بننا چاہیے۔ جب کوئی محفل میں داخل ہوتا ہے، تو اس کا واحد مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء و خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ اُس کا دل درود پڑھنا ہو۔ اگر آپ کو محفل میں کسی کو سلام بھی کرنا ہو (یعنی محفل شروع ہونے سے پہلے) پھر بھی خاموشی اور وقار کا ماحول

برقرار رہنا چاہیے۔ (اگر بات کرنا ضروری ہو تو نہایت دھیما آواز میں کریں) محفل کے شرکاء کا لباس نہایت سادہ ہو، اس میں بھڑکیلا پن اور دکھاوانہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ سادگی کو پسند فرماتے ہیں، اور جو رسول اللہ ﷺ کو پسند ہو، وہ اللہ کو پسند ہے۔ آپ صوفوں میں بیٹھیں اور صوفوں میں کھڑے ہوں۔ محفل میں انتہا درجے کا نظم و ضبط ہونا چاہیے۔ محفل کے دوران یونہی ادھر ادھر دیکھنا منع ہے اور کسی پر رائے زنی (حتیٰ کہ دل میں بھی) قطعی ممنوع ہے۔ محفل کے منتظمین کا احترام کریں اور محفل کے نعت خوانوں کا بھی، کیونکہ وہ اللہ کے کارکن ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے دل کے قریب ہیں۔

وہ سب لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں آنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی رسول پاک ﷺ کے دل کے قریب ہیں۔ اور جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے دل کے قریب ہو وہ قلبِ الہی کے بھی قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ سب ربیع الاول کے اس ماہ مبارک میں خوش رہیں۔ اس میں خوشی منائیں، جشن منائیں، کیونکہ یہ ایک بہت ہی خاص مہینہ ہے، وہ مہینہ جس میں عرشِ الاولیٰ کا ہتھاب طلوع کیا گیا تھا، آفتابِ ہدایت چمکایا گیا تھا اور ساری کائنات پر رحمتوں کی ٹھنڈی بارش برساتی گئی تھی۔

يَلْغُ الْعَالِي بِكَمَالِهِ

كَشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ

حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

(آمین)

## نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو پاک و اعلیٰ ہے، جو سراپا حمد و ثناء ہے جس کی حمد بے شمار کی زبان ہے۔ وہ اپنے ملک کا مالک ہے، اُن سب ملائک، جن و انس اور جو کچھ اُس نے پیدا کئے ہیں، سب کا مالک ہے۔ سجان اُس کا نام ہے اور خوبصورت اُس کی صفات ہیں۔

درود و سلام عرش کے دُولہا پر، اُن پر جو اپنے رب کے چہیتے اور محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور جو اپنی اُمت کے بھی محبوب ترین ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اللہ کے غلاموں کے لئے، اس کے اُن باوفا بندوں کے لئے جنہوں نے اپنے یوم الیشاق دلے وعدے کو فراموش نہیں کیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ الہی ہے: ”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے

رب کی طرف سے روشن دلیل (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے ہیں۔“

اس آیت کے معنی بھی وہی ہیں جو سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہوا ہے: ”اور نہیں

بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب) مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کے۔“

ے ہے ماہِ مُبِیْنِ شَمْعِ شَبْتَانِ مُحَمَّدِ ﷺ

خورشید گدائے دَرِ اِیْرَانِ مُحَمَّدِ ﷺ

مَدَاحِ خَوَاحِ خُودِ هے، یَرِ هے شَانِ مُحَمَّدِ ﷺ

هے فَضْلِ خُدَا سَايَةِ دَا مِیْنِ مُحَمَّدِ ﷺ

آپ حُسن کی تشریح کس طرح کرتے ہیں؟ حُسن ایک ایسی پیز ہے جو آنکھوں کو اچھی لگتی ہے، دل کو ہلکا کرتی ہے اور زندگی میں خوشی و مسرت لاتی ہے۔ یہی ہے حُسن۔ وہ الفاظ جو ابھی آپ نے سنے، یہ وہی ہیں جو آپ میں سے کوئی بھی استعمال کرے گا حُسن کی تشریح کرتے ہوئے۔ لیکن آپ کا اللہ جب حُسن کی تصویر کشی کرتا ہے، اُسے زیادہ کہنا نہیں پڑتا، وہ بس محمد کہتا ہے اور حُسن کی تشریح ہو جاتی ہے۔

ے ششِ جہتِ روشن زتابِ روئے تو

(آپ کے چہرے کی چمک سے ہر طرف روشنی ہے۔)

ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو

(اُس سے ترک، تاجیک، عرب اور ہندو متاثر ہیں)

ماہِ را مہرِ رختِ نور و بہا

(چاند کو تو روشنی سورج سے ملے)

مہرِ را تنویرِ قلبِ توصیا

(اور سورج آپ کے قلب کے نور سے روشن)

حضرت ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت یوسف علیہ السلام کو اتنا حُسن عطا کیا گیا تھا جو

تمام انبیاء اور مرسلین سے بڑھ کر تھا اور جملہ مخلوقات سے بھی لیکن ایک نبی، یعنی اللہ کے حبیب ﷺ کو وہ حسن و جمال دیا گیا تھا جو کسی بھی دوسری مخلوق کو نہیں عطا ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبصورتی تو صرف ایک جز تھی، لیکن رسول محبوب ﷺ تو حسنِ کل تھے۔ آپ ﷺ کا رُخ مبارک ہی اُن کی نبوت کی دلیل کے لئے کافی تھا۔ ترمذی شریف میں لکھا ہے کہ: ”ایسا حسین و جمیل تو اُن سے قبل نہ دیکھا گیا اور نہ اُن کے بعد“

حضرت کعب اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”آدم علیہ السلام اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے میرے بیٹے! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ پس خلافت کو تقویٰ کے تاج اور محکم یقین کے ساتھ پکڑے رکھو، اور جب تم قلب کا ذکر کرو تو اس کے متصل نام محمد ﷺ کا ذکر کرو کیونکہ میں نے اُن کا نام عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے جب کہ میں روح و متبع کے درمیان تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں پر نظر کی تو مجھے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی جہاں نام محمد ﷺ لکھا ہوا نہ ہو، اور میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا تو میں نے جنت کے ہر محل اور ہر بالاخانے (بالکونی) اور برآمدوں پر، اور تمام حوروں پر، اور جنت کے تمام درختوں کے پتوں پر، اور شجر طوبیٰ اور سدرة المنتھی کے پتوں پر، اور پردوں کے کناروں پر، اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان نام محمد ﷺ لکھا ہوا دیکھا ہے۔ لہذا، تو کثرت سے اُن کا ذکر کیا کر، کیونکہ فرشتے ہر وقت اُن کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں“

یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي      وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ  
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ      كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ لِمَا تَشَاءُ



ترجمہ :- یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھ نے آپ سَاحِیْن و جمیل اور دیکھا ہی نہیں، کیونکہ آپ ﷺ سے حَیْن و جمیل کسی ماں نے جنما ہی نہیں، آپ ﷺ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ ﷺ ایسے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ آپ خود چاہتے تھے۔

سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، سید الاولادین و آخرین، سلطان الکونین، جد الحسن و حسین، حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ (ﷺ) تخلیق میں اول اور نبوت میں آخر تھے۔ آپ ﷺ اللہ کے محبوب اور حبیب رسول ہیں، جن کے لئے سارے ارض و سما کو پیدا فرمایا گیا تھا، جن کی خاطر یہ کائنات بنائی گئی تھی، جن کے لئے (نور بصورت) الفاظ پیدا فرمائے، مدحت مصطفیٰ ﷺ کے لئے، آپ کی شہاد اور توصیف کیلئے، الفاظ آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کیلئے۔ یہ ہے سبب تمام الفاظ کے پیدا کرنے کا، تمام زبانوں اور بولیوں کے بنانے کا۔

جب یہ زبانیں اپنے اللہ کی حمد کرتی ہیں، تو پھر ذکر مصطفیٰ ﷺ کرنا بھی اُن پر لازم ہو جاتا ہے اور بلاشبہ یہ زبانیں اُن کی ہیں جن کی نسبت اُن کے اللہ سے ہے۔ حدیث قدسی میں پڑھتے ہیں: ”میں نے ایمان کا مکمل ہونا اس بات پر موقوف کر دیا ہے کہ (اے محبوب) میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر ٹھہرا دیا ہے، پس جس نے تمہارا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔“

تمام الفاظ پاک، تمام شیریں شہاد، ساری بہکتی نعتیں یہ سب آقائے دو جہاں، ختم المرسلین کے لئے ہیں، جن کے سر مبارک پر تاج شفاعت ہے اور جن کی معصومیت اس کائنات کا ”نور“ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محبت مصطفیٰ ﷺ کو تمام مومنین کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ یہ فرض عین ہے اور کوئی بھی ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا اگر اس کا دل

حُبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے خالی ہو۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اُس کے نزدیک اُس کی ماں، باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ کیا یہ درست نہیں کہ جب آپ کو کسی سے بے انتہا محبت ہو جائے تو پھر آپ ہر وقت اسی کے بارے میں بات کرنا چاہیں گے۔ اس کا ذکر کثرت سے اور ہمہ وقت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ

(ترجمہ:- جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے)

جب کوئی کہتا ہے کہ: ”میں ایک عاشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں“ تو ان الفاظ کے کہنے سے اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ اُس کی آزمائش کئی طریقوں سے کرتا ہے تاکہ وہ شخص خود ہی اندازہ لگا سکے کہ وہ اپنے کہے ہوئے پر کتنا سچا ہے۔ اگر آپ عاشق ہونے کے دعوے دار ہیں تو پھر آپ کو یہ دیکھنا چاہئے کہ پورے دن میں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی کتنی مرتبہ لیتے ہیں؟ آپ کتنی بار چیزیں اُن کے طریقے پر کرتے ہیں؟ کتنی مرتبہ آپ اُن کی محبت میں درود و سلام پڑھتے ہیں؟

یہی تقاضہ ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ خود کو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلوائیں۔ انہیں ہر وقت اپنے دل و دماغ میں سمائے رکھیں اور اپنے جسم کو ہر وقت اُن کے ارشادات کی تعمیل میں لگاتے رکھیں۔ بد قسمتی سے کئی ایسے لوگ ہیں جو انکی محبت کا دم تو بھرتے ہیں لیکن اُنکی پوری زندگیاں اس دعوے کے برعکس تصویریں پیش کرتی ہیں۔ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو اُنکی زبانیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں زبانی اور نرم گفتاری کو بھول جاتی ہیں۔ جب وہ کوئی وعدہ کرتے ہیں،

تو وہ بھول جاتے ہیں کس طرح رسول ﷺ اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لئے کئی دنوں تک کھڑے رہتے تھے۔ جب وہ دوسروں سے کوئی معاملہ کرتے ہیں، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی مثال کو مکمل نظر انداز کرتے ہیں۔

آپ لوگوں میں سے کتنوں نے حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کیا ہے تاکہ اُسے اپنی زندگی میں نافذ کر سکیں؟ آپ میں سے کتنے حضور ﷺ کے اُسوہ سے واقف ہیں تاکہ آپ کا ہر عمل سنتِ رسول ﷺ کا عکس ہو؟ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا انتہائی مقام فنا فی الرسول کا مقام ہے یہ وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کی قربت کے دروازے کھلتے ہیں وہ قربت جو ہزار ہا پردوں میں پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کو اپنے قریب آنے دے گا جب تک کہ اس نے جامِ عشقِ رسول ﷺ سے پیانا ہو اور خود کو اُس جام میں فنا نہ کیا ہو؟ آپ اللہ کا دیدار صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں جب آپ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے سچے غلام بن جائیں۔ محبت کے کئی تقاضے ہیں۔ یعنی تقاضہٴ دفا، تقاضہٴ سپردگی اور تقاضہٴ فنا۔ کسی سے محبت کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ معاملہ صرف اس قدر نہیں ہے کہ اپنی زبان کو ہلایا اور دعویٰ کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے عاشق ہیں۔ پچھلے زمانوں میں مسلمان اپنے بچوں کی پرورش سنتِ رسول ﷺ کے مطابق کیا کرتے تھے۔ نہایت چھوٹی عمر میں بھی بچے رسولِ پاک ﷺ کے طریقوں کو، آپ ﷺ کی سیرت کو، آپ کو دعاؤں کو اور آپ کے گھرانوں کو جانتے تھے۔

یہ طور طریقے اُن کی زندگی کا حصہ تھے۔ اُن کا اٹھنا بیٹھنا، اُن کا کھانا پینا، اور اُن کے روزمرہ کے معاملات حضور ﷺ کی حیات مبارکہ کا عکس تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن وقتوں

میں آپ کو طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے شجاع نظر آتے ہیں۔ محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اولیاء کرام نظر آتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء نظر آتے ہیں۔ اگر آپ اپنی تاریخ کی کتابیں کھولیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ بہادر سالار، یہ علماء کرام اور اولیاء عظام ایک استثنیٰ نہیں تھے، بلکہ اُس پورے معاشرے کی پرورش کا نتیجہ تھا کہ ایسی حسین شخصیت نظر آتی تھیں۔ یہ تھا ماضی میں رہنے والوں کا طرز حیات۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہجرت انگیز بات نہ تھی جب اُن جواہرات سے کسی جگمگاتے ہیرے پیدا ہوتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ذکرِ مصطفیٰ ﷺ باعثِ دقار تھا، جب بچوں کو سکھایا جاتا تھا کہ بغیرِ رسول اللہ ﷺ کا نام زبان پر نہ لائیں، جب بچے اور بڑے سب رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات اور صحابہ کی کہانیاں بڑی محبت اور شوق سے سنا کرتے تھے۔ جب ہر دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت موجود تھی۔

اب آپ اُس وقت اور آج کے وقت کا باہم موازنہ کریں۔ آج کا وقت تو وہ وقت ہے کہ جب دینی باتیں کرنے والوں کو قدیم اور دقیانوسی تصور کیا جاتا ہے۔ جب نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کو شرک قرار دیا جاتا ہے، جب مولودِ نبی ﷺ کے جشن کو گمراہی کہتے ہیں، جب دین بس ایک نام کا رہ گیا ہے جسے کسی کی زندگی میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ کاش کہ آج کے لوگوں کو معلوم ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کاش کہ وہ اپنی بے باکیوں اور بے ادبیوں کا احساس کرتے، کاش کہ انہیں اپنی گستاخیوں کے انجام کا علم ہوتا!

ہر مومن یہ جانتا ہے کہ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ روح کی غذا ہے، ذکرِ محبتی ﷺ ہر

دل کی قوت ہے، ذکرِ احمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہر آنکھ کا نور ہے، اور ذکرِ رحمت ہر مدار کا محور ہے۔ تو پھر بتائیے کہ کوئی اس ذکر کے بغیر کس طرح جی سکتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ جو ذکرِ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے دُور رہتے ہیں بے شک اُن کی روحیں بھوکی رہتی ہیں، اُن کے دل کمزور ہو جاتے ہیں، اُن کی آنکھیں دھندلی ہو جاتی ہیں، اور دنیا اُن کے مدار کا محور بن جاتی ہے۔ بے شک وہ دنیا کے نہایت مفلس اور قلاش لوگ ہیں، چاہے وہ لاکھوں کے مالک ہی کیوں نہ ہوں لیکن پھر بھی اُن کے ہاتھ اور دل خالی ہیں۔

اس کے برعکس وہ جن کے پاس عشقِ محمدی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی انمول دولت ہے وہ دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں، جو نہ صرف اس دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں بلکہ وہ آخرت میں بھی حکمرانی کریں گے۔

سَرِنِیاز جھکایا جنہوں نے اس در پر  
وہ خوش نصیب ہی دنیا میں سُر اٹھا کر چلے  
غلامِ حشر میں جب سیدِ الوریٰ کے چلے  
لوائے حمد کے سائے میں آنکھیں بچھا کر چلے

ذکرِ مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وہ عمل ہے جسے اللہ اور اُس کے ملائک بھی کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ذکر کے ساتھ آپ وہ کچھ کر رہے ہیں جو اللہ سبحانہ اور اُس کے پاکیزہ فرشتے مسلسل کر رہے ہیں، جب یہ پاک ذکر، پاک ذات والا کر رہا ہے اور اُس کے پاک دست کر رہے ہیں، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ اُن دلوں کو پاک نہ کرے جن کے اندر ذکرِ حبیب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ موجود ہے۔

ذکرِ مصطفیٰ ﷺ بس ایک ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک نور ہے جو ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس ذکر کی نیت صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو۔ اگر آپ یہ ذکر اپنی دنیاوی شہرت کے لئے کرتے ہیں تو اگرچہ ذکر سے آپ کا فائدہ ہوگا، لیکن صرف اس دنیا میں۔ ذکر کا ”نور“ ضائع ہو جائیگا؛ وہ ”نور“ جو رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں کے سچے دلوں سے پھوٹتا ہے، اسکی شاندار خوبیاں ہیں۔ پہلی خوبی تو یہ ہے کہ یہ ایک ریگ مال کی طرح دنیا کے گرد و غبار کو دلوں سے صاف کرتا ہے، پھر یہ ایک ٹھنڈک اور سکینت فراہم کرتا ہے اور اس سے آپ کی تمام پریشانیاں کم سے کم تر ہو جاتی ہیں۔ اس نور سے عشقِ محمدی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اور اس سے محبت کا جو چھوٹا سا شعلہ ہے جلد ہی ایک بھرپور آگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

دل میں موجود ”نورِ محمدی ﷺ“ طوفانِ آخر کی کڑک کے خلاف بھی ایک بچاؤ ہے، یعنی وقت کے خاتمہ کا طوفان۔ آپ پر چاہے کتنے ہی فتنے آن پڑیں، یہ پاکیزہ ”نور“ ہمیشہ آپ کے دل اور روح کو اُن کی تباہ کاریوں سے بچائے گا۔ اور آپ کو اللہ کی پناہ میں دیدیگا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ”نور“ آپ کو کشتیِ نورِ نبی میں ایک جگہ دلوائے گا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی، آپ کے اہل بیت کی، اور آپ کے اولیاء کی کشتی ہے۔ جسکو بھی اس کشتی میں جگہ ملے گی، اُسے ہر قسم کے رنج و الم، مصیبت و غم سے نجات ملے گی، اور وہ انعامِ محمدی ﷺ کا مالک ہو جائے گا، یعنی اُس ایمان کا جو اس دنیا میں کسی بھی دوسری چیز سے مضبوط تر ہے۔ ذکرِ نبی سے اپنے دلوں کے نورِ نبی میں اضافہ کریں۔ آپ ﷺ کے بارے میں

سیکھیں اور اپنی زندگی کو ان کی سنت کا آئینہ دار بنائیں۔ خود کو اللہ کے طریقوں میں ڈھال دیں اور صالحین اور اپنے مُرشدین کی خدمت میں رہیں جو اس ”نور“ کے امین ہیں۔ صلوة نورِ نبی بھی ایک خوبصورت نماز ہے، اپنے دن کے آغاز کے لئے ایک خوبصورت طریقہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حسین ہدیہ، اور آپ کے دلوں میں موجود نورِ نبی میں اضافہ کرنے کا ایک دلکش ذریعہ۔ اللہ آپ میں سے ہر ایک پر فضل و کرم فرماتے اور آپ میں سے ہر ایک کو یہ پاک ”نور“ عطا فرماتے، اور خدا کرے آپ سب کشتیء نورِ نبی کے سوار ہوں۔

”اے رب! کشتیء نورِ نبی پر ہمیں سوار کر دے۔“

یا رسول اللہ! کرم کی نظر چاہیے۔“

آج ۱۲ ربیع الاول کا مبارک دن ہے، وہ دن جب اللہ کا ”نور“ آسمانوں سے زمین پر بھیجا گیا تھا، جب ہر کلی، ہر پتہ اور ہر شجر اور بشر کو ایک نیا حُسن بخشا گیا تھا، ایک نیا رنگ اور ایک نئی حیات دی گئی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب جنت کو ایک دلہن کی طرح سجایا گیا تھا، اور جب تمام عرش و وجود و سرور میں تھے۔ یہ ۱۲ ربیع الاول عام الفیل کا دن تھا۔ یہ پیر، ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کا دن تھا، وقت تھا صبح صادق کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے جب نورِ نبی نے نزول فرمایا، کمال شان و شوکت اور مکمل عروج کے ساتھ۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں جس پشت میں بھی یہ نور منتقل

ہوتا تھا، اُسکی پیشانی چمکنا شروع کرتی تھی حتیٰ کہ المواہب میں کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور آپ کی پیشانی ”نورِ مبارک“ سے چمکتی تھی اس نور کی

عظمت اس قدر تھی کہ بادشاہ بھی اس سے ہیبت زدہ رہتے اور اُن کا احترام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ابراہم نے کعبہ کو تباہ کرنا چاہا اور اپنے لشکر کے ساتھ آیا، تو یہ عبدالمطلب ہی تھے جو جبلِ شیبور پر کھڑے تھے اُن کی پیشانی ”نورِ مبارک“ سے جگمگا رہی تھی اور یہ روشنی اس قدر تیز تھی کہ اُس کی شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑ رہی تھیں۔ یہ حضرت مُطلب کا نورانی چہرہ تھا جس نے ابراہم کو مجبور کیا کہ وہ تخت سے نیچے آکر اُن کو تعظیم پیش کرے۔

روایت ہے کہ جس رات رسولِ نور کا ”نورِ مبارک“ بی بی آمنہ کے بطنِ پاک میں اُترا تو وہ جمعہ کی رات تھی۔ اس رات جنت الفردوس کا دروازہ کھلا اور ایک ندا آئی تمام آسمانوں اور زمین کے لئے کہ: ”آگاہ ہو جاؤ وہ ”نور“ جو ایک محفوظ و مخفی خزانہ تھا جس سے نبی و ہادی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے متولد ہونا تھا، وہ آج رات اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہو گیا جہاں اُس کے جسدِ عنصری کی تکمیل ہو گی اور وہ لوگوں کے لئے بشرِ دندیر بن کر دنیا میں تشریف لائے گا۔ آمنہ تمہیں مبارک ہو۔ تمہیں مبارک ہو۔“

ایک حدیث شریف میں روایت ہے کہ فرمایا حضرت آمنہ نے: ”جب نبی کریم کو میرے بطن سے باہر لایا گیا، تو اُن کے ساتھ ایک ”نور“ بھی پھوٹا جس کے باعث مشرق و مغرب اور اُن کے درمیان کی ہر چیز اس نور سے جگمگا اُٹھی“ اور پھر انہوں نے اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھائی اور آسمان کی طرف دیکھا۔ اس نور میں اُن کو شام کے محلات دکھائی دیئے۔ بی بی آمنہ کی دائی شافع کا بیان ہے کہ: ”جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو وہ سیدھے میرے ہاتھوں میں آئے۔ اُس وقت میں بی بی آمنہ کی خدمت میں تھی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنائی دی، تو میں نے کسی کو یہ کہتے سنا: رحمت اللہ! اے محمد! (آپ پر اللہ کی



رحمتیں ہوں!)۔“

بی بی شافعہ فرماتی ہیں کہ: ”مشرق و مغرب کے درمیان روشنی تھی اور مجھے روم کے عملات نظر آرہے تھے۔“ فاطمہ بنت عبد اللہ بھی بیان کرتی ہیں کہ: ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا وقت آیا، تو میں نے خانہ کعبہ کو ”نور“ میں نہاتے دیکھا اور پھر میں نے دیکھا کہ ستارے اتنے نیچے آگئے تھے کہ مجھے عسوس ہوا جیسے مجھ پر گر پڑیں گے۔“

اُس مبارک دن میں مزید حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کھسری کے محل میں زلزلہ آگیا اور اُس کے ۴۰ کنارے گر کر ٹوٹ گئے۔ نہر طبریہ خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدہ بھی اچانک بجھ گیا جو کہ ایک ہزار سال سے مسلسل جل رہا تھا اور خانہ کعبہ کے کئی بت اچانک نیچے گر گئے۔

اے اُمت محمدی! جب نور حق سے دنیا جگمگا اُٹھی ہے تو یہ سب کو کیوں نہ دکھائی دے؟ جب نور کا نزول ہوتا ہے تو تاریکی غائب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی رحمتیں ہوں اُن پاک نور پر، اُس مبارک نورِ نبی پر، اس نیک ساعت پر جب اس نور نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُن سب کو منور کر دیا تھا۔

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان! سہرا نور کا

بخت جاگا نور کا، چمکا ستارا نور کا

تیرے آگے خاک پر، جھکتا ہے ماتھا نور کا

نور ہے پایا تیرے سجدے سے، سیما نور کا

جب ہم نے کہا: ”حُسن کو بیان کرو، بتاؤ کیا یہ تشریح صحیح ہے۔؟“

ے حُسن، یوسف، دم عیسیٰ، یدِ بیضا، داری

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اے میرے محبوب آپ حُسن یوسف، دم عیسیٰ اور یدِ بیضا سے متاثر ہیں، انحضرت کو جو کمالات تنہا حاصل تھے، آپ کی ذات کو وہ حاصل ہیں، یہ کیا ہم حُسن کے بارے میں اپنی تشریح یہ کہہ کر کر سکتے ہیں :

ے آفرین برِ عالم حُسن تو باد

مبتلائے تستِ عالمِ آفرین

آپ کے حسن جہاں تاب پر آفرین سب آفرین

آپ کے حسن کی تعریف کرنا ممکن نہیں

کہ عالم کا پیدا کرنے والا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ بہ کمال پر شیدا ہے۔

۱۲ ربیع الاول کی مبارک باد آپ سب کے لئے، آپ کے پیاروں کے لئے اور

امتِ محمدی کے لئے بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس دن کے صدقے بے انتہا رحمتیں اور برکتیں

عطا فرمائیے۔

ے وہ زبان جس کو سب کُن کی کنجی کہیں

اس کی نافذ حکومت پر لاکھوں سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پر لاکھوں سلام

لاکھوں دُرود اور لاکھوں سلام

(آمین)

## دائیں اور بائیں ہاتھ والے لوگ

فتاویٰ المرشد کی وضاحت

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو مولائے عظیم ہے جو زمان (وقت) کا مالک ہے اور اُن سب چیزوں کا جو اس کے دائرہ میں ہیں۔ وہ لامکان اور لازمان کا بھی مالک ہے اور اُن میں سے ہر ایک کا بھی جو زمان اور مکان کی قید سے آزاد رہتے ہوئے بھی زندہ ہیں۔

دُرد و سلام، محبوب عظیم پر، جن کے لئے کائنات کی خوبصورتیوں کو بنایا گیا تھا۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمالِ الہی ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ کے لئے اور آپ کے اہل خانہ کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب کے لئے جو اپنی زبانوں کی حدود کو جانتے ہیں اور جو اپنی زبانوں کو گمراہ نہیں ہونے دیتے۔

عشق بیان سے ماورا ہے، انسان ہونے کے ناطے آپ اس کا بیان کئی طریقوں سے کر سکتے ہیں، لیکن درحقیقت اس کے بیان کے لئے الناظر ہی نہیں ہیں۔ آپ میں سے وہ جنہوں نے سچی محبت کی ہے، وہ مجھ سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محبت جو قلبِ الہی سے پھوٹی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلِ اظہر میں جاتی ہے۔ پھر

یہ تمام عالمین میں پھیلتی ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں یہ ایک خاص قسم کی محبت ہے۔ یہ پاک محبت ہے۔ ذاتِ پاک کی طرف سے محبوبِ پاک کو عطا کی ہوئی۔ اس محبت کا تجربہ ہو سکتا ہے، اسے محسوس کیا جاسکتا ہے لیکن اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے الفاظ ہی نہیں اُس کو بیان کرنے کے لئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایک بار اگر کوئی اس کا تجربہ کر لے، تو پھر اس کے لئے دُنیا یا اس کی گہما گہمی کی طرف لوٹ آنا ممکن نہیں ہے۔ یہ سب اُس کے لئے بے معنی ہے۔ ایک ایسے آدمی کے لئے جو پیاس کی شدت سے مر رہا ہو، ٹھنڈے دودھ کا ایک پیالہ زیادہ بامعنی ہے، بالنسبت اس پانی کے جسے مصنوعی طور سے میٹھایا خوشبودار کیا گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس مرتے ہوئے آدمی کے لئے خالص ٹھنڈے دودھ کی ٹھنڈک اور قوت ایک بہتر انتخاب ہوگی۔

بالکل اسی طرح اللہ کے عاشق بارگاہِ الہی میں حاضر رہنا پسند کرتے ہیں اسکے عشق کا جام پینا چاہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ دُنیا تو فقط جُدا کر دینے والی جگہ ہے، آزمائشوں اور سختیوں کی ایک جگہ اور ایک عارضی مسکن ہے، تو پھر بھلا ایسی جگہ میں کیوں دل لگایا جائے؟ وہ جن کو اس محبت کا چسکا لگا ہو، اور پھر زندگی بھر اُس کا پیچھا کیا ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ دُنیا کے عام لوگوں کی طرح نظر آتے ہوں، اپنی دُنیاوی ذمہ داریاں نبھاتے ہوں لیکن پھر بھی وہ دوسروں سے مختلف ہیں۔ وہ عاشق ہیں، اور ہر وقت طلبِ عشق میں رہتے ہیں۔ اُن کی نگاہیں ہر وقت اپنے محبوب کو ڈھونڈتی رہتی ہیں، اُن کے دل ہر وقت محبوب کی یاد میں رہتے ہیں، اُن کی خوشی صرف اُس کے ذکر میں ہے۔ وہ ایک ایک دن گنتے ہیں کہ کب اُن کی جدائی ختم ہو اور کب وہ اپنی ابدی راحت کو جا ملیں۔

جب وہ اپنے اللہ سے ملنے کے منتظر ہیں، تو اللہ بھی اُن سے ملنے کا مشتاق ہے۔

اور کیسے حسین لوگ ہیں وہ جنہیں اللہ اپنا محبوب کہتا ہے۔ وہ صاحبِ یمن، اور ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی راہ پر چلتے ہیں، سورۃ الواقعہ (۸ تا ۲۴) میں فرمایا ہے: ”پس ایک گروہ دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا۔ کیا خستہ ہاتھ ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور تیسرا گروہ ہر کارِ خیر میں آگے رہنے والوں کا۔ وہ اُس روز بھی آگے آگے ہوں گے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں عیش و سرور کے باغوں میں۔ ایک بڑی جماعت پہلوں سے اور ایک قلیل جماعت پھیلوں سے۔ اس پلنگوں پر جو سونے کے ستاروں سے بنے ہوں گے، تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اُن پر آنے سامنے۔ گردش کرتے ہوئے اُنکے ارد گرد نو خیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ ہاتھوں میں پیالے، آفتاب اور شرابِ طہور سے پھلکتے جام لیتے۔ نہ سرد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔ اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جن کی وہ رغبت کریں گے۔ اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں (پتے) موتیوں کی طرح جو پھپھارکھیں ہوں یہ اجر ہوگا اُن نیکیوں کا جو وہ کرتے رہے تھے۔“

یہ تو جنت کے مخالف کی ایک چھوٹی سی بھلک ہے۔ اگر آپ جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، تو پھر آپ کبھی بھی ایک لفظ نہ فرمائی کا زبان پر نہیں لائیں گے، اور نہ ہی کبھی گناہ کرنے کا سوچیں گے۔ ایسی خوبصورتیاں، اور ایسی راحتیں ہیں اس کی۔ جنت اُن سب لوگوں کے لئے ہے جو اپنے رب سے پتے رہے اور جنہوں نے اُن سے محبت کی ہوں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔

آپ کو جانتا چاہیے کہ یہ دنیا فقط ایک عارضی قیام گاہ ہے، یہ دکھ اور درد کی جگہ ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے، وہ ایک مسلسل آزمائش اور مصیبت کی حالت میں رہتا ہے۔ کبھی معاملہ رشتوں کا ہے، کبھی روپے پیسوں کا ہے، کبھی آپ کے اپنے بچوں کا ہے، کبھی صحت کی خرابی یا کوئی دوسری بد بختی کا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ دنیا ایک مسلسل مصیبت ہے۔ لیکن پھر بھی ایسا لگتا ہے کہ آپ میں سے اکثر لوگ بلا تائیف اسکی طلب میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تو بس اُس شخص کی طرح ہے جو کسی سفر پر جا رہا ہو۔ یہ جانتے ہوئے کہ سفر دشوار اور لمبا بھی ہو سکتا ہے، اس لئے اُسے اپنے ذرا راہ کا انتخاب احتیاط سے کرنا ہے۔ یہ زارِ راہ دراصل اس کے اعمال ہیں۔ مگر اچھے اعمال جمع کرنے کے بجائے وہ اس دُنیا کے لئے اعمال جمع کرنا پسند کرتا ہے۔

یہ اعمال دنیاوی فائدے ہیں جو اُس کے سفر کو مشکل بنا سکتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس دنیاوی مال و اسباب میں بڑی کشش ہے۔ اس لئے اُن کو چھوڑ دینا بہت مشکل ہے۔ یہ وزن میں بھی بھاری ہیں کیونکہ یہ صرف آپ کے ظاہری وجود کو آراستہ کرتے ہیں لیکن آپ کے باطن کے لئے زیادہ کارآمد نہیں۔ قیمتی غذائیں، زیورات، یا دنیاوی آسائشیں ایسے مال و اسباب کی مثال ہیں۔ یہ انسان کو کاہل اور کمزور بھی بناتے ہیں کیونکہ اس کے خواہشات کی طمع اس کی دوسروں کے لئے کام کرنے کی اُمنگ اس سے چھین لیتی ہے۔ سیرشکی اس کے ہاتھوں اور دیگر اعضاء کو مست اور بھاری بنا دیتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کی تمنا اُسے بے فائدہ دنیا کی طرف دوڑاتی ہے۔ اس کا ہر آن اور ہر لمحہ اُس کی خواہشات کے کبھی نہ بھرنے والے برتن کو پُر کرنے میں صرف ہوتا ہے جو

بدقسمتی سے کبھی بھر نہیں سکتا۔

دنیا کے حصول کی اس دوڑ دھوپ میں اس کی تمام قوتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ وہ اس قدر تھک کر چور ہو جاتا ہے کہ اللہ اور اپنے اطراف کے لوگوں کے لئے کوئی وقت نہیں بچتا۔ اس طرح اُس کا سفر بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ دشوار اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جب وہ وہاں خالی ہاتھ پہنچے گا۔ اُس نے تو اپنا پورا وقت ضائع کر دیا، وہ وقت جو نہایت قیمتی اور محدود تھا پھر بھی اُس نے وہ وقت اپنی حماقت اور لاپرواہی سے ضائع کر دیا۔ بے شک دنیا دار لوگ بائیں ہاتھ والے لوگ، ابدی خسارے میں ہیں۔

سورۃ الواقعہ (۱ تا ۵۶) میں ہے: ”اور بائیں ہاتھ والے کیسی خستہ حالت ہو گی بائیں ہاتھ والوں کی (یہ بدنصیب) جھلستی لُو اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ نہ ٹھنڈا ہو گا اور نہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ نہ ممکن ہے) آپ فرما دیجئے بیشک انکوں کو بھی اور پھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا، ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن پر۔ پھر تمہیں اُسے گمراہ ہونے والو! اُسے جھٹلانے والو! حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے اس سے اپنے پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اُونٹ پیتا ہے۔ یہ اُن کی ضیافت ہو گی قیامت کے دن“

اللہ تعالیٰ ان بیوقوف لوگوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے انہیں خبردار کر رہا

ہے انہیں یہ تنبیہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے وقتاً فوقتاً دی جا رہی تھی۔ اور یہ تنبیہ اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک زمین اپنی آخری سانس نہ لے لیکن بدقسمتی سے بے وقوف ہمیشہ بے وقوف ہی رہیں گے چاہے اُن سے کچھ بھی کہا جائے اور کتنی ہی بار کہا جائے۔ انہیں اپنی ملیٹھی نیند پسند ہے، اور وہ اس وقت تک سوتے رہیں گے جب تک حضرت عزرائیل علیہ السلام آکر نہ جگائیں۔ لیکن افسوس اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

اگر آپ اپنے ارد گرد نگاہ ڈالیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وقت کے خاتمے نے غفلت میں اضافہ کیا ہے اور لوگوں کی اکثریت کو اللہ کے احکامات سے باغی بنا دیا ہے۔ جیسے جیسے وقت کی رفتار تیز ہو رہی ہے، اُسی طرح انسانوں کی نافرمانیوں اور اُس کے گناہوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ وقت بڑا عجیب ہو چکا ہے۔ ماضی کی روایتوں اور قدروں کو پامال کیا گیا ہے اور اُنکی جگہ آج کے لوگوں نے نئے قوانین، نئے ضابطے اور نئی قدریں بنا لی ہیں۔ ایک اندھا آدمی بھی محسوس کر سکتا ہے کہ زمانے بدل گئے ہیں۔ وقت نہایت دشوار اور درہم برہم ہو گیا ہے۔ ہر آدمی اپنی بولی بولے جا رہا ہے۔ قرآن کی تفسیر بھی بے علم لوگ کر رہے ہیں، سنت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور نئی نسل کے آگے دینی احکام بے معنی ہیں۔

مجھے بتائیے کہ وہ سارے لوگ جو سڑک پر گاڑیاں چلا رہے ہیں، اُن میں سے اگر ہر ایک ٹریفک بلیوں کی تشریح اپنے طور پر کرنا شروع کر دے، اگر ہر ایک ٹریفک سارجنٹ کی حکم عدولی شروع کر دے اگر ہر ایک مخالف لائنوں میں چلانا شروع کر دے، تو پھر کیا ان میں سے کوئی اپنے گھر صحیح سلامت پہنچنے کے قابل ہوگا؟ کیا ایسی سڑک پر بد نظمی، انتشار اور شدید خطرہ پیدا نہ ہوگا؟ اس میں کتنی جانوں کو خطرہ ہوگا، اور کتنے لوگ



بدقسمت حادثات کا شکار ہوں گے؟ ایسے منظر نامے میں تو انسانی جانیں ملوث ہو سکتی ہیں۔  
 لیکن اگر ہم اس مثال کو آج کے پُرفتن دُور کے ترازو میں دیکھیں تو پھر اُس میں انسانی  
 جان سے زیادہ قیمتی شے ملوث ہے، اس میں آپ کا ایمان ملوث ہے جو انسانی وجود  
 کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اگر اُس میں ایمان ہے تو تب ہی وہ انسان کہلائے جانے کے  
 لائق ہے، اللہ کا نائب کہلائے جانے کا، ورنہ تو وہ چمڑی اور ہڈیوں کا ایک بے قدر ڈھیر  
 ہے جس نے اپنا ایمان گنوا کر اپنی قدر و منزلت کھو دی ہے۔

ہمارے دُور کے مصائب سے بچنے کا بہترین طریقہ کیا ہے ان چیزوں میں  
 جنہیں ہم آسانی سے کر سکتے ہیں اور دونوں دُنیاؤں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ  
 ایک تین<sup>۳</sup> مرحلے کا طریقہ ہے جس کے معنی ہیں کہ اس دُنیا کے فتنے سے بچنے کے لئے  
 آپ کو بس تین ضروری کام انجام دینے چاہئیں۔ اپنی صُحبت کے انتخاب میں بہت احتیاط  
 برتیں، یہ پہلا قدم ہے۔ دوسرا قدم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل میں سمائے رکھیں۔  
 اور تیسرا قدم ذکرِ الہی کو دل میں جاری و ساری رکھنا ہے۔ یہ ایک تین طبقی فارمولا ہے اپنے  
 آپ کو طوفانِ آخر سے بچانے کے لئے، اپنے آپ کو موجودہ دور کے طوفانوں اور آزمائشوں  
 سے محفوظ رکھنے کے لئے۔

اپنی صُحبت کے انتخاب کے معنی ہیں کہ کسی ایسے شخص کے پاس اُٹھنا بیٹھنا جو اللہ  
 کا عاشق ہو، اگر آپ کو عاشقِ خدا مُرشدِ کامل کی صورت میں ملے، تو سمجھ جائیے کہ اللہ نے  
 آپ کو اپنا فضل عطا کر دیا۔ مُرشدِ کامل کی صُحبت کا مطلب ہے کہ آپ ہر وقت اللہ کے نور  
 کے گھیرے میں ہیں جو ہمیشہ ایک ایسے مُرشد کے دل سے پھوٹتا رہتا ہے۔ اللہ کے ولی

اور اولیاء کو اللہ کا نور اور اُس کی محبت براہِ راست ملتی ہیں، اور یہ اُن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نعمت کو اُن سب تک پہنچائیں جو اس کے لائق ہیں۔ کیا یہ کہا نہیں جاتا کہ اگر آپ کچھ دیر کے لئے پھول اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھیں تو آپ کے ہاتھ سے بھی وہی خوشبو آنا شروع ہوگی جو اُن پھولوں کی ہے۔ اچھی صحبت کی بھی یہی حقیقت ہے۔ فقط اُن کے حضور بیٹھنے سے ہی دُنیا آپ کے دل سے محو ہونا شروع ہو جاتی ہے اور آپ کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ وہ لوگ جو آپ کے ارد گرد ہیں، وہ آپ کے ذہن و دل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے محتاط رہیں جن کے ساتھ آپ کو اپنا زیادہ وقت گزارنا ہو اس لئے کہ اس دُنیا کے دوست ہی، آخرت کے دوست ہوں گے۔ اگر آپ کا دوست ایک ولی ہے، تو بے شک آپ آخرت میں بھی اُن کے دوست ہوں گے اور آپ کا قیام اُسی جگہ ہوگا جہاں وہ ہوں گے۔ ولی کا مقام ہمیشہ جنت میں ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے تمام دوست بھی اُن کے ساتھ جنت میں ہوں گے۔ کیا اولیاء کے دوستوں کو دوستی کے صحیح انتخاب پر یہ اچھی بشارت نہیں دی جانی چاہیے؟

طوفانِ آخر میں آپ کی سلامتی کا دوسرا قدم رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل میں بسانا ہے۔ یادِ مصطفیٰ ﷺ ہر مومن کے دل کا حُسن ہے۔ اور حُسن کی بہترین قسم آپ ﷺ کو ہر لمحہ، ہر لحظہ یاد کرنا ہے۔ اور ایسا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنی زندگی میں نقل کرنا شروع کر دیں۔ جب آپ اپنے دن کا آغاز کرتے ہیں جب آپ کھانا کھاتے ہیں، جب مشروب پیئیں، جب دوسروں سے معاملات کریں، بات چیت

کریں یا دوسروں کا خیال رکھیں تو اس طرح کریں جیسے حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ بس اسی کی پیروی کریں جو آپ ﷺ کرتے تھے، اس طرح بلاشبہ آپ حضور ﷺ کے نقش قدم پر ہوں گے اور آپ ﷺ کی یاد آپ میں شدید سے شدید تر ہوتی جائے گی۔ اور جب آپ رسول اللہ ﷺ کو اس شدت اور جوش سے یاد کریں گے، تو پھر یہ یقینی بات ہے کہ آپ ﷺ بھی آپ کو اسی جوش و جذبے سے یاد فرمائیں گے۔ اور اُس سے زیادہ بھی۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کسی کو یاد فرماتے ہیں تو یقیناً اللہ بھی اُس شخص کو اسی جوش و جذبے سے یاد فرمائے گا جو کسی انسان کے گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

جب یاد محمد ﷺ آپ کے دل کی دھڑکن بن جائے، تو پھر آپ کی ہر سانس سے ”ھو“ نکلنا شروع ہو جائے گا۔ پھر یہ ”ھو“ آپ کے جسم میں خون کی طرح گردش کرنا شروع کر دے گا۔ یہ فنا فی اللہ کا بھید ہے؛ اپنے مرشد کے دل سے ”نور“ کا جذب کرنا، اس ”نور“ کو ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کی دھڑکن بننے دیں اور دل کی اس ڈھڑکن کے ذریعے ”ھو“ کو اپنے پورے جسم میں پھیلنے دیں۔ تو اس طرح آپ کے تین درجے یہ ہوئے۔ یعنی:

۱۔ فنا فی المرشد

۲۔ فنا فی الرسول ، اور

۳۔ فنا فی اللہ

ان سب کا حصول آپ کے مرشد کی محبت، آپ کے نبی پاک ﷺ کی سنت اور آپ کے اللہ کے ذکر سے ہو سکتا ہے۔ دیکھایہ کتنا آسان ہے۔ بس آزما کر خود ہی دیکھ لیں۔ اے اُمتِ محمدی! زندگی واقعی بہت مختصر اور نہایت نازک ہے، بالکل پانی

کے ایک ٹبلے کی طرح جو در سے خوبصورت نظر آتا ہے، لیکن جو نہی آپ اُسے ہاتھ لگائیں یہ پھٹ جاتا ہے۔ جو وقت آپ کے اللہ نے آپ کو دیا ہے، وہ بہت ہی قیمتی ہے، اُسے ضائع نہ کریں۔ آپ کی ایک ایک سانس آپ کو کچھ اچھے اعمال کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے، اپنے اللہ کو راضی رکھنے کے لئے کچھ نیکیاں کرنے کا موقع۔ تو پھر ان قیمتی سانسوں کو کیوں ضائع کیا جاتے۔ اُن سے جا کر پوچھیں جو اس زمین کے نیچے دفن ہیں۔ وہ آپ کو چند سانسوں کے بدلے ہر چیز دے دیں گے تاکہ وہ دوزانوں بیٹھ کر توبہ کر سکیں، ضائع شدہ وقت کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔

مگر افسوس! اُن کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ انہیں اب یہ وقت کبھی دوبارہ نہیں ملے گا۔ لیکن آپ سب اللہ کے فضل سے ابھی زندہ و سلامت ہیں۔ تو پھر آج ہی توبہ کیوں نہ کریں، کیوں نہ اللہ سے کہیں کہ، ”مجھے آپ سے محبت ہے“ آپ کو آخر کس بات کا انتظار ہے؟ آپ کے پاس کتنا اور وقت ہے؟ بس اللہ اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو تھامتے اور صاحبانِ یمن بن جایتے، یعنی وہ جو اللہ کی راہ پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمادے۔

آمین

نم آمین



## حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ

ذکرِ الہی، ذکرِ محبوب

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی پاک تسبیح اُس کی تمام مخلوقات کرتی ہیں جو اُس سے نسبت رکھتی ہیں۔ اس کی حمد اور اُس کی ثنا عظیم ہے۔ تمام شائیں اور تمام عبادتیں اسی کے لئے ہیں۔

درود و سلام رحمۃ اللعلمین پر، اُن پر جنہوں نے اپنے اللہ کا پیغام نہایت ہی عمدہ طریقے سے پہنچایا اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی جان اپنا گھرانہ اور اپنا مال قربان کرنے سے دریغ نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کیا جس کا وعدہ فرمایا تھا۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن نوریوں کے لئے جنہیں ”نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم“ ملا ہے، اور جو دیکھیں گے کہ یہ ”نور“ انہیں اُن کی زندگیوں میں مشکلات سے نکالے گا۔

یا الہی تمام مخلوق کی ارواح کی غذا ہے۔ ذکر اللہ تمام دلوں کی قوت ہے اور تمام مخلوق کی قوت ہے۔ یہ جسم کے اندر خون کی طرح ہے جس کا کام تمام عضلات (سیل/خلیے) کی صفائی کرنا ہے یعنی اُن کو صاف کرنا اور پھر تو انا کرنا۔ جب آپ کسی صحت مند جسم کی بات کرتے ہیں، تو آپ کا مطلب ہوتا ہے وہ جسم جس میں کوئی بیماری یا نقص نہیں ہو اور جس میں اتنی قوت ہو کہ وہ

اپنے روزمرہ کے کام کر سکے۔ کوئی بھی کمزوری یا بیماری جو جسم میں موجود ہو، وہ اس کے جسم سے نہ فقط اُس کی طاقت کو ضائع کرتی ہے بلکہ اس کے کام کو بھی ادھورا کر دیتی ہے۔

بالکل اسی طرح رُوحانی کاموں کو کرنے کے لئے رُوحانی قوت درکار ہوتی ہے۔ کوئی بھی بیماری یا کمزوری روح کے کام میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ اُسے اس کی ذمہ داریاں نبھانے سے روکتی ہے۔

ہر انسانی روح اس زمین پر اللہ کے نظام کو رائج کرنے کی ذمہ دار ہے۔ یہ یومِ میثاق پر کیا جانے والا وعدہ تھا، یہ وعدہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر ایک انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس دُنیا کے دوسرے انسانوں کے ساتھ امن سے رہیں اور ایک دوسرے کا خیال رکھیں، اور اللہ کی یاد سے غافل نہ رہیں۔

اللہ کا ذکر روح کی مسلسل صفائی اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ جب بھی کوئی آلودگی دنیا سے آتی ہے اور دل کو آلودہ کرتی ہے، تو یہ ذکر اُن آلودگیوں کو کھرچ کر دھو ڈالتا ہے۔ اللہ کا ذکر نہ صرف ایک صافی ہے بلکہ قوت بخش بھی ہے۔ یہ دل کو قوت بخشتا ہے تاکہ وہ غیر پسندیدہ حالات کا مقابلہ کر سکے۔ یہ زبان کو طاقت دیتا ہے جو پھر باطل اور گمراہی کے خلاف ڈٹ جانے سے گریز نہیں کرے گی۔ یہ نفس پر قابو رکھتا ہے اور شیطان کے دوسوں اور شر پہ کڑی نظر رکھتا ہے۔

ذکر اللہ ارواح کے لئے غذا کی مانند ہے یہ اُن کی لطانت میں اضافہ کرتا ہے اور انہیں ہلکا اور خوبصورت بناتا ہے۔ اس طرح وہ انہیں اللہ کی طرف اُپر اٹھاتا ہے۔ یہ ذکر انہیں ”نور“ یعنی روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتار بناتا ہے۔ چند لمحوں میں یہ

ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے اپنے محبوب تک پہنچتا ہیں۔ یہ ذکر اُن پردوں کو بھی ہٹا دیتا ہے جو دنیا والوں کی آنکھوں پر پڑے ہوتے ہیں، تاکہ پھر وہ اپنے محبوب کے جمال کو دیکھ سکیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنا قیمتی وقت یہ عمل کرنے میں گزارتے ہیں کیونکہ اللہ اُن کے دلوں میں امن و سکون دیتا ہے۔ اور اُن سے کہتا ہے سورۃ العنقر میں (۲۰-۲۱)۔ ”اے اطمینان والی رُوح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل، تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش، تو تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔“

ذکرِ الہی، اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا کیونکہ جب آپ اللہ کے محبوب کو یاد کرتے ہیں، تو پھر اللہ بھی آپ کو یاد کرے گا۔ ذکرِ محبوب ہر عاشق کی رضا و خوشی ہے۔ اپنے دلوں کو بس ذکرِ محبوب سے ممتور رکھیں اور بے شک آبِ کبریاں رحمت میں جانے دیا جائے گا اللہ کی رضا سے۔ اللہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے عاشقوں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ یہ اصولِ عشق ہے۔ معشوق کو عاشق کا حال سناؤ اس لئے کہ یہ ذکر دراصل تیل کی طرح ہے جو محبت کے شعلے پر ٹپکایا جاتا ہے۔ یہ آگ ہمیشہ دو طرفہ ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عاشق محبت کے شعلے میں جلے اور معشوق اس سے دُور ہو۔ درحقیقت آگ ہمیشہ معشوق کے دل سے شروع ہوتی ہے اور یہی آگ ہے جو عاشق کے وجود تک پہنچتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”آپ کی محبت کی آگ کے بغیر میں کبھی یہ پانی نہ پیتا، آپ کے چہرے کے خدو خال کے بغیر میں یہ عکس اُس پانی میں نہ دیکھتا، شرابِ نایاب کی طرح میرے جسم کو چیرتے ہوئے میں چرخی میں چکراتا، کراہتا ہوا۔“

اگر آپ اس آگ کو اپنے ذکر کی سانس سے جلاتے رکھتے ہیں، تو پھر آپ دیکھیں گے کہ کچھ ہی دیر میں اس آتش عشق کے شعلے آپ کی ذات کو جلانا شروع کر دیں گے۔ یعنی آپ کی انا اور آپ کا نفس جلنا شروع ہو جائینگے۔ آپکی اپنی حقیقت آپکی نظروں میں دھندلائے گی اور آپ کی "میں" آپ کی ضدی اور خود غرض "میں" نیچے جھکنا شروع ہو جائے گی۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ "میں" غائب ہونا شروع ہو جائے گی اور آپ کی رُوح کی زبان ایک نیا لفظ استعمال کرنا شروع کرے گی۔ یہ "تو" کہنا شروع کرے گی کیونکہ: "تمہارے اور میرے درمیان کون سا پردہ رہ سکتا ہے؟ ہمارے درمیان "میں" ہی پردہ تھا اور تم نے مجھے جلا ڈالا۔

لے میرے محبوب! تو نے میری راکھ میں اپنا نام لکھ دیا۔ اب تمام چیزیں ہماری آگ میں رقصاں ہیں۔ ذکرِ الہی رُوح کو اس دنیا کی زنجیروں سے چھٹکارا ڈالتا ہے۔ یہ رُوح کو پرفراہم کرتا ہے جو اُسے اُڑا کر آسمان کی بلندیوں میں لے جاتے ہیں۔ اور اگر ذکر اپنے ذکر میں پُر خلوص ہے تو پھر آسمان بھی انتہائی حد نہیں ہے۔ زمان اور مکان اس کے لئے بے معنی ہو جائیں گے اور آنکھیں وہ دیکھ سکیں گی جو پہلے پوشیدہ تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ ذکر صاحبِ بصیرت ہونا شروع ہوگا۔

ایک ذکر کا لہو و حیات اس کا ذکر ہے۔ وہ اس کا اور ٹھنا، بچھونا ہو جائے گا، اُس کی غذا اُس کی دھڑکنیں اور اُس کی سانس۔ وہ اپنے پیارے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو جانتا ہے کہ: "گنتی کی سانسیں ہیں جو بغیر یادِ الہی نکلتا ہے وہ مُردہ ہے۔"

ے ہر کہ دیوانہ شود با ذکرِ حق  
زیرِ پائشِ عرش و کرسی ہر طبق



یعنی: ”جو اللہ کے ذکر و یاد میں دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتے اُس کے پاؤں کے نیچے

عرش، کرسی، ۱۴ طبق، زمین و آسمان ہوتے ہیں۔“

اللہ کے ایک عاشق کا کہنا ہے کہ: ”جب فقیر اللہ کے نام کی مشق میں مشغول

ہوتا ہے تو اُس کے بدن کا ہر بال زبان کھول کر جوش میں آکر ”اللہ اللہ“ کہتا ہے، اور اس

کا دل نعرے مار مار کر ”ھو، ھو، ھو، ھو“ پکارتا ہے، اور روح، ”ھو الحق، ھو الحق“ کی فریاد کرتی

ہے، اور نفس اس درد میں مشغول ہوتا ہے، ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا“ اور اسم

”اللہ“ کے وجود کی مشق مجبوری اور معشوقی مرتبہ رکھتا ہے۔“

ذکر اللہ کے خاص دوستوں کے لئے ہمیشہ نہایت پسندیدہ شغل رہا ہے۔ اُن

کے لئے ذکر، اللہ کی جانب پرواز ہے۔ ایک زاگر کی ضرب کلبھاڑی کی ضرب ہے جو دنیا کے

بُتوں کو پاش پاش کرتی ہے جو کسی شخص کے دل میں موجود ہو سکتے ہیں۔ ذکر چاہے جلی

ہو یا خفی اگر ذکر اُسے کامل عقیدت اور توجہ سے کرتا ہے تو پھر اُس ذکر کی آواز

اطراف کے ماحول تک محدود نہیں رہتی۔ یہ اُدپر کی جانب پرواز کرتی ہے آسمانوں کو چیرتی

ہوتی۔ جب آسمان کے ملائیک کو ذکر سنائی دیتا ہے، تو وہ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں

جس کے معنی ہیں کہ ایک سچا ذکر اپنے ذکر میں اکیلا نہیں ہوتا، تمام ذاکرین آسمانوں کے

ملائیک کے ہمراہ ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے کئی فرشتے اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ جہاں

بھیس بھی ہوں تمام اذکار کو جمع کریں، اور اُن کو اور اُن کے کرنے والوں کو اللہ کے حضور میں

پیش کریں۔ اور پھر یہ ملائیک زمین میں پھیل جاتے ہیں اور انہیں جہاں کہیں سچے ذاکرین نظر

آتے ہیں، وہ انہیں اپنے پردوں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اُن کے ذکر میں شامل ہوتے ہیں، اور پھر

بڑی احتیاط سے اس ذکر کو اللہ کے پاس لے جایا جاتا ہے، اُس ذاتِ واحد کے پاس جو ان اذکار کا مالک ہے۔

اللہ کے اولیاء، ذکر کے پھید کو جانتے ہیں۔ وہ اس کی قوت سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ذکر اُن کے دلوں کا حُسن ہے اور اُن کی زبانوں کا ترنم ہے۔ ایک دلی جو اللہ کے سچے ذاکر تھے اور جن کا رُو و اُن رُو و اُن ہر وقت اپنے اللہ کی یاد زین میں بچتا، تڑپتا تھا، جو سلطان الذکر کے سلطان تھے، وہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ اللہ کے خوبصورت دست تھے، وہ اللہ کے ذکر کی صدا تھے جو عرشِ اولیٰ سے جا کے ٹکراتی تھی، جو نوری (سامیں) کے دلوں کو چیرہ کرتی تھیں، جن کا وجود غیر محدود وقت تک جاری رہا کرتا تھا۔ آج کا دن اُن دلی، پُر نور کے ذکر کا دن ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب تھے۔

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، اُدشی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵۶۹ ہجری کو ایران میں ہوئی۔ آپ سید تھے، اور آپ کا نسب شریف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ نہایت کم سنی میں ہی آپ میں ایک دلی کے آثار ظاہر تھے۔ روایت ہے کہ آپ نے قرآن کے پہلے ۵ پارے اپنی والدہ سے سیکھے تھے جب وہ ابھی اُنکے شکم مبارک میں تھے۔ جب آپ کی عمر ابھی ۴ سال ۴ ماہ کی تھی تو آپ نے اپنی ماں سے درخواست کی کہ آپ قرآن سیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کی ماں نے آپ کو اپنے جاننے والے کے ساتھ ایک قریبی علاقے میں بھیج دیا۔ راستے میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ایک اجنبی سے ہوئی جو ایک بزرگ معلوم ہوتے تھے، جنہوں نے فرمایا کہ وہ اس ننھے دلی کو اس کی تعلیم کے لئے صحیح جگہ پر لے جائیں گے۔

تو اس طرح آپ کو مولانا ابو حذیفہ کے پاس لے جایا گیا جو اپنے وقت کے بہترین  
 استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے ننھے خواجہ صاحب رحمہ اللہ اور محترم بزرگ کا بڑی  
 گرمجوشی اور احترام سے استقبال کیا۔ کچھ دنوں بعد خواجہ صاحب رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ وہ بزرگ  
 دراصل حضرت سیدنا خضر علیہ السلام تھے۔ یہ بھی ریکارڈ میں ہے کہ کم عمری سے ہی خواجہ صاحب رحمہ اللہ کو سماع سے  
 بہت لگاؤ تھا ایک مرتبہ آپ محفل سماع میں شریک ہونا چاہتے تھے لیکن کم عمری کے باعث آپکو  
 اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ بے چینی کے عالم میں آپ نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے  
 تو (اسی وقت) داڑھی آپ کے چہرے پر ابھر آئی اور آپ کو اندر آنے دیا گیا۔

جب خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ اپنے وصال کے ۴۰ دن پہلے اصفہان پہنچے،  
 تو انہوں نے خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی بیعت لی اور آپ کو خلافت اور خرقہ عطا کیا۔ پھر خواجہ بختیار  
 کاکی رحمہ اللہ کے شیخ نے آپ کو اندیا جانے اور دہاں قیام کرنے کی ہدایت کی۔ اس حکم کی تعمیل  
 کرتے ہوئے یہ نوجوان خلیفہ دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ کے پہلے  
 روحانی وارث بن گئے۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا دور تھا۔ حضرت بختیار کاکی رحمہ اللہ کا لقب  
 ”کاکا“ آپ کو آپ کی ایک کرامت کے ذریعے عطا ہوا، جو بعد میں دہلی میں آپ سے صادر ہوئی  
 دہلی میں زندگی کے ابتدائی دور میں، آپ غربت اور مشکلات میں رہے۔ لیکن کچھ عرصے بعد  
 اس عظیم چشتی ولی نے خود سے وعدہ کیا کہ وہ اللہ پر کامل توکل کے ساتھ رہیں گے اور کسی سے  
 بھی کوئی قرضہ نہیں لیں گے۔ اس دن کے بعد ایک بڑی روٹی، اتنی بڑی کہ آپ کے پورے  
 گھرانے کے لئے کافی تھی، ہر روز آپ کے مہلتے کے نیچے برآمد ہوتی تھی۔ لفظ ”کاکا“ روٹی  
 کے لئے استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ تو اس طرح آپ کا لقب ”کاکا“ ہو گیا۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فواد السالکین" میں اپنی زندگی کا ایک واقعہ لکھا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ جب سلطان شمس الدین نے چاہا کہ دہلی میں ایک حوض تعمیر کرائیں، تو وہ اپنے امیر اور وزیروں کے ہمراہ اُس جگہ گئے جو اُن کو اپنے حوض کے لئے پسند تھی۔ چونکہ وہ ایک خُدا رسیدہ مرد تھے، انہوں نے نیت کی اور اُس مقام پر اپنا اصلی بچھا کر سو گئے۔ خواب میں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نہایت خوب صورت اور وجیہ تھا۔ وہ شخص کچھ اور لوگوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار تھا۔ جب اس شخص کی نظر سلطان پر پڑی، تو اس سے پوچھا: "تیری کیا نیت ہے؟" اس پر سلطان نے خواب میں جواب دیا کہ: "میں یہاں ایک حوض بنوانا چاہتا ہوں۔" جب وہ یہ کہہ رہے تھے، تو کسی نے قریب سے کہا: "اے شمس! یہ رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ ان سے مانگیں اور آپ کی طلب پوری ہوگی۔" تو اس طرح سلطان نے اپنی گزارش دوبارہ پیش کی اور رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر پڑے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ قریب کے چوترے پر مارتے ہوئے فرمایا: "اے شمس! حوض کی کھدائی یہاں کر دیے پانی اس قدر میٹھا ہوگا کہ کوئی اور پانی اس کی مثال نہ ہوگا۔"

اس پر سلطان نیند سے جاگ پڑے اور خواجہ صاحب سے رہنمائی کی درخواست کی۔ جب یہ ولی اُس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ جس جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے اپنے پیر سے ٹھوکر ماری تھی، وہاں سے حوض کا پانی تو پہلے سے نکل رہا تھا۔ تو حوض شمسی اس طرح تعمیر ہوا۔ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عقیدت مند روحانی پیشوا اور اللہ کے دوست تھے۔ آپ کا ذکر آپ کی زندگی تھا اور ذکر اللہ آپ کے وجود کا باعث تھا۔ آپ بہت کم کھایا کرتے تھے، کم سویا کرتے تھے، اور کم کلام کرتے تھے۔ آپ کا وقت ذکر الہی میں گزرتا اور یہ ذکر اتنا گہرا تھا کہ

جیسے استعراق آپ کا جیون سا تھی تھا۔

محبت کی آگ ہر وقت آپ کی رُوح کو جلاتی رہتی تھی جو خود کو ایک دائمی وجد میں  
مبتلا پاتی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ: ”صاحبِ طریقت اور شتاقِ حقیقت لوگوں کو  
سماع میں اس قسم کا ذوق حاصل ہوتا ہے کہ جیسے بدن میں آگ لگ اٹھی ہے اگر یہ نہ ہو تو لقاء  
کہاں ہوتا اور لقاء کا لطف کہاں ہوتا۔“

اس کے بعد آپ نے یہ واقعہ سنایا: ایک بار آپ رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی حمید الدین ناگوری  
شیخ علی سخری کی خانقاہ میں موجود تھے، جہاں ایک مغل سماع برپا تھی۔ قوال شعر پڑھ رہا تھا:

ے کشتگانِ خنجر تسلیم را

ہر زماں از عیب جانِ دیگر است

”خنجر تسلیم کے مفتولوں کو ہر وقت غیب سے ایک اور جان ملتی ہے۔“

پھر آپ نے فرمایا کہ ہم دونوں اس شعر سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم ۳ دن تک  
اُس میں مدہوش رہے۔ جب ہم گھر لوٹے تو تب بھی قوال کی آواز ہمیں سنائی دے رہی تھی،  
اور اسی حال میں ہمارے ۷ دن اور ۷ راتیں گزریں ”کہ اپنی سُدھ بُدھ ہی نہ رہی۔“

ایک دوسرے موقع پر ۵۸۳ ہجری میں حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بہت سارے اولیاء  
کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جیسے قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا شہاب الدین ادشی، سید شمس  
الدین ترک، ما کہ (اچانک) سلوک پر بات چل نکلی۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک بار  
امام الحرمین اپنے دوست کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ نے ذکرِ الہی شروع کیا، اور آپ کو  
دیکھ کر تمام دوستوں نے بھی شروع کیا۔ یہ ذکر اتنا شدید تھا کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا اور ہر

ایک کے رونگٹوں سے خون جاری ہو گیا اور خون کا جو قطرہ فرش پر گرتا اُس سے اللہ کے نام کا نقش بنا اور اس قطرے سے ذکرِ الہی شروع ہو جاتا۔ جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات ختم کی تو ہر ایک کو وجد آگیا اور ذکر شروع کر دیا۔ وہ ذکر اتنا شدید تھا کہ اُن میں سے بیشتر بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے یہ اشعار پڑھے :

ذکرِ خوش تو زیرِ دہن سے شنوم

شرحِ نم تو ز خویشیتن سے شنوم

(تیرا خوش ذکر میں ہر منہ سے سُنتا ہوں اور تیرے غم کی شرح اپنے آپ سے سُنتا ہوں)۔ اہل مجلس نے دوبارہ ذکر شروع کیا اور ذکر کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ ہر ایک خلیئے سے خون بہنے لگا اور خون کے جو قطرے فرش پر گرتے اُس سے سبحان اللہ کا نقشہ بنا اور پھر اس قطرے سے با آواز بلند ذکر شروع ہو جاتا۔

موت بھی خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دوستانہ انداز میں آئی۔ ایک محفلِ سماع

میں آپ نے حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر سنا، جس کا ترجمہ یہ تھا کہ : ”جو تسلیم کے خنجر سے قتل ہوتے، اُن کے لئے غیب کی طرف سے نئی زندگی ہے“ یہ وجدانی ذکر اس شعر کے سرور میں اتنے گم تھے کہ اُن کا سرور ۳ دن تک جاری رہا۔ اسی وجد میں خون آپ کے جسم کے پورے پورے نکلتا شروع ہوا اور آپ کا بدن آتشِ عشق میں تڑپتا رہا۔ پھر چوتھے دن اللہ نے آپ کے وجود کے پچرے کو کھول دیا اور اس طرح آپ کی بے قرار روح نے آخر کار زندگی کی قید سے رہائی پائی۔ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۲ھ ہجری کو پیش آیا۔ بے شک آپ شہیدِ محبت تھے۔ اللہ کی محبت کے شہید۔

اللہ کے اولیاء کو خراج عقیدت پیش کرنے کا طریقہ اُن کا ذکر کرنا ہے کیونکہ ایک روشنی سے دوسری روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک روشن دل میں ہزاروں مشعلیں پوشیدہ ہیں جو اُس وقت جل اُٹھتی ہیں جب قلبِ نوری والا اس کے قریب آتا ہے۔ اللہ کے ذاکرین اس "نور" کے بارے میں جانتے ہیں اور زندگی بھر اُن کی سانسیں اور اُن کی زبانیں اس آتشِ شوق کو ہوا دیتی رہتی ہیں جس سے اُن کے دل متور ہو جاتے ہیں۔ یہ آگ کبھی مرتی نہیں ہے۔ یہ بس ایک دل سے دوسرے دل میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور عاشقین کو ابد تک جلاتی رہے گی۔

اللہ کی محبت اس آگ کے تمام جلے ہوؤں کے لئے ہے، کیونکہ صرف خوش نصیبوں کو ہی اللہ یہ ہدیہ عطا کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ذکر اللہ کے ذاکرین کا ہے۔  
 او محبوب! مجھے لے لے، میری رُوح کو آزاد کر، مجھ میں اپنی محبت بھر دے اور مجھے ۲ دنیاؤں سے رہائی دے۔ اگر میں نے تیرے سوا اپنا دل کسی اور کو دیا تو اندر سے کوئی آگ مجھے جلا ڈالے۔

آمین

ثم آمین



## حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جو علیم وخبیر ہے، جو رحیم و بصیر ہے، جو وہ سب کچھ جانتا ہے جو جاننا چاہیے، جو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ بے شک وہ تمام عالمین کا رب ہے۔

درود و سلام ختم المرسلین پر، نور نبی پر جو کسی بھی ستارے سے زیادہ چمک دار ہے، کیونکہ آپ ﷺ کائناتوں کے ”نور“ ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کیلئے۔ سلامتی ہو تمام نوری دلوں کے لئے جو اللہ کی محبت میں دھڑکتے ہیں اور جو اپنے محبوب کے طالبان ہیں۔

جب لوگ اپنی دُعاؤں کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہی منظور ہوتا نہیں پاتے، وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ لیکن لوگوں کو یہ احساس نہیں کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اُن کی دُعاؤں کا نتیجہ اُن کی خواہش کے مطابق ہی ہو۔ بے شک اللہ سب سے بہترین رازق ہے، اور وہی اکیلا بہترین جانتے والا ہے۔ انسان تو بس اپنی فوری ضروریات یا قلیل المدتی فائدوں کو دیکھتے ہیں، وہ بے صبر اور جلد بازی ہیں۔ اسی لئے اُن میں



سے اکثر اُن بڑے منصوبوں کو دیکھنے میں ناکام رہتے ہیں جو اللہ نے اُن کے لئے بنائے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ شکایت کرتے ہیں یا جھنجھلا اُٹھتے ہیں جب اُن کی دُعاؤں کے ثمر انہیں فوری طور نہیں دکھائی دیتے۔

جب آپ ایک پھل دیکھتے ہیں، جیسے کہ سیب جو اپنے درخت کی شاخ سے لٹک رہا ہو، اور اس کی رنگت اور شکل آپ کو کھینچتی ہو، تو آپ اس کی جانب بڑھیں گے لیکن پھر آپ کو (اچانک) احساس ہوگا کہ وہ ابھی پکا نہیں ہے۔ اگر آپ عام قسم کے انسان ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آپ اُسے شاخ سے توڑ کر کسی گرم جگہ میں پکنے کے لئے رکھ دیں، یا پھر آپ اُسے کچا ہی کھالیں۔

چاہے کچھ بھی ہو، لیکن یہ بات درست ہے کہ بہت کم لوگوں میں اتنا صبر ہے کہ وہ پھل کے پکنے کا انتظار کریں تاکہ اُسے مزے سے کھایا جائے۔ کچا پھل کبھی مزیدار نہیں ہوتا کیونکہ اُسے بے وقت توڑا گیا تھا، جو اُس کے لئے مناسب نہ تھا۔ دُعاؤں کا مسئلہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ جب کبھی دل کی گہرائیوں سے کوئی دعا کی جاتی ہے تو وہ عرشِ معلیٰ تک جاتی ہے اور ملائک اُسے لکھ ڈالتے ہیں۔ اب یہ دیکھتے ہوئے کہ دُعا مانگنے والے کا دل کتنا سچا ہے اور اُس کی دُعا کی شدت کتنی ہے، ملائک بھی مانگنے والے کی طرف سے اُس میں اپنی شامل کرتے ہیں۔

یہ ملائک بارگاہِ الہی میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور انتہائی عجز و انکساری سے دُعا گو ہوتے ہیں۔ لیکن اُن دُعاؤں کا نتیجہ صرف اللہ کو معلوم ہے، کیونکہ عرش، آسمانوں اور ارض کے درمیان جو کچھ بھی ہے اُن سب کا بہترین جاننے والا صرف وہی ہے۔ وہ الخبیر ہے۔ یہ وہی اکیلا ہے جو ہر چیز کی پوشیدہ اور باطنی حالات و وارداتوں سے آگاہ ہے۔ یہ وہی اکیلا ہے

جس کا دائرہ اختیار کی رسائی اس کی اپنی سلطنت کے ہر گھرے پوشیدہ اور تاریک ترین گوشے تک ہے، جہاں نہ تو انسانی عقل اور نہ ہی اس کے ملائک کی رسائی ہو سکتی ہے۔

کائنات میں ہر جگہ بے شمار واقعات ہو رہے ہیں کچھ عالمی، کچھ خفیف، اُد پر نیچے، کچھ ایک دوسرے کے اندر کچھ باہر۔ وہ اُن سب چیزوں سے آگاہ ہے اُن کے آغاز سے اور انجام تک چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے ساتھ۔ وہ واقعات جو ابھی ہوئے نہیں ہیں، بلکہ ہو جانے کی کیفیت سے گزر رہے ہیں، یا ابھی منصوبہ سازی کے عمل میں ہیں یا ابھی پوشیدہ ہیں، گو یادہ جو ابھی رازوں کے اندر راز ہیں، وہ سب اُس کے سامنے ظاہر ہیں۔ اس کی نگاہ سے کوئی نہیں چھوٹتا۔ یاد رہے کہ ایسی کوئی شے نہیں جسے آپ خفیہ طور سے کریں یا اُسے کرنے کا خیال دل میں لائیں جو اللہ الخبیر کو معلوم نہ ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی خفیہ ترین ضروریات جسکا آپ نے اپنی دعاؤں میں تقاضہ نہیں کیا ہے، وہ بھی اللہ کو معلوم ہیں، اور وہ اکثر بن مانگے ہی آپ کو دی جاتی ہیں۔ تو کیا ہم ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو نہ کریں جنہیں اللہ جو کچھ دیتا ہے اُس پر ہمیشہ راضی برضا رہتے ہیں۔ سورۃ البینۃ آیت نمبر ۸ میں ارشاد ہے کہ: ”اللہ اُن سے راضی اور وہ اس سے راضی“ اور سورۃ الرحمن آیت نمبر ۶ میں ارشاد ہے کہ: ”کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے۔“

احسان کی انتہا یہ ہے کہ اللہ اپنے بندے سے راضی ہو اور یہ اس بندے کا انعام ہے کیونکہ وہ اپنے رب سے راضی رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”قیامت کے دن اللہ میری اُمت کے ایک گروہ کو پُر عطا کرے گا۔ وہ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور

پھر وہ اُڑتے ہوتے سیدھے جنت میں جائیں گے اور اس مقام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ پھر ملائک اُن سے پوچھیں گے: ”کیا آپ نے اپنا حساب دیکھا؟“ وہ جواب دیں گے: ”نہیں، ہم نے کوئی حساب نہیں دیکھا۔“ ملائک دوبارہ پوچھیں گے: ”کیا آپ نے پُل صراط کو عبور کیا ہے؟“ وہ جواب دیں گے: ”نہیں، ہم نے پُل صراط کو عبور نہیں کیا ہے۔“ ملائک پھر پوچھیں گے: ”آپ کا تعلق کس کی اُمت سے ہے؟“ وہ کہیں گے: ”ہم اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ ہیں۔“ اس کے بعد ملائک انہیں قسم دے کر پوچھیں گے: ”دُنیا میں آپ کے ایسے کون سے اعمال تھے جس کے باعث آپ کو ان نعمتوں سے نوازا گیا ہے؟“ اِس پر یہ لوگ کہیں گے: ”ہم خلوت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے حیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہماری قسمت میں لکھ دیا تھا اُسی تھوڑے پر راضی رہتے تھے۔“ پھر ملائک کہیں گے: ”بے شک آپ اس مقام کے مشاق ہیں۔“

جب کوئی شخص اللہ کے دیتے ہوئے رزق سے راضی و مطمئن ہو، تو (اس کا) دل محروم اور غیر مطمئن محسوس نہیں کرے گا۔ وہ ہر اُس چیز کے لئے ہمیشہ شکر گزار ہوگا جو اُس کی قسمت میں ہے۔ انسان ہر وقت اللہ سے مانگیں، کیونکہ یہ اللہ ہی ہے جس سے تمہیں مانگنا چاہیے۔ لیکن انسان میں توکل اور صبر بھی ہونے چاہیے، اور اللہ پر کامل بھروسہ کے اللہ جب بھی اور جتنا بھی دے، وہ بہترین ہے۔ جس طرح بھی اُس کی دُعائیں قبول ہوں، اُسے اُس پر مکمل راضی رہنا چاہیے، کیونکہ اللہ ہی سب سے بہتر جانتے والا اور بہترین رازق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ کے عاشقین مصائب اور مشکلات کی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ پر اُن کا ایمان اور یقین اتنا مضبوط ہے کہ کوئی بھی دنیاوی دکھ درد یا

کوئی بھی دنیاوی مصیبت انہیں ناامید اور پریشان نہیں کر سکتی۔

جب ہم اولیاء کا ذکر کرتے ہیں، تو کیا ہمیں حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی بات نہیں کرنی چاہیے، جو ایک کامل بزرگ اور صاحبِ کرامت ولی اللہ تھے جن کا تعلق اُس دور سے تھا جب اللہ کی مخلوق گناہ اور نافرمانی کے گہرے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی، اُن کی نظر عنایت اور پُر خلوص دعاؤں نے ہزاروں دلوں کو تبدیل کیا اور انہیں راہِ نجات دکھادی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک شیخ محمد تھا اور آپ کو شاہ میر بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کا نسب (۲۸) اٹھائیسویں پشت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد صاحب حضرت قاضی سائیں دتتا رحمۃ اللہ علیہ تھے اور والدہ پاک بی بی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں، دونوں اپنے وقت کے ولی اور ولیہ کامل تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۰ھ اور ۹۵ھ ہجری کے درمیان سیوستان میں ہوئی۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے بارے میں داراشکوہ لکھتے ہیں کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ”جب میرے بڑے بھائی پیدا ہوئے تو میری والدہ نے اپنے کشف کے ذریعے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اُن کا بیٹا عرفان کے کسی مقام تک نہیں پہنچے گا، اسلئے انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ”اے اللہ! میں تجھ سے ایک ایسے بیٹے کے لئے التجا کرتی ہوں جو عارفِ کامل ہو، اور ہر وقت عبادت اور ریاضت میں رہے۔“ پھر ایک نداء غیبی نے جواب دیا: ”تم نے ایک بیٹا مانگا ہے، ہم تمہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا کریں گے، جو انہی صفات کے حامل ہوں گے جو تو چاہتی ہے۔“ تو اس طرح حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ کی ایک بہن بی بی جمال رحمۃ اللہ علیہا بھی تھیں، جو مادر زاد ولیہ اور ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھیں۔

جب حضرت میاں میر رحمة اللہ علیہ کی عمر، برس کی ہوئی، تو آپ کے والد کا انتقال ہوا اور آپ کی تمام تر ابتدائی روحانی تربیت آپ کی والدہ نے کی۔ جب آپ بالغ ہوئے تو آپ نے اپنی والدہ کی اجازت سے ایک کامل دلی، شیخ خضر سیوستانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی، جن کا مسکن پہاڑوں میں تھا اور جو صرف ایک تہہ بند پہنا کرتے تھے، چاہے موسم سرد ہوتا یا گرم۔ اُن کی غذا جنگلی میوے اور درختوں کے پتے ہوا کرتے تھے۔ جب موسم زیادہ سرد ہوتا تو وہ ایک تنور روشن کیا کرتے تھے بہت کم لوگ اُن کے بارے میں جانتے تھے۔

حضرت میاں میر رحمة اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”جب میں نے اپنی والدہ سے اجازت لی، تو میں نے سیوستان کے پہاڑوں کا رخ کیا۔ وہاں میں نے ایک تنور دیکھا جس پر ایک برتن رکھا تھا، جو ابھی گرم تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے سوچا کہ یہ (ضرور) کسی بزرگ کا ٹھکانہ ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس وقت تک وہاں رہوں گا جب تک کہ اُن بزرگ سے ملاقات نہ ہو جائے۔ میں وہاں ۳ دن تک رُکا رہا بغیر کچھ کھاتے پیئے انتہائی سردی میں۔ میں جسم کو گرم کرنے کیلئے اس تنور میں بیٹھ تو سکتا تھا مگر اس بزرگ کے احترام میں، میں نے خود کو ایسا کرنے سے روکا۔ ۳ دن بعد وہ بزرگ تشریف لے آئے، اور جوں ہی انہوں نے مجھے دیکھا اور میں نے انہیں سلام کیا، تو فرمانے لگے: ”وعلیکم السلام یا میر محمد!“ جب میں نے اپنا نام اس بزرگ کے مُنہ سے سنا، تو مجھے سخت حیرت ہوئی میں نے عرض کیا: ”حضور! میں یہاں ۳ دن سے آپ کا منتظر ہوں۔“ بزرگ نے جواب دیا: ”لیکن میں تو صرف ایک دن کے لئے گیا تھا۔“ اس پر میں نے عرض کیا: ”حضور! آپ بہتر جانتے ہیں کہ میں سچ بول رہا ہوں یا جھوٹ۔“ تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ: ”ایسا ہی ہوگا!“ دراصل اپنے استغراق کے باعث شیخ خضر سیوستانی

یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ صرف ایک دن کیلئے گئے ہیں۔ اس مرشدِ کامل سے بیعت ہونے کے بعد حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے اور اس دوران اُنکے مرشد کے فیض نے انہیں درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ پھر ایک دن اُن کے مرشد نے انہیں اجازت دی کہ وہ جہاں جی چاہے چلے جائیں۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور کا رخ کیا اور جا کے مولانا سعد اللہ کے حلقہ و درس میں شامل ہو گئے۔ یہ زمانہ تھا جلال الدین اکبر کا اور اُس وقت حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف ۲۵ سال کی تھی۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اپنے فیضِ روحانیت کے بارے میں اتنے خاموش تھے کہ آپ کے ایک اُستاد، مولانا نعمت اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ: ”میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کئی برس تک میرے پاس پڑھتے رہے اور انہوں نے میرے تمام علوم حاصل کر لئے مگر آپ کے حالات سے ہم کبھی آگاہ نہ ہو سکے۔“

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ بھیر پرتھانی کو ترجیح دیتے تھے اور باغوں اور جنگلوں میں جانا پسند فرماتے تھے جہاں اللہ کی نشانیاں ہر طرف بکھری ہوتی تھیں۔ وہاں (اگرچہ) اُنکے مرید ساتھ ہوتے تھے، لیکن وہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اُن کے مرشد کی خلوت میں خلل نہ ہو۔ وہ اپنے شیخ سے ددر جا کر بیٹھتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو پھر سب نماز کے لئے اُٹھتے ہو کرتے تھے۔

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ عام لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے اور تنہائی کو مخلوق پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ رات کے وقت اپنے حجرے کا دروازہ بند رکھتے اور ساری رات یادِ الہی میں قبلہ رو ہو کر بیٹھے رہتے تھے۔ جب لوگوں کو اس دلی کے بارے میں علم ہوا تو انہوں

نے آپ کے پاس آنا شروع کیا جس سے آپ پریشان ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنا مسکن لاہور سے سرہند منقل کیا۔ (لیکن) ایک سال بعد آپ اپنے شہر لوٹ آئے اور اس بار آپ نے رُشد اور ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے دل پاکباز کے ”نور“ نے دوسرے دلوں تک سفر کرنا شروع کیا۔ آپ مُرید بنانے میں پس و پیش کرتے تھے، مگر جو بھی آپ کے حلقہٴ ارادت میں شامل ہوتا درجہء کمال تک پہنچتا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فقر و فاقہ کو پسند فرماتے۔ اللہ پر آپ کا ایمان اتنا کامل تھا کہ اگر آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو تب بھی آپ کو رزق پہنچتا۔ آپ نے ایک بار فرمایا کہ: ”ایک مرتبہ میرے بھائی مجھ سے ملنے اپنے ملک سے آئے۔ وہ لمبے عرصے کے بعد لاہور آئے تھے۔ جب میں نے اپنے بھائی کو دیکھا تو میں بکر مند ہو گیا کہ میں اُن کا کس طرح تواضع کروں، کیوں کہ میرے مسکن میں نہ کوئی خادم تھا، نہ پیسے تھے اور نہ کھانے پینے کا سامان۔ اس لئے میں نے اُن سے کہا کہ آپ آرام کریں، میں آپ کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہوں۔ میں خاموشی سے باغ میں چلا گیا، وضو کیا اور بارگاہِ الہی میں اس طرح دُعا مانگی: ”اے میرے پروردگار! تیرے سوانہ کوئی دست ہے اور نہ کوئی مہربان“

ابھی میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اپنی دُعا پوری بھی نہ کر پاتے تھے کہ ایک نداء غیبی نے کہا:

”اے میرے دست! تیری دُعا کرنے سے بیشتر ہی میں نے تیری مراد پوری کر دی۔“ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”پھر میں نے اپنے بھائی کو اپنی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس پر انہوں نے کہا کہ: کوئی شخص کھانا لے کر آیا ہے اور آپ کا منتظر ہے، میں اسی لئے آپ کو خبر کرنے آیا ہوں۔“

جب حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے تک پہنچے تو آپ نے وہاں ایک انتہائی  
 حین اجنبی کو کھڑے پایا۔ (اجنبی نے آپ سے کہا): ”یہ کچھ رقم ہے آپ کے لئے اور کچھ کھانا۔  
 براہ کرم انہیں قبول فرمائیے۔“ آپ کے لئے اللہ نے پیغام بھیجا ہے کہ جب بھی آپ کو کسی چیز  
 کی ضرورت ہو تو صرف اللہ سے اسی طرح طلب کیجئے جیسے کہ آپ نے کی ہے۔ اور اللہ خود  
 ہی آپ کی مدد فرمائے گا۔“

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے اس ثوب اور حین اجنبی شخص سے پوچھا کہ وہ کون  
 ہیں۔ اس پر اس شخص نے کہا: ”میں رب العزت کا بندہ ہوں۔“ پھر حضرت میاں میر رحمۃ اللہ  
 اور ان کے بھائی نے کھانا تناول کرنا شروع کیا اور انہوں نے اجنبی کو بھی کھانے کی دعوت  
 دی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ: ”میں انکار نہ کرتا، لیکن میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔“ کھانا ختم ہونے  
 تک وہ شخص وہاں بیٹھا رہا اور جو نہی وہ کھانا کھا چکے، اجنبی برتن اٹھا کر چل دیا۔ حضرت  
 میاں میر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص دراصل ایک فرشتہ تھا جس کو یہ کام سونپا گیا تھا۔

سکینت الاولیاء میں شہزادہ داراشکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے  
 ایک بار فرمایا تھا کہ: ”ایک مرتبہ ۴ درویش آپس میں بلے اور پہاڑوں کی طرف چل دیئے۔  
 وہ پہاڑیوستان میں تھے۔ وہاں وہ درویش ۳ دن تک بھوکے رہے، تو ایک درویش نے  
 کہا: ”میں آگے جاتا ہوں کچھ کھانے کی تلاش میں۔“ اس لئے وہ درویش اکیلے آگے کوچل  
 نکلے۔ دوسرے درویش ابھی تھوڑے دور ہی گئے ہوں گے کہ انہیں میٹھے پانی کی ایک نہر  
 نظر آئی اور اس نہر کے کنارے ایک درخت تھا جو پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ اور اس کی شاخیں  
 پھلوں کے بوجھ تلے اس قدر مھکی ہوئی تھیں کہ زمین چھو رہی تھیں۔ تینوں درویش نے اس



درخت میں سے کھایا اور نہریں سے میٹھا پانی پیا، اور کچھ پھل اپنے اس دوست کے لئے بھی لئے جو کھانے کی تلاش میں ان سے آگے گیا ہوا تھا۔ پھر وہ اسی مقام پر لوٹ آئے جہاں انہیں پہلا دوست بھی آکر ملا۔

تینوں دوستوں نے اپنے دوست سے کہا کہ: ”افسوس کہ تم نے اُس درخت سے پھل نہیں کھائے جو اتنے زیادہ تھے کہ اُسکی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں اور اُن پھلوں سے جنت کی خوشبو آرہی تھی۔ ہم اُن پھلوں میں سے کچھ آپ کیلئے بھی لاتے ہیں“ لیکن درویش نے کہا: ”مجھے ان پھلوں کی حاجت نہیں ہے“ پھر حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”بابا! وہ درخت اور وہ پھل اور چشمے کا پانی تو وہ درویش خود تھا جو دوسرے درویشوں کی بھوک مٹانے کے لئے غائب ہو گیا تھا“

کہا جاتا ہے کہ وہ درویش حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ خود تھے۔

اے اُمتِ محمدی! اللہ کے اولیاء ہمیشہ ہر ایک کے لئے باعثِ رحمت ہیں حتیٰ کہ وہ اس دُنیا میں اب موجود بھی نہ ہوں۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ میٹھے پانی کی نہر اور پھلوں سے لدے ایک درخت ہیں۔ اور یہ رُوحانی کھانا اور پانی اللہ کے تمام دوستوں کے لئے ہے، خالص طور سے اُن کے لئے جو اولیاء اللہ اور اُن کے دوستوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ کے ولیوں اور اللہ کے دوستوں کے ہاتھ تھامیئے، توجہ سے سنیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں اور پھر اُن کے ارشادات کو اپنے دلوں پر نقش کیجئے۔ اس طرح اللہ کے اولیاء کی توجہ سے آپ میں سے کئی لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

آخر جب کوئی دوست اپنے دوست سے مانگتا ہے، تو کیا اس کی دعا قبول

ہنیں ہوتی؟ دوستی کا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی بھی خالی ہاتھ کبھی نہیں لوٹتا۔ بس اللہ کے  
عاشقین سے محبت کرتے جائیے اور محبوب ہمیشہ آپ ہی کا ہوگا۔

آمین

تم آمین



## حضرت شاہ محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

### • حالات آخر الزمان

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ربِ دو جہاں ہے، جو پاک پروردگار ہے، جو سبحان درحیم ہے، وہ ذات واحد جس نے رات کو پیدا کیا اور رات کے بعد دن کو پیدا فرمایا، وہی زمان کا خالق ہے اور دنیا کی گھڑی کو ختم کرنے والا بھی وہی ہے۔

دُرود و سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، حبیب اللہ پر اور اُمت کو نجات دلانے والے پر، اور اُن پر جو اپنی اُمت کے لئے نہایت شفیق اور بے انتہا رحیم ہیں۔

۶

سلامِ رحمت اور برکتیں آپ سب کیلئے اور آپ کے پیاروں کیلئے۔ سلامتی اللہ کے پیاروں کیلئے جنہیں یہ محبت جب ملتی ہے تو انہیں شفیق بناتی ہے اور دوسروں کیلئے نرم دل۔ محبت کی کئی صورتیں ہیں۔ یہ پھولوں کی طرح ہے، لیکن مختلف خوشبوؤں میں۔ یہ ایک زبان کی طرح ہے جو مختلف بولیاں بولتی ہے۔ یہ سورج اور چاند کی طرح ہے جو دونوں روشنی کا باعث ہیں اگرچہ دونوں مختلف نظر آتے ہونگے، اور شہد اور شکر کی طرح ہے۔ دونوں کی اصل جدا جدا ہے مگر دونوں کا ذائقہ میٹھا ہے۔ بالکل اسی طرح محبت کی جدا جدا صورتیں ہیں۔ خالص محبت اللہ کی عطا ہے۔ جب یہ کسی سچے دل میں داخل ہوتی ہے، پھر وہ دل بھی اس محبت کو برسانا شروع کر دیتا ہے۔ جب ایسا شخص اپنے

بیٹے کی طرف دیکھتا ہے تو پھر باپ کی محبت اس کی اپنی آنکھوں سے پھوٹتی ہے۔ جب وہ اپنے بھائی بہنوں کی جانب دیکھتا ہے، تو پھر اُنہی محبت پھوٹتی ہے۔ جب نگاہیں زوہر پر پڑتی ہیں، تو شفقت اور نرمی جھلکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبت چاہے ایک ہی ہو، لیکن اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

وہ دل جو محبت سے خالی ہے، وہ دراصل ہر جذبات سے خالی ہے، شفقت سے خالی ہے، اور رحم و نرمی سے خالی ہے۔ ایسے لوگ ظلم اور رحم دلی کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ انہیں یہ احساس نہیں کہ دل سخت الفاظ سے آسانی سے ٹوٹ جاتے ہیں یا تکبرانہ رویے سے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ وہ دل جو سچی محبت سے عاری ہیں وہ انتہائی مغموم دل ہیں۔ وہ حقیقت میں خوشی اور مسرت سے خالی ہیں کیونکہ یہ تو صرف سچی محبت کی پیداوار ہیں، یعنی محبتِ الہی کی۔

اللہ کی محبت کے حامل عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ عاشق جب اللہ کی کسی مخلوق کو دیکھتے ہیں، تو وہ اُس سے محبت کرتے ہیں اگر وہ دوستوں سے محبت کرتے ہیں، تو محبت اُن سے کہتی ہے کہ وہ دوستوں سے وفادار رہیں۔ اگر وہ بھائی بہنوں سے محبت کرتے ہیں تو محبت اُن سے کہتی ہے کہ وہ اُن سے نرم اور شفیق رہیں۔ اگر وہ بوڑھے والدین سے پیار کرتے ہیں تو محبت اُن سے کہتی ہے کہ اُن کے ساتھ کرم اور نرمی کا برتاؤ کریں۔ اور جب وہ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں تو محبت انہیں بتاتی ہے کہ وہ اُن کی نگہبانی اور رہنمائی کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے عاشق کبھی اپنی محبت نہیں چھپاتے، چاہے اُن کے سامنے کوئی بھی ہو یا وہ کس طرح کے حالات کا شکار ہوں۔ ایسے ہوتے

ہیں اللہ کے عاشقین: ہمیشہ عام لوگوں سے مختلف۔

آج ہم ایک ایسے مہربان عاشق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جنہوں نے بھی اپنی محبت کا اظہار مختلف صورتوں میں کیا تھا۔ پہلے تو وہ اللہ کے عاشق تھے، یہ ہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف اپنے فرائض میں بہت محتاط تھے۔ پھر وہ ایک ذمہ دار بیٹے تھے، اس لئے اپنی زندگی میں وہ اپنے والدین کے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہے، وہ ایک محبت کرنے والے زوج بھی تھے جو اپنے گھرانے کی ضروریات سے آگاہ تھے۔ وہ ایک شفیق باپ بھی تھے، ہر وقت اپنے بچوں کے رہنا، اپنے ارد گرد موجود لوگوں کے لئے زہد و تقویٰ کا ایک نمونہ تھے۔ آپ تھے غوث الوقت، قطب الصالحین، ضبط العالمین، حضرت خواجہ شاہ محمد غزن قادری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے درویش تھے، جنہوں نے اپنے ۸۲ سالہ حیات میں خود کو محض رکھا تھا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی صوم صلوٰۃ کے سخت پابند تھے۔ حالانکہ آپ کی حیثیت ایک آفیسر کی تھی، لیکن پھر بھی آپ ہر وقت ذکر الہی کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر ہر وقت ”ربتی، ربتی“ کا ورد رہتا تھا چاہے آپ کسی بھی حالت میں ہوتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک قادری سہروردی بزرگ تھے اور یہ شرف آپ کو نہایت کم سنی میں ہی عطا کیا گیا تھا، اور اُس کا گہرا اثر آپ پر زندگی بھر رہا۔ جب آپ ریٹائر ہوئے تو تب بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے میں خلوت ہی کو پسند فرماتے تھے۔ اپنا وقت اپنے اللہ کیلئے وقف کر دیا تھا اور ہر وقت حالاتِ حضورِ میں رہتے تھے۔

آپ حضورِ نشت پسند فرماتے تھے، یعنی ہر روز ۱۸/۲۰ گھنٹے دوزانو ہو کر

ذکر اللہ میں بیٹھتے۔ آخر کوئی عہد، کوئی غلام اس کے علاوہ کس طرح بیٹھ سکتا ہے، یا اسکے علاوہ اور کیا شغل کر سکتا ہے۔ آپ کی زندگی میں سخت نظم و ضبط تھا کیونکہ آپ کی نگاہ میں نظم و ضبط دین کی رُوح تھی۔ آپ اپنے وظائف اور معمولات میں نہایت پابند تھے۔ اور خلافِ شرح ہر چیز سے سختی سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے ادلیاء کے دست تھے۔

آپ بڑی آسانی سے دوسروں کے دلوں میں جھانک سکتے تھے، اور جب کبھی آپ کسی دل میں اللہ کی سچی محبت پاتے تو آپ ضرور اُس دل کا احترام کرتے اور ایسے شخص کو اپنے حُجرے میں خیر مقدم کرتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درویش دوست آپ کے یہاں آجاتے تھے اور ہفتوں قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ اُن کے تواضع میں کبھی تنگی محسوس نہیں کرتے۔ دراصل یہی ہوتا ہے اللہ کی راہ پر چلنے والوں کا ساتھ۔ اُن کی راحت اور قرار صرف ذکر الہی میں ہے۔ اُن کے دل محبوب کو تلاش کرتے ہیں، اُن کی آنکھیں جلوہ محبوب کی تلاش میں رہتی ہیں، اور اُن کے کان اُن کے معشوق کی تعریف و توصیف سننے کو ترستے ہیں۔ جب انہیں یہ سب مل جاتا تو وہ پروانے کی طرح ہو جاتے ہیں جو شمع کے گرد منڈلاتے ہیں اور اپنی محبت اپنے معشوق پر نچھاور کرتے ہیں، چاہے وہ اُسے کسی بھی طرح رکھتے یا اُس کا انجام کیا ہو۔ یہ ہے طریقہ جس سے اللہ کے عاشق اللہ کی محبت کو ڈھونڈتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اگر میں کسی رات اُس شاہِ خواباں کو اچانک دیکھ لوں، میں اپنا سر اُس کے قدموں میں رکھ دوں اور دل و جان اُس پر فدا کر دوں۔ میں دل میں ایک آگ روشن کر دوں اور دنیا کے قبلہ کو جلا ڈالوں پھر اس محبوب کو ابرؤں کا قبلہ بناؤں گا۔“

اے ساقی، آتیرا چہرہ میرے لئے شمعِ حرم ہے۔ میں میخانے کے گرد چکر

لگاؤں گا اور مستوں کے پاؤں چوموں گا۔“

سرکاری نوکری سے ریٹائرمنٹ کے بعد حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا وقت خلوت میں گزارا لیکن اس میں بھی وہ دوسروں کی ضروریات سے غافل نہیں رہے۔ آپ کی رحم دلی اُن خاندانوں کے بچوں کے لئے وقف تھی جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اُن کو ماہانہ وظائف اور کتابیں دیتے تھے، اور اُن کی دوسری ضروریات کے لئے بھی رقم دیا کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے غریب رشتہ داروں کو بھی اپنی آمدنی میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ جہاں اللہ نے آپ کو ایک فیاض دل عطا کیا ہوا تھا، آپ کی دریادلی انتہائی خاموش اور پوشیدہ رہتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کہاوت کے حامی تھے کہ ”جب آپ اپنے دلہنے ہاتھ سے دیتے ہیں تو بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو۔“

اللہ کے عاشق وہی کچھ کرتے ہیں جس سے اُن کا اللہ راضی ہو۔ ہر نیکی کا کام اللہ کو حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے نہ کہ اپنے نفس کو مطمئن کرنے کے لئے۔ اہل طریقت کا شیوہ یہی ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اُن کی نیت فقط اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ کھاتے اسی لئے ہیں تاکہ عبادت کے لئے اُن میں قوت پیدا ہو۔ وہ سوتے اسی لئے ہیں کہ اُن کے بدن تازہ ہوں اور اللہ کے کام میں وہ سُست نہ ہوں پائیں۔ وہ بولتے فقط اللہ کے توصیف کرنے کیلئے۔ وہ خاموش اسی لئے رہتے ہیں تاکہ اُس کی صدا کو سنیں، اُس کے محبت بھرے الفاظ کو سنیں۔ الغرض اُن کا وجود، اُن کا مال، اُن کی صحت، اُن کا وقت اور اُن کی قوتیں سب اُسی کے لئے ہیں جو سب کا ربِ جلیل ہے۔

حضرت شاہ محمد عزن رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ اگر صرف ایک شمع جلتی ہے، تو اُس کی روشنی تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتی ہے، لیکن اگر آپ اُسی شمع سے دوسری شمعیں بھی جلا کر شروع کر دیں، تو تاریکی غائب ہو جائے گی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے کہ روشنی آپ کے اپنے گھر سے شروع ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کی تربیت اور نظم و ضبط کے معاملے میں خبردار رہتے تھے۔ آپ کو تو پہلے سے ہی بتایا جا چکا تھا کہ آپ کے بچوں کی نسبت بھی راہِ سلوک سے ہوگی اور وہ میدانِ حقیقت کے شہسوار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے ننھے پودوں کا بطورِ خاص خیال رکھنا تھا، تاکہ وہ بڑھ کر مضبوط اور تناور درخت بنیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقہء حیات تو جوانی میں آپ کو تنہا چھوڑ کر داغِ مفارقت دے گئیں تھیں، اور چھوٹے بچوں کی ذمہ داری والد کے کندھوں پر آن پڑی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ شادی نہیں کی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

”شادی صرف نفس کی خاطر نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک مقدس فرض بھی ہے، یعنی اپنی اولاد کے متعلق جو فرض اُس پر عائد ہوتا ہے اُسے ادا کرے۔ جو اپنی اولاد کا حق ادا نہیں کرتا، دیکھ بھال نہیں کرتا، اُن کی تربیت نہیں کرتا، مجھے وہ ہرگز پسند نہیں۔“

آپ رحمۃ اللہ علیہ دراصل اُس کی اتباع کر رہے تھے جو اسلام نے مومنین کو واضح طور سے دکھا دیا تھا، یعنی اگر کوئی حلقہٴ انسانیت میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ہر ایک کے جو حقوق ہیں اُن سب کو پورا کرنا ہوگا۔ ایک بار الولید بن نمیر بن اوس نے فرمایا کہ: ”میں نے اپنے والد، نمیر بن اوس کو یہ کہتے سنا کہ زہد کی طرف رغبت اللہ کی دین ہے، لیکن آداب سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔“



ایک حدیث میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُن کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس بات کے گواہ رہیے کہ میں نے نعمان کو اپنی دولت سے اتنا مال تحفے میں دیا ہے۔“ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”کیا آپ نے اپنے تمام بچوں کو بھی اتنا دیا ہے؟“ انہوں نے عرض کیا: ”نہیں۔“ اس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پھر میرے علاوہ کسی دوسرے کو اس پر گواہ بنائیے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مزید فرمایا: ”کیا آپ کو اس سے خوشی نہ ہوگی اگر وہ سب آپ سے یکساں طور پر مہربانہ سلوک کریں؟“ انہوں نے عرض کیا: ”جی ہاں، مجھے ایسے ہی پسند ہے۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو پھر کیا یہ مناسب ہے کہ آپ ایک کو دیں اور دوسرے کو محروم رکھیں؟“ یہ تھا پیغام یعنی اپنے بچوں کے معاملات میں انصاف کیجئے۔ یہ بات ”نوٹ“ کرنے کے قابل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح نہیں دی، بلکہ فرماتے تھے: ”اگر آپ بچوں سے اچھے برتاؤ کی توقع رکھتے ہیں، تو پھر والد کی حیثیت سے آپ کو پہلے اچھا برتاؤ انکو فراہم کرنا چاہیے، صرف اسی صورت میں والدین کو وہ اپنے بچوں سے بدلے میں ملتا ہے۔“

ایک بار سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”اللہ نے کسی لوگوں کو ”ابرار“ (پرہیزگار) سچا) کہا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں سے مہربانہ سلوک کیا ہے۔ جس طرح ایک باپ کو اپنے بچے پر حق ہے، بالکل اسی طرح اُس کے بچوں کا بھی اس پر حق ہے۔“

بصیرت و حکمت کے یہ الفاظ آج کے دور میں غائب ہیں۔ والدین کو احساس ہی نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اکثر والدین اپنے بچوں کی دنیاوی تعلیم کا

منصوبہ تو بناتے ہیں لیکن بچوں کو دینی علم دلوانے پر کوئی منصوبہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ بچوں کو قرآن سیکھانے کے لئے قاری کا انتظام کرتے ہوں، لیکن اُس کے علاوہ کوئی کوشش نہیں۔

اسلام ایک ضابطہ حیات ہے، یہ صرف نمازِ جمعہ ہی نہیں جس کے بعد پورے ہفتے کوئی اسلام والا معاملہ نہیں۔ اسلام تو دراصل اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آدمی صبح آنکھیں کھولتا ہے، اور رات کو آنکھیں بند کرتے وقت تک جاری رہتا ہے۔ ہر ایک عمل جو آپ کرتے ہیں اس میں اسلام کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی والدین آخریہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ بچے کو محض قرآن سیکھانے اور نماز پڑھانے سے وہ اس کو فتنہ آخریہ زمان سے بچا سکتے ہیں۔ یہ محض ایک خام خیالی ہے اُن کے ذہن کی، جو کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ طوفانِ آخر کا طغیان اُن لوگوں کے لئے ہلاکت خیز ہے جو اس سے بے خبر ہیں، جو خود کو اور اپنے بچوں کو بچانے کے لئے کچھ کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ طوفانِ آخر کی موجیں ابھی ابھرنی شروع ہو چکی ہیں، لیکن اُس سے بننے والا کامل طوفان آپ کے بچوں اور بچوں کے بچوں کے دمتوں میں آئے گا۔ اگر آپ اپنے بچوں کو اس کے لئے تیار کرتے ہیں، انہیں اسلام کی صحیح تعلیم دیں گے، انہیں اس کے قوانین اور ضابطوں کی پابندی کرائیں گے، انہیں راہِ سلوک، یعنی روحانیت کی صورت دکھائیں گے اور اُن کے دلوں میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بٹھائیں گے، تو تب ہی آپ اپنی آئندہ نسل کی بقاء کی امید رکھ سکتے ہیں۔ طوفانِ آخر وہ تباہ کن طوفان ہے جس میں اُن نام نہاد مسلمانوں کے ایمان بہہ جائیں گے۔ ہر کمزور ایمان، ایمان نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ آخر زمان کی رنگارنگی اتنی شدید اور

بچکا چونکہ ہوگی کہ وہ آسانی سے آدمی کو اندھا بنا دے گی، خاص طور سے جو ان آنکھ کو جو اتنی نہ سمجھ اور فوری متاثر ہونے والی ہوتی ہیں۔ اسی لئے آپ کو بڑوں کی مثال پہ چلنا چاہیے اور اپنے بچوں پر اضافی توجہ دینی چاہیے اور انہیں ان کے مستقبل کے لئے تیار کرنا چاہیے۔ وہ آپ کا سرمایہ ہیں۔ وہ اللہ کی امانت ہیں جو آپ کے سپرد ہیں۔ ان کا تعلق اُمتِ محمدی سے ہے اس لئے اضافی محبت بھری توجہ دیں بیشک اس کیلئے آپ کو انعامات سے نوازا جائیگا، نہ صرف اس دنیا کے انعامات بلکہ آخرت کے انعامات سے بھی۔

جس طرح آپ کے مرشد کے پیارے والد نے تربیت کے اثر کو ثابت کر دکھایا نہ فقط اپنے بیٹوں کے ذریعے، بلکہ ان ہزاروں عارفی، نوریوں کے ذریعے جنہوں نے اپنے مرشد کا عکس اپنایا ہے۔

حضرت شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”چونکہ والد بزرگوار ٹونگ آفیسر تھے، زیادہ وقت دورے میں گزارتے تھے، نوکر چاکر رکھے تھے۔ بچوں کے تمام فرائض ان کے سپرد تھے اور بچوں کی دیکھ بھال اس حد تک کی کہ ہر بچے کو اپنے ماسٹر سے لکھو اگر روزانہ لانا پڑتا تھا کہ اُس نے گھر کا کام کیا ہے اور جس جگہ ان کی تقرری (پوسٹنگ) ہوتی، وہاں ہدایت کر دیتے کہ: ”میرے بچوں کو کوئی ماسٹر نہ مارے“ سرکلر جاری ہو جاتا۔ ماسٹر صرف سزا تجویز کرتے تھے اور وہ اسی کے مطابق آکر سزا دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بچوں پر ایک شخصیت کا کنٹرول ہونا چاہیے ورنہ ان کی شخصیت منقسم ہو جاتی ہے یہ دو غلہ پن نہیں ہونا چاہیے۔ کمانڈ ایک آدمی کی ہونی چاہیے“

مذکورہ بالا میں یہ پیغام مضمیر ہے کہ: ”اپنے بچے پر کڑی نظر رکھیں کہ وہ کیا کر رہا ہے

ہے اور پھر اس کی زندگی میں نظم و ضبط لائیں۔ حالانکہ والد ہر وقت موجود نہیں تھے، لیکن اُن کا رعب اور اُن کی ہدایت کسی بھی بچے کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کے لئے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔“

حضرت شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والدِ محترم سے کافی چیزیں اخذ کی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا نظم و ضبط اپنایا، اُن کا رعب اور بے خوفی اپنائی، اور ادبِ کرام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنائی۔ تو کیا آپ کو بھی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع نہیں کرنی چاہیے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ایک سہروردی، قادری بزرگ تھے اور غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کی نسبت بڑی مضبوط تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ پورے اردن بستر پر رہے اور اہل ہی دن حالاتِ استغراق میں رہے اور ٹھیک گیا رہیں روز آپ دنیا سے پردہ فرما کر اپنے محبوب سے ملنے چلے گئے۔ گیارہویں دن جب آپ استغراق سے نکل آئے تو آپ نے اپنے تمام بچوں کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا: ”میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطاعت گزار اولاد عطا کی ہے، کسی کا ایک دلی ہوتا ہے، کسی کے دو دلی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے میری ساری اولاد کو ویلانِ کامل بنا دیا ہے۔“

اے اُمتِ محمدی! اللہ کے دلی ہمیشہ دنیا پر ایسا اثر چھوڑتے ہیں کہ جس سے انہیں اور اُن کے کارناموں کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے ہی دلی تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عارفیہ، نوریہ کے شجر ہیں، وہ درخت جو دنیا کی آخری سانس تک ہرا بھرا اور پھلدار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ اُن کے (درجات) اور ہمارے مرشدین کے درجات اور بلند

فرمائے اور ہم سب کو فنا فی المرشد بنائے۔

آمین

(تم آمین)



## گیا رہیں شریفؑ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی پاکی بے شمار پاک زبانیں بیان کرتی ہیں، اور جس کی حمد پاک دلوں کے لئے قوت کا باعث ہے۔ جو بڑی شان والا اور جلال و عظمت والا ہے، اور جو تمام دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

درد و سلام اُس معصوم دل پر، اور اُن جھکی ہوئی نگاہوں پر، جو ادب کی قدردانی قیمت سے آشنا ہیں، اور جو تمام تخلیقات میں سے سب سے زیادہ باادب ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کیلئے۔ سلامتی ہو اُن سب کے لئے جن کے دل کشتی و نور نبی میں سوار ہونے کے لئے تڑپتے ہیں۔ بیشک صرف سچے دل ہی اُس میں جگہ پائیں گے۔

بنی آدم میں یہ رُحمان پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے فوری فائدے کو دیکھتے ہیں۔ اُن کے ذہن بہت کم اپنے طویل المدتی فوائد یا نعمات کی طرف جاتے ہیں۔ یہ اُس شخص کی مثال ہے جو ایک دور دراز کے سفر پر نکلا ہے، لیکن بجائے اس پورے سفر کے لئے ایک جامع منصوبہ بنانے کے، وہ روزانہ کے حساب سے آگے بڑھتے ہیں۔ ہر روز وہ لپک نئے راستے پر چلتے ہیں، اور جب وہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو انہیں اُن کی منزل کی

طرف نہیں لے جا رہا ہے، تو پھر وہ واپس لوٹ جاتے ہیں۔ ذرا اس سفر کے دوران ضائع ہونے والے وقت اور قوت کا توازن لگائیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ محض دائروں میں گھوم رہے ہوں، کہیں نہ پہنچتے ہوں۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کے مطابق زمان کے خاتمے کے لوگ اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ اُن کی آنکھیں، جو حرص اور طمع سے ڈھکی ہوئی ہیں، وہ طوفانِ آخر کی دھیرے دھیرے ابھرتی موجوں کو نہیں دیکھ پا رہی ہیں، اُن کے بندکان طوفان کے خطرے والی آوازوں کو نہیں سن پا رہے ہیں۔ جب کوئی شخص بہرا اور اندھا ہو، تو پھر آپ اُسے کیسے تصور و آبر بنا سکتے ہیں کہ وہ کیوں اُن نشانیوں کو دیکھ نہیں سکتا ہے جو اتنی واضح اور صاف ہیں۔

اگر کوئی شتر مرغ اپنا سر ریت میں ڈالے تو کیا وہ خود کو اُس خطرے سے بچا سکے گا جو اُس کے سر پر منڈلا رہا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ وہ سب لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وقت کے خاتمے کی بات غیر ضروری ہے، یا ابھی وہ وقت دُور ہے جب دُنیا دجال کی آمد کو دیکھے گی، تو ایسے لوگ بس احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ اگر آپ اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہیں: ”سب کچھ اچھا ہے“ تو یہ آپ کو یقیناً اُن کالے بادلوں کی گھن گھرج سے نہیں بچا سکتا جو آپ کے اوپر پھیلے ہوئے ہیں اور جنہوں نے دجالی فتنے کی بارشیں برسانا شروع کر دی ہیں۔ ہم یہ بات بار بار کہہ رہے ہیں، اور اسے دوبارہ دہرا رہے ہیں، کہ جو بھی کشتیِ رنورِ نبی پر نہیں ہوگا وہ ایک تنگ و بے بس کی طرح ہوگا ہلاکت خیز طوفان کے آگے۔ اگر آپ میں سے کسی کو یہ گمان ہے کہ اس کے پاس اتنی دفاعی قوت ہے کہ وہ خود کو طوفانِ آخر کی ہولناکیوں سے بچا سکتا ہے، تو یہ محض اُس کی خام خیالی ہے۔ اس طرح سوچنا اُس کی جہالت ہے۔ آپ

ایسے سمندر میں اکیلے کس طرح تیر سکتے ہیں جس کی موجیں آسمان کو چھو رہی ہوں اور جس کے بھنور ایسے خوفناک ہیں کہ دنیا نے پہلے ایسے کبھی نہیں دیکھے ہیں۔ ایسے حالات میں آپ سب کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے جو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کشتی میں سوار کر سکے، وہ کشتی جو فقط سچے دلوں کے لئے ہے، وہ کشتی جس نے اس وقت سے اپنا سفر شروع کیا تھا جب سلسلہ نظامیہ نوریہ نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، اور اس سفر کو وقت کے خاتمہ تک جاری رکھے گا، یعنی جب زمین اپنی آخری سانس لے گی۔

اس کشتی نے اپنے بادبان کھول دیئے ہیں اور اپنے سفر کا آغاز ہند سے کر دیا ہے، یعنی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے، اور چند سالوں میں اس کی سمت ہند سے مدینہ کی طرف ہو جائیگی۔ اور بے شک یہ وہ وقت ہو گا جب دنیا کو یہ احساس ہو گا کہ حرم شریف ہی سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہوگی، وہ واحد جگہ جہاں کشتی نوریہ کی تمام سواریوں کو دجال فتنے سے امان ملے گی۔ کشتی نوریہ رسول اللہ ﷺ کی کشتی ہے، آپ کے اہل بیت کی، اور تمام اولیاء اللہ کی جو رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ جو کوئی بھی اس کشتی میں سوار ہونا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ ان پاک نفوس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے۔ ایک بار جو آپ اس کشتی میں داخل ہوں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں کئی خوبصورت رنگ ہیں۔ اس میں مستی اور جذب کے رنگ ہیں، بے خودی اور تڑپ کے رنگ ہیں، روحانیت اور فنایت کے رنگ ہیں۔ یہ رنگ اللہ کے عاشقوں کے رنگ ہیں، اس کے محبوبین کے دلوں کے رنگ ہیں۔ اور ان تمام رنگوں میں ایک ممتاز رنگ ہے جو باقی تمام رنگوں سے نمایاں ہے۔ تو پھر ہم اُس دل کے بارے میں بات کیوں نہ کریں جس میں یہ رنگ نمایاں ہے، وہ دل جو اتنا قیمتی اور



انمول ہے کہ اس کی مثال آپ کو مشکل سے کہیں اور نظر آئے۔ یہ ایک جلالی اور ساتھ ہی ایک  
جمالی دل ہے، ایک دل جس میں محبت کا شدید درد پنہاں ہے، لیکن پھر بھی ایک ایسا دل  
ہے کہ جو دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھتا ہے، ایک ایسا دل جو کہتا ہے:

ے قبہ حاجات دل کوئے خرابات ما

وقت مناجات دل محی برآں در روم

(ہماری تمام حاجات کا کعبہ و قبہ ہمارے میخانے کا کوچہ ہی ہے۔ یہ اسی اللہ کا در ہے اے

محی الدین!) میں تو اپنے دل میں مناجات قلبی کے لئے اسی در کی جانب جا رہا ہوں۔)

ے سینہ بسے تنگ است و دل از غیر می دارم تہی

ہمان غم آمد مرا در حبان سرا می روم

(میرے سینے میں زیادہ گنجائش نہیں ہے اس لئے اس میں محبوب کے علاوہ کسی دوسرے

کے لئے جگہ نہیں ہے۔ میرے ہاں تو ہمان غم آیا ہوا ہے، اور اس کو میں اپنی جان کی سیرائی

میں ٹھہرانا چاہتا ہوں۔)

یہ الفاظ حضرت غوث الاعظم، محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث الثقلین، حضرت

محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب اطہر سے نکلنے والے الفاظ ہیں۔ یہ متقی امام

الاولیاء، ایران کے قصبے جیلان میں پیدا ہوئے، جو بغداد سے ۳۰۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

آپ کے والد سید ابوالصالح موسیٰ اور والدہ محترمہ امم خیرناطمہ تھیں۔ آپ کے دادا سید

عبداللہ سمائی ایک کابل بزرگ تھے اور اسی طرح آپ کے والد بھی ایک صاحب کشف

بزرگ تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ ابھی کم عمر تھے، اس لئے اس کم عمر والے کے وارث آپ کے دادا سید عبداللہ بن گئے۔ یہ دور سلجوقی سلطان معین الدین عبدالفتح کا دور تھا، جو عرفان کی ایک خوشحال سلطنت کا سلطان تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کم عمری میں ہی حفظِ قرآن کر لیا تھا اور آپ نے اپنے نانا کی لائبریری سے فارسی کی کئی اہم کتابیں بھی پڑھ ڈالی تھیں۔ لیکن قصیدہ جیلان آپ کی عربی اور دیگر دینی علوم کی پیاس کو نہ بجھا سکی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو بغداد جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک قافلے کے ہمراہ بغداد کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ سال ۴۸۸ھ ہجری تھا۔ آپ نے وہاں علماء اور شاہخ سے علم حاصل کیا، جو خود بھی علم و حکمت کے آسمان کے روشن ستارے تھے۔ آپ کے ایک شیخ، ابو سید المبارک الخظومی تھے جن کا مدرسہ محلہ باب لائزج میں تھا۔ انہوں نے اس مدرسے کی نگرانی حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دی۔ مزید آٹھ (۸) سالوں تک حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ مدرسہ جامعہ نظامیہ میں جاری رکھا، جس کے بعد آپ نے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام کیا تھا، اُس کو بد قسمتی سے انسانی قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اور نہ ہی اُسے آج کے زمانے کے لوگ سمجھ پائیں گے۔ غوث کون ہوتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ظاہری نظام کی طرح اللہ نے ایک باطنی نظام بھی بنایا ہے جو صرف اُن لوگوں کے لئے کھلا ہوا ہے جو اُس نظام کے کارندے ہیں۔ اس

باطنی نظام میں کچھ مردانِ غیب ہیں جو قطب، اوتاد، ابدال، مجذوب، منجذب اور غوث ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس نظام کو چلاتے ہیں اور یہی لوگ اللہ کے امر کو نافذ کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے مقام کے مطابق اللہ سے اپنے اپنے امر کو نافذ کرنے کی التجا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے اختیارات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کی مرضی کی خلاف کچھ نہیں کرتا۔ ان کی مرضی اللہ کی مرضی ہے اور ان کی ذات اللہ کا منظر ہے۔ اقطاب میں قطب مدار اور غوث بھی ہیں۔ جو شخص غوث الاعظم ہیں، وہ اسرارِ حق تعالیٰ کے مظہرِ کلی ہیں۔ جسم غوث باقی تمام جسموں سے لطیف تر ہے، اور صرف کسی غوث کی دعا سے ہی کوئی دوسرے ولی غوث کا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ غوث الاعظم تہہ زمین سے لے کر عرش تک تصرف رکھتے ہیں۔ اور یہ ہر وقت اللہ کی صفات کی تجلی میں ہوتے ہیں۔ ان کی پہنچ تمام مخلوقات پر چھ جہت سے ہے اور یہ مقام جبروت والے ہیں۔

(مخلوق پر چھ سمتوں میں تصرف رکھتا ہے اور مقام جبروت میں ہے)

یہ فرشتوں کو ان کے کاموں سے روک سکتے ہیں اور لوح محفوظ کی ترتیب بدل سکتے ہیں۔ مردہ کو زندہ کرنا، عرش و کرسی تک کی تمام مخلوقات کا تمام کام ان کے تصرف میں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نور اللہ بغداد شریف میں غوث الاعظم (قطب مدار) تھے۔ شیخ ابا قرشی حنبلی روایت کرتے ہیں کہ: ”میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے سنا کہ انہوں نے حج پر جانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مشائخ سے ملنے بغداد چلے گئے۔ پھر انہوں نے اپنے شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ہاں حاضری دی۔

اُس دن تمام مشہور مشائخ وہاں موجود تھے۔ میرے والد نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ: ”میرا یہ قدم ہر دلی کی گردن پر ہے۔“ جب مشائخ نے یہ سنا تو انہوں نے اپنے سر جھکائے۔ شیخ امام حنبلی کے والد نے بھی اپنا سر اتنا جھکایا کہ وہ زمین سے ٹس ہوا۔ جب دوسرے لوگ چلے گئے تو ایک اور دلی، شیخ ابوالکرام نے فرمایا کہ: ”اس زمین پر آج کوئی ایسا دلی نہیں ہے جس نے اپنی گردن نہ جھکائی ہو، سوائے ایک شخص کے جو اسبان میں ہے، اور اللہ نے اسی وجہ سے اُس کا مرتبہ کم کر دیا ہے۔“ شیخ عبدالقاسم بٹاوی حدادی نے فرمایا ہے کہ: ”۵۷۹ ہجری میں، میں لبنان کے پہاڑوں میں صالحین سے ملنے گیا۔ وہاں میری ملاقات شبلی جبالی نام کے ایک مرد صالح سے ہوئی، جن سے میں نے پوچھا: ”اے میرے سردار، آپ کتنے سالوں سے یہاں رہ رہے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا: ”ساتھ (۶۰) سالوں سے۔“ پھر میں نے پوچھا: ”آپ نے کتنے عجائبات دیکھے؟“ انہوں نے کہا: ”سال ۵۵۹ ہجری، ایک چاندنی رات کو میں نے دیکھا کہ پہاڑوں کے لوگ یہاں جمع ہوئے اور صفیں بنا کر عراق کی جانب پرداز کر گئے۔“ میں نے اپنے دوستوں میں سے ایک سے پوچھا: ”آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟“ اُس نے کہا: ”ہمیں حضرت خضر علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہم بغداد، قطب صاحب کے ہاں جائیں۔“ میں نے پوچھا کہ: ”یہ قطب کون ہیں؟“ فرمایا: ”شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔“ اس پر میں نے کہا کہ: ”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ تو ہم نے پرداز کی اور تھوڑی ہی دیر میں ہم بغداد پہنچ گئے۔ وہاں ہم نے تمام اکابر اولیاء کو دیکھا جو کہہ رہے تھے: ”اے ہمارے سردار!“ اور جو کچھ غوث الاعظم فرما رہے تھے وہ اُس کی تعمیل کر رہے تھے۔ پھر تمام ولیوں کو چلے جانے کے لئے کہا گیا اور وہ

سب اپنے اپنے مقامات کی طرف پرواز کر گئے۔ جب میں پہاڑوں میں پہنچا تو میں نے اپنے دوست سے پوچھا: ”میں نے اس سے پہلے ایسی رات کبھی نہیں دیکھی جس میں آپ نے اس ولی کی اتنی تعظیم کی اور ان کو اتنی توجہ سے سنا۔ ان کا جواب تھا: ”کیوں نہ ہم یہ کریں۔ آج انہوں نے فرمایا: ”میرا یہ قدم تمام ولی اللہ کی گردن پر ہے۔“ اور ہم سے کہا گیا تھا کہ ہم ان کی تعظیم اور اطاعت کریں۔“ یہ بھی کہا گیا کہ: جس دن سے حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا تمام اولیاء، ابدال، اوتاد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنا سلام اس خطاب کے ساتھ پیش کرتے:

”اسلام علیکم اے مالک الزماں! اے امام المکان! اے قاسم بی امر اللہ! اے وارث کتاب اللہ! اے نائب رسول، اے وہ جس کا ماندہ آسمان و زمین پر ہے۔ اے وہ کہ اُس وقت میں تمام اولیاء اس کی عیال ہیں! اے وہ جس کی دُعا سے بارش ہوتی ہے! اے وہ کہ اُسی کی برکات سے جانور و دودھ دیتے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔“

ایک بار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ: ”آپ کو کب یہ معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں؟“ آپ نے جواب دیا: ”جب میں ۱۰ سال کا تھا اور اپنے گھر سے نکل کر مکتب جانا، تو میرے مکتب کے استاد میرے ہم مکتب سے کہتے: ”ولی اللہ کیلئے جگہ بناؤ۔“ پھر ایک شخص ہمارے پاس آیا، اُس نے فرشتوں سے اُس دن سنا کہ وہ کہتے تھے کہ اُس لڑکے کی عنقریب شانِ عظیم ہوگی! یہ دیا جائے گا اور روکا نہیں جائے گا۔ پھر میں نے اس شخص کو ۴۰ سال کے بعد پہچانا کہ وہ اُس وقت کا ابدال تھا۔ میں اُس وقت اپنے گھر میں بچہ تھا۔ جب میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرنا، تو ایک کہنے والا کہتا، اے مبارک

کدھر جاتے ہو؛ تب میں ڈر کر ماں کی گود میں چھپ جاتا۔ جب جوانی کے دنوں میں سفر کرنا تو ایک کہنے والا کہتا: ”اے ابدال قادر تم کو میں نے اپنے لئے پسند کیا۔“ مجاہدے کے دنوں میں مجھے ادگھ آتی تو سنا کر تاکہ، ”اے ابدال قادر تم کو میں نے سونے کیلئے نہیں پیدا کیا۔ بے شک ہم تمہارے اُس وقت و دست تھے کہ تم کچھ شے نہ تھے۔ تو جب تم شے ہوئے تو ہم سے غافل نہ ہونا۔“

روایت ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنے مریدوں سے فرماتے کہ: ”عراق میرے حوالے کر دیا گیا ہے“ پھر کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا: ”پہلے میں نے کہا تھا کہ عراق میرے حوالے کر دیا گیا ہے، لیکن اب اس زمین کی تمام چیزیں مشرق سے مغرب تک، اُس کے میدان، اُس کی آبادیاں، اُس کے جنگل، اُس کے سمندر، اُس کی زم زمین، اُس کے پہاڑی علاقے، یہ سب مجھے دے دیتے گئے ہیں۔“

ایک مرتبہ سال ۵۵۳ ہجری میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ”میں نے سال ۵۲۱ ہجری میں ۱۶ سوال کو منگل کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر سے پہلے دیکھا اور انہوں نے مجھ سے فرمایا: ”اے میرے بیٹے! تم بولتے کیوں نہیں؟“ میں نے عرض کیا: ”ابا جان! میں عمی ہوں، میں بغداد کے فصیح عربی بولنے والوں کے سامنے کس طرح بول سکتا ہوں؟“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنا منہ کھولو“ میں نے منہ کھولا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لب مبارک، مرتبہ اُس پر رکھے، پھر فرمایا: ”لوگوں کے آگے وعظ کریں اور انہیں حکمت اور نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلائیں۔“ تو میں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ بہت سارے لوگ اس دوران میرے پاس آئے اور شور

مچانے لگے۔ تب میں نے حضرت علیؑ کو مجلس میں اپنے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا۔ انہوں نے فرمایا: ”اے میرے بیٹے! تم بول کیوں نہیں رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا: ”اے ابا جان! یہ لوگ مجھ پر تیغ رہے ہیں۔“ اس پر حضرت علیؑ میری طرف بڑھے اور میرے بول کو ۶ مرتبہ چھوا اور پھر غائب ہو گئے، اور میں نے یہ الفاظ بولنے شروع کئے: ”فکر کا غوطہ لگانے والا، دل کے سمندر میں معارف کے موتیوں کے لئے غوطہ لگاتا ہے تب وہ اُن کو سینے کے کنارے کی طرف نکال لاتا ہے۔“

یہ وہ پہلے الفاظ تھے جو لوگوں نے اُن سے سُنے کہا جاتا ہے کہ ایک بار کسی بزرگ نے کچھ جنات کو ایک عمل کے ذریعے بلایا، لیکن وہ معمول کے خلاف ذرا دیر سے پہنچے۔ پھر وہ آتے اور عرض کیا کہ: ”جب شیخ عبدالقادر جیلانی وعظ کر رہے ہوں تو براہِ کرم اس وقت ہمیں نہ بلائیے۔“ بزرگ نے پوچھا: ”کیوں نہیں؟“ انہوں نے جواب دیا: ”ہم اُن کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں اور ہماری تعداد وہاں موجود لوگوں سے زیادہ ہے۔ ہم میں سے کئی مسلمان ہو چکے ہیں اور اُن کے ہاتھ پر توبہ بھی کی ہے۔“

حضرت ابو حنیفہ عمر بن حسین نے فرمایا کہ: ”ایک بار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: ”اے عمر! میری مجلس سے دُور نہ رہو، کیونکہ یہاں خلعتیں تقسیم ہوتی ہیں۔“ کچھ عرصے بعد ابو حنیفہ مجلس میں موجود تھے کہ اُن پر ذرا غنودگی طاری ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ آسمانوں سے سُرخ اور پیلے رنگ کی خلعتیں اہل مجلس پر گرنا شروع ہو گئیں۔ میں نے فوراً ہی اپنی آنکھیں کھولیں تاکہ سب کو بتا دوں۔ لیکن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے آواز دی: ”اے بیٹے! خاموش رہیے کیونکہ خبر مشاہدے کی طرح نہیں

ہے۔ یہ بھی اُن کی کرامات میں سے ایک کرامت تھی کہ مجلس میں کوئی چاہے کہیں بھی بیٹھا ہو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی آواز اُس تک صاف پہنچ جاتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اُس کے مطابق ہوتا جو اہل مجلس کے دلوں میں ہوتا، کیونکہ آپ کو اُن کے دل کے حال کشف کے ذریعے معلوم ہو جایا کرتے تھے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ جلال میں آکر اُٹھ جایا کرتے، تو لوگ بھی آپ کے ساتھ اُٹھ جاتے، اور جب آپ کہتے: ”خاموش ہو جائیے“ تو لوگ اس طرح خاموش ہو جاتے کہ صرف اُن کی سانسیں سنائی دیتی تھیں، اور آپ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے لوگ اُسے فراموش نہیں کرتے۔ اور جب آپ رحمۃ اللہ علیہ (مُسند) پر بیٹھتے تو مارے ہیبت کے لوگ بے حرکت ہو جایا کرتے تھے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”قال تو جاتا رہا، اب حال سے ہم وعظ کرتے ہیں“ اس سے لوگوں پر وجد و حال طاری ہو جاتا۔ کبھی کبھی لوگ مجلس میں دوسرے لوگوں کی موجودگی محسوس کرتے تھے جنہیں محسوس تو کیا جاسکتا تھا مگر جو دکھائی نہیں دیتے۔ یہ رجال الغیب تھے۔

اے اُمتِ محمدی! یہ تو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کی ایک جھلک ہے۔ یہ تمام انسانوں کے لئے تقریباً نہ ممکن ہے کہ وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و کرامات کو سمجھ سکیں۔ صرف وہ ہی اس عظیم ولی اللہ کے فیض کو محسوس اور جذب کر سکتے ہیں، جن کے دل اللہ نے کھول رکھے ہیں۔ کشتی نور نبی کے بادبان کھول دیئے گئے ہیں اور تمام اولیاء اور اللہ کے تمام محبوبین ان لوگوں کو بلا رہے ہیں جو سچے دل کے مالک ہیں اور جو اللہ اور اس کے عاشقین سے سچی محبت کرتے ہیں۔ اللہ اپنے اولیاء سے محبت کرتا ہے، اور وہ اُن سب سے بھی محبت کرتا ہے جو اولیاء کے عاشقین ہیں۔ یہ نوری عقلیں



وہ مقامات ہیں جہاں اللہ کے اولیاء کا فیض اور کرم تمام اہلِ محفل پر برتے رہتے ہیں۔  
آج یہ اللہ کے جیلانی شہزادے کا خوبصورت فیض ہے، جو سلطان الاولیاء، امام الاولیاء  
ہیں۔ آپ سب کو یہ قادری فیض مبارک ہو۔

يَا شَيْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ جِيلَانِي رَحْمَةً لِّغِيهِ شَيْءٌ لِّلَّهِ الْمَدْدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

آمین

(ثم آمین)



## حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کا کرم پورے عالم پر محیط ہے، اور جس کی جلالت سارے جہانوں پر حکمران ہے۔ وہ مالک الملک ہے جو پیدا کرنے والا ہے اُن تمام چیزوں کا جو وجود رکھتی ہیں اور جو آئندہ وجود میں آئیں گی۔

درد و سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، شفیع المذنبین پر، خاتم المرسلین پر۔ بیشک اولین و آخرین میں آپ ہی سب سے بہترین ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کیلئے۔ سلامتی ہو اللہ کی راہ کے سالکین کے لئے۔ اللہ کرے اُن کی جہاد اور جتجو کا انعام انہیں دونوں جہانوں میں ملے۔

اس دنیا میں ہر انسان ایک سالک ہے۔ کچھ اس دنیا یا اُس دنیا کی خوشیوں کے طلبگار ہیں اور کچھ اُس کے طلبگار ہیں جس نے اس دنیا کو پیدا فرمایا۔ یہ دونوں اپنی زندگی اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگتے گزارتے ہیں، لیکن ان میں چند ہی ایسے ہیں جو اپنی مراد کو پالیتے ہیں۔ دنیا کے طلبگاروں کے لئے اپنی خواہشات کو پورا کر لینا آسان ہے کیونکہ دنیا کسی کو زیادہ آزماتی نہیں ہے جو نظر آتا ہے، وہ کسی شخص کی ظاہری سطح ہے، یعنی اُس کا ظاہری

وجود، لیکن جو اس سطح کے نیچے ہے وہ عام طور سے نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ہم نے یہ کیوں کہا کہ دُنیا کا حصول آسان ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دُنیا کے قوانین اتنے سخت نہیں ہیں۔ اُن کی ہر وقت خلاف ورزی کی جاسکتی ہے، اُن میں ترمیم کی جاسکتی ہے، یا اگر دُنیا والوں کی مشاورت ہو تو انہیں مکمل طور سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

دُنیا کے حصول کے لئے آپ کو بس ذرا تیز، بے خوف اور اپنی فطرت میں بے رحم بننے کی ضرورت ہے۔ جھوٹ، بددیانتی اور فریب جیسی نیچی چالیں دُنیاوی خواہشات کے لئے چلائی جاتی ہیں۔ لو کوئی بھی آپ کی حرکتوں کے لئے آپ پر الزام نہیں لگا سکتا ہے۔ اگر آپ کے پاس طاقت، شہرت اور دولت ہو۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ پوری دُنیا آپ کے قدموں میں ہے۔ لیکن جب آپ دُنیا حاصل کر لیتے ہیں تو اس دُنیا میں آپ کا جو حصہ ہے وہ اُس وقت تک ہے جب تک آپ زندہ ہیں۔ جوں ہی آنکھیں بند ہوں گی اس کے ساتھ ہی آپ کی قسمت بند ہو جاتی ہے۔ اب آئیے دوسرے قسم کے سالکین پر نظر ڈالتے ہیں وہ ذاتِ حقیقی حق کے سالک ہیں جب وہ اس دُنیا میں ہوتے ہیں تو اُن کی حالت نہایت قابلِ رحم ہوتی ہے۔ وہ عالمِ درد و تکلیف میں تڑپتے، کانپتے اور کراہتے رہتے ہیں۔ زندگی انہیں یہی کچھ دیتی ہے۔ دُنیاوی زندگی انہیں فراق عطا کرتی ہے، یعنی اپنے محبوب سے جدائی۔ اسی لئے یہ دُنیا انکی نظریں ایک پتھر ہے جس نے اُن کے جسموں کو قید کر رکھا ہے، لیکن تاہم اُن کے دلوں کو قید نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اُن کے دل ہیں جو پرواز کرنا جانتے ہیں اور وہ واقعی اُڑتے ہیں تمام رنجیروں کو توڑتے اور سرحدیں عبور کرتے ہوئے۔ وہ بلند سے بلند تر پرواز کرتے ہیں تمام رکاوٹوں کو توڑتے ہوئے۔ وہ اپنے معشوق کی چوکھٹ پر جا کر اترتے ہیں اُس کی ایک جھلک دیکھنے کے منتظر۔

اس دنیا میں اُن کی زبانیں شناختی میں مصروف رہتی ہیں لیکن اُن کے دل درِ محبوب پر ٹوٹتے رہتے ہیں، دیدارِ یار کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے سخت بے تاب، جلوہٴ نورِ کائنات کے لئے نہایت بیقرار۔ سچے طالبِ جانتے ہیں کہ رُخِ جاناں پہ پڑا ہوا پردہ ہٹے گا، لیکن اُس کی کڑی شرطِ خود کو فنا کرنا ہے اپنے گرد موجود دنیا کو ختم کرنا ہے تب ہی شاید یہ اُمید ہو کہ انہیں اُن کی مُراد مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے سالکین، ایسے لوگوں کے ہاتھ تھامے رہتے ہیں جو خود انہیں جیسے ہیں جن کے نفوس اور دل جل چکے ہیں۔ نفسِ جلایا جانا ہے کیوں کہ یہ نفس ہی ہے جو انسان کو دھوکے میں رکھتا ہے، اور دلِ جلایا جاتا ہے تاکہ دنیا کے تمام آثار اس پر سے صاف کئے جائیں۔

اللہ کے یہ محبوبین، جو دوسروں کو عشقِ حق میں جلنا سکھاتے ہیں یہ ددی میں یقین نہیں رکھتے، کوئی ددی آخر کیسے ہو سکتی ہے جب ہر سچے شے کے وجود کا ایک ہی سرچشمہ ہے، اور وہ ہے ”عشق“۔ جب ان عاشقوں کو ”عشق“ مل جاتا ہے، تو وہ اپنی اصل کی طرف آتے ہیں بالکل مقناطیس کی طرح جو دھات کے ذروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تو تب ہی اگر کوئی ددی ہوتی ہو، تو وہ مٹ جاتی ہے۔ پھر یہ عاشقِ خود ہی محبت کے مقناطیسی اثر میں آجاتے ہیں۔ وہ خود بھی محبت کے مقناطیس کی طرح حرکت کرنا شروع کرتے ہیں تاکہ دوسرے عاشقوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیں۔

گزشتہ کئی سالوں سے دنیا نے محبت یہ جانتی ہے کہ اس زمین پر ایک نہایت طاقتور مقناطیسی کشش دہلی کی جانب سے آرہی ہے جو وہاں (۸۰۰) سال سے موجود ہے اور جس نے بے شمار راہِ محبت والے لوگوں کو سحر زدہ کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دربارِ

محبوبِ الہی صرف ایک زبان جانتا ہے، اور وہ زبان، زبانِ محبت ہے، زبانِ عشق ہے، زبانِ رقص و سستی اور جذب ہے۔ جو بھی اس دربار کی حاضری دیتا ہے وہ فوراً ہی یہ زبان سیکھتا ہے، اور وہ کیسے نہ سیکھے؟ یہ وہ زبان ہے جس کے سیکھانے والے حضرت محبوبِ الہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جسے وہ اُن تمام لوگوں کو سیکھاتے تھے جو اُن کے قریب آتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ”اگر محبت کا سُرمد آنکھوں میں لگایا جائے تو پھر عرش اور فرش کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہے گا۔“

ان الفاظ کی آگ نے لوگوں کے دلوں کو اس طرح پگھلایا تھا کہ انہیں صرف جامِ عشق سے ہی دوبارہ زندہ کیا جاسکتا تھا۔ اسی لئے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار کہا تھا: ”میرے دل میں ایک ایسا درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں۔ طبیب کو میرے اس درد کا علاج نہیں معلوم، اور نہ ہی اُسے اس گہرے زخم کے مرہم کے بارے میں معلوم ہے۔ محبت نے مجھے ختم کر دیا ہے۔ اُسے میرے دل! تو میری سانسوں کی سانس ہے۔ اس بھسم شدہ شے سے آگ بھڑک اُٹھے گی۔“

جب محبت کی آگ ”نفس“ کو جلانا شروع کرے گی، تو پھر دل اپنے آپ ہی ایک نئے رنگ میں رنگنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ محبت اور جو درد کم، نرم جذبات اور احساسات کی لطافت سے چمکنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن ایسے دل کا سب سے بڑا اثاثہ ایک بے بس عاشق کے دکھ، یاس اور کرب کے احساسات ہیں، ایک ماہی بے آب کے احساسات ہیں، قفس میں بند ایک پنچھی کے احساسات ہیں، اپنے محبوب کی آغوشِ محبت سے دور ایک عاشق کے احساسات ہیں۔ جب یہ کرب بڑھتا ہے، تو تب ہی رگوں کے

سردل میں اترنا شروع کرتے ہیں۔ اور پاؤں بے تابی سے گھومنا شروع کرتے ہیں۔ یعنی  
 قربتِ محبوب کی بے تابی میں، اور چند ہی لمحوں میں یہ گھومتے پاؤں ایک عاشق کے کرناک  
 رقصِ بسمل میں بدل جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نظامی عاشق حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا کہ: ”مجھے خبر ملی  
 ہے کہ میرے محبوبوں کے سردار آئیں گے، میرا سر اس شہسوار کی راہ میں قربان کر دیا جائے  
 گا یعنی محبوب کیلئے محبت میں اثر انگیزی ہے۔ آپ اس کو نظر انداز نہ کریں۔ آپ میرے  
 جنازے میں شریک ہونے نہیں آئیں گے، بلکہ آپ کو میرے مزار پر آنا پڑے گا میں جان  
 بہ لب ہوں آپ اب آجائیں، کیونکہ میں ابھی زندہ ہوں۔ پھر کیا فائدہ اگر آپ میری موت  
 کے بعد آئیں گے۔ آپ آجھی گئے اور میرا دل اور ایمان ساتھ لے گئے۔ آپ اس طریقے  
 سے دو یا تین بار آئے بھی تو اس میں کیا نقصان“

برگزیدہ بزرگ، کاشفِ اسرارِ رحمانی، عالمِ علومِ ربانی، سلطان المشائخ، نظام  
 الحق، سید سلطان الادبیاء، نظام الدین محبوب الہی بن سید احمد بن سید علی بخاری، چشتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ  
 کی طرف سورج کو چراغ دکھانے کی مثال ہے۔ جیسے کہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قطبِ عالم نظام ملت و دین کا آفتاب کمال شد رخ او

وز جنید وز شبلی و معروف یادگار است ذاتِ فرخ او

(جناب نظام الدین قطبِ عالم کا رخِ نور آفتابِ کمال تھا۔ اُن کی ذاتِ مبارک جنید، شبلی

اور معروف کرخی کی ایک بے مثال یادگار تھی۔ آپ کا دریا جیسا دل، کیا ہی دل تھا جو ہر لحظہ

و لمحہ عالمِ غیب کے ساتھی سے پھلکتے ہوئے پیالے نوش کرتا تھا۔)

جب کوئی دل جلنا شروع کرتا ہے تو وہ کبھی رکتا نہیں۔ کبھی کبھی وہ آنچ بس ایک  
 سگتی ہوا چھوٹا انگارہ ہے، لیکن کبھی کبھی یہ ایک بھڑکتی ہوتی آگ ہے۔ اس عشق میں شدت اللہ  
 عطا کرتا ہے، لیکن اسے روشن شیخ کرتے ہیں کیونکہ اُن کے پاس وہ آگ ہے جو کبھی دھیمی  
 نہیں پڑتی اور نہ کبھی بجھ سکتی ہے۔ یہ تو بس جلتی ہی رہتی ہے، ہر روز ایک نئی شدت کیساتھ۔  
 جب یہ آگ مرید کے دل میں جلنا شروع ہوتی ہے تو ابتداء میں اُسے اس کا علم نہیں ہوتا، لیکن  
 جب بے چینی اور بے کلی سے اس کی راتوں کی نیند غائب ہو جاتی ہے، تب اُسے پتہ چل جاتا  
 ہے کہ چیزیں پہلے جیسی نہیں۔ اور اگر وہ مرید حضرت امیر خسروؒ ہوں اور شیخ (مرد) حضرت نظام الدین  
 اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہوں، تو پھر یہ اشعار کیوں نہ کہے جائیں:

”جب سلطان المشائخ کی محبت کی آگ کا شعلہ بھڑکتا ہے اور دل کے آئینے کو  
 الزارِ محبت سے روشن کرتا ہے، تو اُس وقت یہ ضعیف (عاشق) بالکل بے طاقت ہو جاتا  
 ہے اور اُس کے جسم کے ہر ردنگھٹے کے نیچے سے ایک شوق کا نارہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ  
 سے اُمید ہے اس درگاہ بے نیازی کے عاشقوں کے سردار کے دریا تے محبت سے اس  
 بے چارے کے حلق میں ایک ایسا قطرہ ٹپک جائے، اے معشوقوں کے سر تاج! آخر میں  
 بھی تو تیرے کوچے کا گدا ہوں، کیا اس بادشاہ دین کے جمالِ عشق میں قبر تک رخص کرتا جاؤں۔“  
 اس چشتی آفتابِ نور کی ولادت بروز بدھ صفر ۶۳۶ھ ہجری (۱۲۳۹ عیسوی) کو  
 ہوئی۔ آپ کا نام محمد رکھا گیا، لیکن آپ نظام الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی شیر خواری  
 کے زمانے میں آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ آپ کی پرورش آپ کی والدہ نے کی جو ایک  
 نہایت پارسا خاتون تھیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال

بدایوں میں گزارے۔ آپ وہاں تقریباً ۲۰ برس رہے جس کے دوران آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی والدہ اور ہمیشہ کو دہلی میں تکلیف دہ غربت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کو حصول علم کے لئے بدایوں سے دہلی منتقل ہونا پڑا، لیکن وہاں آپ کا ہر دن ایک جدوجہد بن گیا۔

اس زمانے میں چند سکولوں میں دروٹیاں مل جاتی تھیں، مگر آپ کے پاس کھانا خریدنے کے لئے ایک سکہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہ دلی کا بل فرماتے ہیں کہ: ”جب ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو میری والدہ فرماتیں: آج ہم خدا کے مہمان ہیں یا ان کے الفاظ سے میرے دل میں ایک عجیب احساس پیدا ہوتا اور میرا پورا دن ان ہی الفاظ کے ذوق و شوق میں گزر جاتا۔ پھر اگر ہمیں کسی نہ کسی طرح کھانا مل جاتا اور کئی دنوں کی روٹی، میں اس سے اکتا جاتا تھا اور اُس دن کا انتظار کرتا جب میری والدہ کہتیں: آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ الفاظ میرے دل کو کس قدر خوشی اور راحت بخشتے تھے“

حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ایک غیر معمولی خاتون تھیں وہ جب کبھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں کی طرف دیکھتیں تو فرماتیں: ”نظام! مجھے آپ کا مستقبل روشن نظر آ رہا ہے، کسی دن آپ بڑے مقدر والے بن جائیں گے“ ایک روز حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ”ایسا کب ہوگا؟“ آپ کی والدہ نے فرمایا: ”میری موت کے بعد“ اور اُس کے چند ہی دنوں بعد آپ کی والدہ کا انتقال ہوا، اور انہوں نے اپنے نوجوان بیٹے کو اللہ کے سپرد کیا۔ یہ دور حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا انتہائی غم و اندوہ کا دور تھا۔

ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ حوض قطب الدین خان کے کنارے بیٹھے ہوئے قرآن حفظ



کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آگئے اور آپ کو دمہلی چھوڑنے اور کہیں اور جانے کے  
 ہدایت کی۔ ان عجیب حالات کے پیش نظر آپ نے کئی متبادل تجویزوں پر غور کے بعد غیث پور  
 جا کر قیام کرنے کا فیصلہ کیا، جو دمہلی سے چند میل کے فاصلے پر ایک دیران سادہات تھا۔  
 مگر کچھ عرصے بعد وہ جگہ بھی لوگوں سے بھگتی اور حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک بار پھر دوسری  
 جگہ جانے کا سوچنا پڑا۔ لیکن ایک دن ایک نہایت وجیہہ (خوبصورت) آدمی آپ کے پاس  
 آیا اور حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے گریز کرنے کے ردیے کو نہ پسند کیا اور یہ  
 اشارہ پڑھے: ”جس دن آپ چاند کی طرح ظاہر ہوئے، تو کیا آپ نے نہیں جانا تھا کہ دنیا  
 والوں کی انگلیاں آپ کی طرف اٹھیں گی؟“ بس اُس دن کے بعد غیث پور حضرت محبوب  
 الہی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی فیوض کا مرکز بن گیا۔ البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اب بھی نہایت مغلسی کی زندگی بسر  
 کر رہے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے دروازے پر ایک زنبیل لٹکی رہتی تھی۔ انظار کے وقت  
 اُسے ہلایا جاتا تو اُس سے روٹی کے سُوکھے ٹکڑے گر پڑتے، جو راہ گیر اُس میں ڈالا کرتے  
 تھے۔ روٹی کے یہ سُوکھے ٹکڑے حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رکھ دیئے جاتے  
 تھے جن سے آپ انظاری فرماتے۔ ایک روز وہاں سے ایک بھکاری کا گزر ہوا۔ وہ  
 سمجھا کہ کپڑے پر رکھے ٹکڑے رات کے کھانے کے باقیات ہیں، اس لئے اس نے انہیں  
 اٹھا لیا اور چل دیا۔ حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا دیا اور فرمایا: ”ایسا لگتا ہے کہ ہمارے  
 کام میں ابھی خامیاں ہیں، اسی لئے ہمیں بھوکا رکھا گیا ہے۔“

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بدایوں میں پہلی بار حضرت شیخ فرید الدین

گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا تھا۔ مقدر کی بات ہے کہ جب سلطان المشائخ دہلی پہنچے تو اتفاق سے آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں رہائش اختیار کی، جو بابا فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے۔ لیکن ابو دھن کی طرف جانے کا فیصلہ اچانک کیا گیا۔ ایک رات یہ ولیٰ کامل دہلی کی جامع مسجد میں عبادت میں مصروف تھے جب صبح سویرے آپ نے ایک مؤذن کو قرآن کی یہ آیتیں تلاوت کرتے سنا: ”کیا مومنین کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اُنکے دل کامل عاجزی سے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جائیں“ (سورۃ الحديد: ۱۶) اس کا حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ پر زبردست اثر ہوا، اس لئے آپ ابو دھن کے لئے روانہ ہوتے بغیر زادِ راہ کے۔

آپ کی عمر ۲۰ سال تھی جب آپ پہلی بار حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے آپ کا خیر مقدم ایک شعر سے کیا، جس کے معنی ہیں: ”آپ کے فراق کی آگ نے ہمارے دلوں کو حلاڑ اللہ ہے۔ آپ سے ملنے کی تمنا نے ہماری زندگیوں کو تباہ کر دیا ہے۔“

اے اُمتِ محمدی! آگ سے آگ لگتی ہے۔ عاشق سے دوسرا عاشق بنتا ہے۔ جب ایک ساز سے دوسرا ساز ملتا ہے، تو سنگیت کی بیٹھاس بڑھ جاتی ہے۔ جب رقص ایک سے دوسرے تک بڑھتا ہے، تو مستی میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک سچے عاشق کی ملامت ہے۔ وہ اکیلے نہیں پیتا، وہ دوسروں کو بھی اسی جامِ طہور سے پلاتا ہے۔ جب فرید نے اپنے مرشد سے پیا تھا، تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ پیاسے سائل کو نہ پلائیں جو اُس جام کے مستحق ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی

آگ ایک شعلے سے بھڑکتی آگ میں تبدیل ہوتی تھی، تو پھر کیا ہوا تھا۔ پھر دنیل نے دیکھا کہ جب اللہ کسی کو اپنا محبوب کہتا ہے اور اُسے اپنی محبت دیتا ہے تو ہوتا کیا ہے۔ پھر ایسے شخص کے الفاظ حق کے الفاظ بن جاتے ہیں اور یہ بشری ذات، نورِ حق میں بدل جاتی ہے، وہ نورِ حق جو وہ عرشِ الہی سے حاصل کرتا ہے۔

خواجہ منہاج نے واقعہ بیان کیا ہے کہ: ”ایک روز میں شیخ المشائخ کے یہاں تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خدام نے باہر آپ کے لئے چار پائی بچھائی اور اُس پہ آپ کا شبِ خوابی کا لباس رکھ دیا۔ جب کافی رات گزری تو میں نے شیخ کی چار پائی پہ نور کا ایک ستون دیکھا جو بلند ہونا شروع ہوا، اور چند لمحوں میں آسمان تک جا پہنچا اور اس روشنی کے باعث برآمدہ اور دریا کے کنارے سب جگمگا اُٹھے۔ اس سے میں اس قدر خوفزدہ ہوا کہ میں نے خود کو ایک کونے میں چھپا لیا اس طرح جیسے کہ سوراہا ہوں۔“

مولانا بدر الدین کا بیان ہے کہ: ”ایک رات میں نے محبوبِ الہی کے حجرہ کی کھڑکی کے نیچے ایک اونٹ کو کھڑے دیکھا۔ کچھ دیر بعد میں نے حضرت محبوبِ الہی کو اپنے حجرے سے باہر آتے دیکھا، پھر آپ اونٹ پر بیٹھے اور اونٹ اُڑنے لگا۔ جب میں نے یہ نظارہ دیکھا تو میں بے خود ہو گیا اور ساری رات جاگتا رہا۔ پھر میں نے رات کے دوسرے پہر اونٹ کو واپس آتے دیکھا۔ وہ پھر کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو گیا اور حضرت محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ اس سے اُتر کر اپنے حجرے میں چلے گئے۔“ ایک بار کسی نے کہا کہ کیوں شیخ نظام الدین کعبہ کی زیارت کے لئے نہیں جاتے، جس پر آپ کے مریدوں میں سے ایک نے کہا: ”آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں جیکہ ہم نے اپنی آنکھوں سے حضرت محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ کو صبح کے وقت

کعبہ میں فجر کی نماز پڑھتے دیکھا ہے“ جب مولانا بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو تب انہیں علم ہوا کہ اس رات اونٹ کہاں اڑ کر گیا تھا۔

ایک بار سلطان المنشاخ دروازہ پل کے قریب گئے، آپ مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں فرما رہے تھے کہ: ”اے نظام، کہاں تم اور کہاں اللہ کی محبت!“ پھر آپ شیخ راسن کے مزار پر پہنچے، جہاں آپ چلنے کے لئے بیٹھے۔ وہاں سے جانے سے پہلے آپ نے دیکھا کہ اُس دوران ایک درخت سرسبز و شاداب ہو گیا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مزار پر فرمایا: ”اے شیخ، درخت تو ۴۰ دن میں بدل گیا، لیکن مجھ میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔“ راستے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک آدمی بلا جو آپ کی طرف لڑکھڑا کر چلا آ رہا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ وہ آدمی نشے میں ہے، آپ نے اس سے گریز کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن اس نے آپ کا تعاقب جاری رکھا۔ آخر کار حضرت نظام الدین اولیاء نے سوچا کہ بہتر ہے کہ اس سے ملا جائے۔ چنانچہ آپ مڑے اور اس آدمی سے بغلگیر ہوئے۔ اس آدمی سے مشک اور عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس آدمی نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ”اے صوفی! تیرے سینے سے محبتِ خداوندی کی بو آتی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ شخص شیخ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اے اُمتِ محمدی! عشق اور مشک کبھی چھپا نہیں سکتے۔ اور اگر یہ عشق، عشقِ الہی ہو اور محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے ہو، اور مشک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اور بصیرت کا ہو، تو پھر دنیا کیوں نہ نظامی ابرکرم میں مست و الست ہو۔ پھر کیوں نہ پاؤں رقصِ شوق میں گھومیں، اور آنکھیں جذبِ دجال سے کیوں نہ مخمور ہوں؟ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کے محبوب ہیں۔ وہ دلوں پر فتح حاصل کرنے آئے تھے، اور یہی کام وہ آج دن تک کر رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے محبوب کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ اس بات کی ایک خوبصورت مثال ہے کہ محنت کس طرح لمحوں میں دنیا پر فتح حاصل کر سکتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ”کشتیء نور نبی“ کے سفر کا آغاز اسی دربار مبارک سے ہوا تھا۔ سبحان اللہ، کیا کیا رحمتیں ہیں اللہ کے محبوب پر اور کیا کیا رحمتیں ہیں ان سب پر جنہوں نے اپنے سفر کا آغاز اس پیرِ کامل کے ساتھ کیا ہے۔ سب کو، حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی مبارک باد۔

آمین

(ثم آمین)



## ادب و آداب

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جسکے بارے میں اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد، کہا جاتا ہے۔ بیشک تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔  
 درود و سلام رسول اللہ ﷺ کے پاک دل پر اور جو ہر وقت اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی اُمت کے لئے دست بہ دعا رہتے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔  
 سلامتی ہو تمام عارفی، نوریوں کے لئے جو اللہ کی راہ کے سالکین ہیں، جو بعض اوقات روحانی دنیا کے قوانین پر حیرت زدہ ہوتے ہیں۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ اس راہ پر فقط باادب لوگ ہی چل سکتے ہیں۔ لیکن پھر آپ ان لوگوں کو ادب کیسے سیکھائیں گے جو اس بے ادب دنیا کے باشندے ہیں۔ جی ہاں! لوگوں نے ادب کی قدر کو فراموش کر دیا ہے۔ ادب اللہ کی دنیا کی کنجی ہے۔ آپ اس پر غور کر سکتے ہیں کہ کس کو فوقیت حاصل ہے؟ عشق کو یا ادب کو؟ کیا آپ نے کبھی عشق کو ادب کے بغیر دیکھا ہے؟ آپ ادب کرنا سیکھیں اور عشق اُس کے پیچھے آئے گا۔ تو اس طرح روحانیت میں ادب پہلا زینہ ہے، اس زینے کی کوئی انتہا نہیں۔ اور کیسے ہو بھی سکتی ہے؟ یہ زینہ آپ کے اللہ تک

پہنچنے کے لئے ہے، اور جب آپ کو ایک ایسی ذات تک پہنچنا ہو جو لامحدود ہے، جس کی کوئی حد نہیں، جس کا نہ کوئی اول ہے نہ آخر تو پھر اس سیڑھی کے قدموں کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟ آپ اپنی منزل پر کس طرح پہنچ سکیں گے؟ وہ جن کو اپنے رب کی حضوری ملتی ہے، انکو جاننا چاہیے کہ یہ تو بس روحانی مقامات ہیں عارضی مقامات جہاں آپ تھوڑی دیر رکھتے ہیں اور پھر تلاش دوبارہ جاری رہتی ہے سفر کبھی ختم نہیں ہوتا یہ سفر ابد تک جاری رہے گا اور اس سفر میں فقط خوش قسمت لوگ ہی شریک ہوتے ہیں۔

اگر آپ اس کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتے ہیں تو اس کو لکھنے کے لئے کئی دن درکار ہونگے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ تحریر اتنی زیادہ ہو جائے کہ اسے ایک آدمی اٹھا بھی نہ سکے، اور پھر بھی ادب کی تشریح ختم نہ ہو۔ ادب وہ ہے جو ایک پڑھے لکھے اور ان پڑھ جاہل میں فرق کرتا ہے۔ ادب علم ہے، یہ نور ہے، یہ آپکے دل کو کشادہ کرتا ہے۔ یہ وہ شے ہے جو ایک انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ کے نائب کا درجہ عطا کرتی ہے۔ اگر ہمیں ادب کے بارے میں بات کرنی ہو تو ہمیں سب سے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ ”ادب“ ہے کیا؟

ادب کہتے ہیں تسلیم کو، یعنی اللہ کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرنا۔ ادب سلیقہ بھی ہے، یعنی چیزوں کو مناسب طریقے سے کرنا اور سلیقے سے اس دنیا میں رہنا۔ ادب کے معنی ہیں احترام کرنا، دوسروں کے حقوق کا احترام کرنا اور دوسروں کو تنظیم دینا۔ ادب اپنے سرکش نفس کو رد کرنا بھی ہے، یعنی ان ترغیبات اور بُری عادتوں کو کنٹرول کرنا جو کسی میں پردان چڑھتی ہوں:

۷ ادب و النفس ایہا الاصحاب

طرق العشق کلھا آداب

(اے دوستو! اپنے آپ کو ادب سیکھاؤ اس لئے کہ عشق کے سب طریقے ادب ہی

ادب ہیں۔)

ہمارے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ: ”اچھے آداب ایمان کا حصہ

ہیں۔“ مجھے میرے رب نے ادب سیکھایا، ادرا چھا ادب سیکھایا۔ پس جان لو کہ دین و

دنیا کے تمام امور حُسنِ ادب سے ہی متعلق ہیں۔ بالکل اسی طرح مولائے کائنات حضرت

سیدنا علی مرتضیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ”ہر شے کی کوئی قیمت ہوتی ہے، انسان کی قیمت اُس

کا علم اور ادب ہے۔“ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”پہلے ادب حضرت

شیخ ابوالحسن علی بن ادریس یاقوبی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھو پھر علم سیکھو۔“ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن

ادریس یاقوبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”تصوف تمام ادب کا نام ہے۔ ہر وقت کے لئے ادب

ہے، ہر مقام کیلئے ادب ہے۔ وہ شخص جو ان آداب کا احترام کرتا ہے، وہی مردوں کے

مقام تک پہنچتا ہے۔ آدابِ ظاہر کا حسن، آدابِ باطن کا عنوان ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ

نے فرمایا کہ: ”اگر دل نرم ہوتا ہے تو اعضاء بھی نرم ہوتے ہیں۔“

جیسے کہ آپ دیکھ سکتے ہیں ادب، آدمی کے ہر عمل سے پہلے آتا ہے اگر ایک

آدمی کا دل با ادب نہ ہو، تو پھر اُس کا خارجی وجود بھی ادب کو ظاہر نہیں کرے گا، چاہے کوئی

دوسروں کو کتنا ہی دھوکہ دینا چاہتا ہو۔

دل میں موجود ادب، بالکل ایسا ہی ہے جیسے میٹھے پانی کا چشمہ۔ یہ پانی جب



بھی ابھرتا ہے تو اُس کی مٹھاس کبھی ختم نہیں ہوتی ہے، چاہے اپنے سرچشمے سے نکلنے  
 کے بعد یہ کوئی بھی راستہ اختیار کرے۔ (اور اس کے برعکس) ایک بیمار اور بے ادب دل  
 کھارے پانی کی طرح ہے، اُس پانی میں چاہے آپ کتنی ہی چینی ڈالیں تب بھی اُس کا  
 کھارپن باقی رہے گا اور یہ مٹھے پانی کے چشمے کے پانی کی طرح کبھی نہیں بن سکتا۔  
 ادب اپنی ذات میں نظم و ضبط پیدا کرنے کا نام ہے، یعنی صحیح قواعد و ضوابط کو  
 اپنانا اور اخلاق کے حدود سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔ لیکن اصل ادب صرف وہ ہے جو دل کی  
 گہرائیوں سے آتا ہے، اور جو کسی بہانے یا ذاتی اغراض کی خاطر نہ ہو۔ زندگی میں ادب  
 کے نفاذ کا راستہ نظم و ضبط ہے، اس کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو گاڑی چلانا  
 سیکھنا چاہتا ہے اور وہ گاڑی چلانا سیکھنے کا ایک ہدایت نامہ لے تو لیتا ہے، لیکن خود  
 ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں بیٹھتا۔ تو وہ کتاب اُس کے کس کام کی ہوئی اگر وہ عملی طور سے  
 ڈرائیونگ نہ کرے؟ صرف مسلسل پریکٹس ہی اُسے ایک بہترین ڈرائیور بنا سکتی ہے۔  
 بالکل اُسی طرح مسلسل ادب ہی کسی شخص کو خوش اخلاق اور با ادب انسان  
 بنائے گا۔ صرف ادب کا طریقہ سیکھنا اور اُس پر عمل نہ کرنا کسی کے لئے کارآمد نہیں۔ صحیح  
 ادب کو صحیح وقت اور صحیح مقام پر استعمال کرنا ہے۔ کسی نے ایک بار کہا تھا کہ: ”صوفی  
 نظام، یعنی روحانیت، اچھے اخلاق، یعنی ادب ہے۔ ہر ایک وقت، کیفیت اور مقام  
 کے اپنے اپنے اخلاقی تقاضے ہیں۔ اس لئے، جو کوئی بھی ہر لمحے کے ادب کو ملحوظ رکھتا  
 ہے، وہ صوفی ”رجال“ کے مرتبہ تک پہنچتا ہے، اور جو کوئی ادب اور مناسب اخلاق  
 سے روگردانی کرتا ہے، وہ اُس قرب سے کوسوں دور ہے جہاں خود کو سمجھتا ہے، اور

وہ درحقیقت رد شدہ ہے جبکہ وہ خود کو منظور شدہ سمجھتا ہے۔

حضرت ابو حفص رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ: ”ظاہری اخلاق باطنی رویے کی علامت ہے اس لئے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: اگر اُس کا دل محترم ہوتا، تو اُس کے ظاہری اعضاء بھی محترم ہوتے۔“ روحانیت خارجی اور باطنی وجود کو جلا، یعنی زندگی بخشی ہے۔ جہاں تک ظاہر کا تعلق ہے، اُس کا اظہار وہ نیک اعمال سے کرتی ہے۔ اور جہاں تک باطن کا معاملہ ہے، اُسے وہ ذکر اللہ سے اور غیر اللہ پر تکیہ ختم کرنے سے کراتی ہے، اور خود کو قابل تحسین اخلاق سے مزین کرنے اور فاسد چیزوں سے پاک کرنے سے کراتی ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

”میزان پر اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی وزن نہیں۔“

ایک دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”آپ اپنی دولت سے تمام لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، تو اُن تک اپنے مسکراتے چہرے اور اچھے اخلاق پہنچائیے۔“ اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ: ”ادب دراصل اچھے اخلاق تک پہنچنے کا ذریعہ یا راستہ ہے۔“ اب آیتے دیکھتے ہیں کہ ہم ادب کے بارے میں کہاں سے سیکھ سکتے ہیں اور اُسے کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟ بہترین اخلاق والے سے سیکھیں۔ اُس ذات پاک سے جو چلتا پھرتا قرآن تھے جنہوں نے براہِ راست اللہ سے سیکھا تھا جو ادب کا خالق ہے۔ بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کون ہو سکتا ہے جنہوں نے رات دن اس (ادب) کی تعلیم اپنی امت کو دی ہے۔ اگر آپ اُن کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کریں اور اُن کی اُسوہ کی اتباع کریں تو دیکھتے ہی دیکھتے اُن کا سچا اخلاق آپ سب پر چمکتا دکھائی دینا شروع ہوگا۔

کیا ایک ایسے وقت میں سنتِ نبوی کی اہمیت کو اجاگر کرنا ضروری نہیں ہے، جب آپ سب ماضی کو بھلا چکے ہیں اور آپ اپنے دین کی روشنی اپنی اولاد کو نہیں پہنچا سکے اور غیروں کی ثقافت اور اخلاقیات کو اپنا سمجھ بیٹھے ہیں؟ ادب سیکھنے کا بہترین ذریعہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ پاک، آپ کے اہلبیت، اور آپ کے صحابہ کرام ہیں۔ ان کی زندگیوں سے آپ کو اپنی زندگیوں کے ہر زاویے کے جوابات اور رہنمائی مل جائے گی۔

دوسرا ذریعہ جہاں سے آپ کو آدابِ زندگی مل سکتے ہیں، وہ آپ کے مرشد ہیں، آپ کے اُستاد ہیں۔ وہ بس آدابِ رسول کو مزید تقویت پہنچائیں گے۔ آپ کا رہنا ان قواعد اور اصولوں کو اپنی زندگی میں عملی طور سے نافذ کر کے دکھائیں گے۔ جب آپ اپنے مرشد کی صحبت میں بیٹھیں گے تو آپ کو دگنا فائدہ ہوگا۔ پہلا: یہ کہ آپ کو ان کے حُسنِ اخلاق کا براہِ راست تجربہ ہوگا۔ اور دوسرا: یہ کہ آپ کو صالحین کی قربت نصیب ہوگی، یعنی آپ کے رُوحی بھائیوں اور رُوحی بہنوں کی، جو خود بھی اسی راہ کے مسافر ہیں۔ ان سے آپ کی ذہنی ہم آہنگی آپ کی رفاقت، اور اُن کے ساتھ آپ کی الفت آپ کے سفر کو آسان اور زیادہ خوشگوار بنانے کا باعث بنیں گی۔

آپ کے مرشد ایک اُستاد ہیں جن کا کام ایک عام اُستاد سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے دنیاوی اُستاد اپنے فرائض اچھی طرح سے ادا کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، لیکن آپ کے مرشد تو براہِ راست اللہ کو جو ابداہ ہیں۔ تو خوفِ خدا ایک مرشد کو فرائض سے روگردانی نہیں کرنے دے گا۔ آپ کا دنیاوی

اُستاد آپ کو دنیا کے لئے تیار کرتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص ناکام ہوتا ہے، تو اُس کا واحد خسارہ یہ ہوگا کہ اُسے اس دُنیا کی دولت یا شہرت نہیں ملے گی۔ اب اس کا موازنہ اپنے مرشد کے بوجھ سے کیجئے۔ وہ آپ کے گناہوں کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھاتے ہیں۔ اگر اُن کا شاگرد کسی وقت ناکام ہوتا ہے، تو اُس کی ناکامی کا اثر براہ راست اُن کے اُقباء پر پڑے گا۔

کیا کوئی معمولی انسان اس قسم کا بوجھ یا ذمہ داری اٹھا سکتا ہے؟ لیکن مرشد نہ فقط خود کو نشانہ کرتے ہیں، بلکہ اپنی جان تک دے دیتے ہیں تاکہ اُن کے تمام مُرید اس راہ پر صحیح چل سکیں۔ آپ اس مثال کو لیں: ایک پرندہ کسی شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ اب وہ چاہے اپنے پروں کو کتنا ہی پھڑپھڑائے یا جال سے اڑنے کی کوشش کرے، لیکن وہ پھر بھی جال کے اندر اُس وقت تک قید رہے گا جب تک کوئی آکر اُس جال کو کھول نہ دے۔ یہی ہے مرشد کا کام۔

وہ (مرشد) گمراہی اور دنیا داری کے جال کو کھول دیتے ہیں تاکہ مُرید کی رُوح کو آزادی ملے۔ یہ ہے اہمیت ایک مُرشد کی۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے: ”جس شخص کا دین کی راہ میں کوئی استاد نہیں، اس کا پیشوا شیطان ہوتا ہے۔“ حضرت احمد یحییٰ مُریری نے فرمایا کہ، ”سمجھ لو کہ جو کوئی بغیر کسی مدد کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے، وہ آپ ہی آپ گر پڑتا ہے۔ یہیں سے پیروں کی عزت و قدر سمجھو۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ شروع میں مُرید کا دل ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے انوار اس میں دکھائی دے سکیں۔ کیونکہ وہ چمکا ڈر کے مشابہ ہے جس کی آنکھ سورج کی چمک کی تاب نہیں لاسکتی۔“

اندھیرے میں جانے سے بھٹکنے اور موت کا ڈر ہے۔ تو پھر اسی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے جو آفتاب سے کچھ کم ہوتی ہے کہ اُس سے فائدہ اٹھائے اور اسی روشنی کی مدد سے راستہ پر چل سکے۔ ایسی روشنی پھیلانے والا ایک مُرشد کا دل ہوتا ہے۔ جس طرح سورج سے چاند روشنی حاصل کرتا ہے، اسی طرح اُن کا دل بھی غیب سے نور حاصل کرتا ہے۔ ایک مُرشد ہی مرید کے دل کے درد کی دوا ہے کیونکہ جب مرید کے دل میں تلاش اور جستجو کا درد اٹھتا ہے، تو صرف مُرشد کی باطنی ہدایت سے اُس کو دوا مل جاتی ہے۔ اور جب وہ اپنا سِر اپنے پیر کے آستانے پر ڈال دیتا ہے، تب ہی اُسے آرام اور سکون میسر ہوتا ہے۔“

اب آئیے اس پر گفتگو کرتے ہیں کہ ادب کو اپنی زندگی میں کس طرح نافذ کیا جائے؟ ادب کے نفاذ کا اہم ترین طریقہ یہ ہے کہ ادب اُن سے سیکھا جائے جو ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ با ادب ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وہ کامل نقشہ موجود ہے کہ کوئی کس طرح انتہائی معتبر، عاجز ترین، اور اُن لوگوں کا خیال رکھنے والا بن سکتا ہے جو اُن کے شریکِ زندگی رہے یا جو انہیں زندگی کے موقعے پر ملے ہوں۔ یہ اسباق ہر اُس شخص کے لئے ہیں جو ان کی اتباع کرے، اور بے شک یہ اسباق وقت کے خاتمے تک موجود رہیں گے۔

اگر کوئی اُسوہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نفاذ کو دیکھنا چاہتا ہے، تو یہ مُرشد ہی ہے جو ادب کی مختلف جہتوں میں مریدوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ یہ اُن ہی کی ذاتِ محترمہ ہے جو ادب کی اہمیت کی تعلیم دیتی ہے، اور اس کے نفاذ کا طریقہ بھی

بتاتی ہے۔ یہ مرشد کی ظاہری اور باطنی توجہ ہے جو مرید کے دل اور اس کی زندگی کو بدل دیتی ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "مثنوی" میں ایک جگہ فرماتے ہیں: "ایک مرتبہ کسی چینی نے ایک بادشاہ سے کہا: ہم عمارتوں کو سجانے کی مہارت کے لئے بہت مشہور ہیں۔" پھر کسی رومی نے کہا: "ہم بھی اور زیادہ خوبصورت سجاوٹ والی چیزوں کو بنانے کے لئے مشہور ہیں۔" اس پر بادشاہ نے کہا: "بہت اچھا، ہم آپ کی خوبیوں کو آزمانے ہیں کہ آپ میں سے بہترین کون ہے؟" پھر چینی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "مجھے سجانے کے لئے ایک مکان دیجئے۔ مکان کو ایک پردے کے پیچھے چھپا یا جائے تاکہ یہ رومی اس کی زیبائش کی نقل نہ کریں۔" ان شرائط کے ساتھ انہوں نے مکان کی زیبائش کا کام اپنے بہترین انداز سے شروع کیا۔ پھر رومیوں نے کہا: "ہم ایک سجا ہوا مکان تیار کریں گے اس مکان کے روبرو جہاں یہ چینی کام کر رہے ہیں تاکہ آپ آسانی سے فیصلہ کر سکیں کہ دونوں مکانوں میں بہترین مکان کونسا ہے۔" رومیوں نے بھی ایک پردے کے پیچھے رہ کر کام شروع کیا البتہ انہوں نے کوئی سچی ہوئی تصویریں نہیں بنائیں، انہوں نے صرف اس مکان کی دیواروں کو صاف کرنا اور چمکانا شروع کیا۔ اس طرح آخر دیواریں آئینے کی طرح چمکنے لگیں۔ پھر آزمائش کی گھڑی آن پہنچی۔ پردے اٹھائے گئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ چینیوں کے مکان کی خوبصورت تصاویروں کا عکس رومیوں کے مکان کی دیواروں پر پڑنے لگا، اس طرح ان کا فن زیادہ خوبصورت نظر آیا۔ بادشاہ آئے اور انہوں نے چینیوں کی تیار کردہ زیبائش کو دیکھا جو اتنے خوبصورت تھے کہ آدمی کے ہوش اڑا دیں۔

اُس کے بعد بادشاہ نے رومیوں کی سجاوٹ کا معائنہ کیا، اور جو کچھ انہوں نے دیکھا اس پر ذنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے جو کچھ دوسری طرف دیکھا تھا، یہاں وہ زیادہ دلکش انداز میں موجود تھا۔“

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ رومیوں کے کام کو مرشد کے کام سے تشبیہ دیتے ہیں، کیونکہ یہ دلی، مُرید کے دل کو آئینے کی طرح صاف کرتے ہیں، اور یہ بس مُرشد کے فیض سے ہوتا ہے، یعنی کتابیں پڑھے بغیر مُرید ایک خوبصورت اخلاق سے مزین ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ دلی لوگ اُن کے دلوں کو زبردست طریقے سے صاف کرتے ہیں اور چمکاتے ہیں، جس کے باعث اُنکے دل سے حرص، کینگی اور دشمنی نکل جاتی ہے۔“

ایک دلی کا ارشاد ہے کہ: ”ہمارا تانوں دل کے آئینے کی طرح صاف رکھنا ہے۔“

صاف اور گردوغبار سے پاک۔ اور ہمارے طریقے کے مطابق حسد کو اُس میں رہنے دینا ایک بڑا جرم ہے۔“

اے اُمتِ محمدی! یاد رکھیے کہ ادب کے بغیر روحانی بلندی نہیں مل سکتی ہے۔ ادب تسلیم، تعظیم اور سب سے اچھے اخلاق کا اظہار ہے۔ نظم و ضبط ادب کے نفاذ کا راستہ ہے۔ اگر آپ ادب سیکھنا چاہتے ہیں تو پھر اُن سے سیکھئے جو تمام آداب میں اکمل و کامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ ادب کا بہترین سرچشمہ ہیں اگر آپ کو زندہ مثال چاہیے تو پھر وہ آپ کے مرشد ہیں جو آپ کے دل کو آئینے کی طرح صاف کرتے ہیں، تاکہ راہِ وفا کی تمام خوبصورتیوں کا عکس آپ کے قلب پر ظاہر ہو۔ یہ سب کچھ چند الفاظ میں

کہا جا رہا ہے، لیکن ان کا وزن بظاہر نظر آنے سے بہت زیادہ ہے۔ صرف وہ ہی ان کے  
وزن کو سمجھیں گے جو ان الفاظ پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ اپنی محبت ہمارے سلسلے کے تمام باادب افراد کو بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم  
سب کو ادب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین

(تم آمین)





## وقت کا غلط استعمال

شروع اللہ کے بابرکت نام سے، جو دنیا و آخرت کا خالق ہے۔ وہ واحد ہے ہے جس کے حکم سے بارش برستی اور ہوا چلتی ہے۔ بے شک اسی کے ”کُن“ کہنے سے پورا عالم وجود میں آیا۔

دُرود و سلام رسول اللہ ﷺ پر، وہ جو سب سے زیادہ پاک اور محبوب ہیں، جن کا فراق اُن کے عاشقین کے دلوں میں ایک مسلل درد ہے۔ بے شک تمام جدائیاں مستقبل قریب میں ختم ہو جائیں گی۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو سچے دلوں پر، اور اُس سچ پر جس نے اس دُنیا کو بچا کئے رکھا ہے۔

وقت کیا ہے؟ یہ دراصل وہ پیمانہ ہے جس سے یہ ناپا جاتا ہے کہ انسان اللہ کی دنیا سے کتنا قریب ہو گیا ہے، یعنی دوسری دُنیا سے۔ وقت موجودہ دُنیا کے خاتمے کو ناپنے کا بھی ایک پیمانہ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دُنیا کتنی جلد ختم ہوتی جا رہی ہے اور کتنی جلد آپ دوسری دُنیا میں ہوں گے۔ وقت کا پورا مقصد یہی ہے، یعنی اس دُنیا کی فنایت کو یاد رکھنا اور آخرت کی آمد کو کبھی فراموش نہ کرنا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی یوں تشریح فرمائی ہے: "وقت وہ چیز ہے جو نہ کشش سے حاصل ہوتی ہے، اور نہ بازار میں فروخت ہوتی ہے تاکہ عاشق جان دے کر اُسے خرید سکے۔ اور نہ ہی انسان کو یہ طاقت ہے کہ اُسے لاسکے یا رفع کر سکے۔" اس لئے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ: "الوقت سیف قاطع" "وقت کاٹنے والی تلوار ہے" کیونکہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اور وقت کا بھی یہی کام ہے کہ انسان کو ماضی اور مستقبل سے علیحدہ یعنی بے خبر کر دیتا ہے اور آج یا کل کی فکر سے آزاد کرتا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکمت بھرے الفاظ ہمیں بتاتے ہیں کہ: "یہ دنیاوی زندگی بھی ایک ایسی جگہ ہے جس میں نہ تو موت کو ٹالا جاسکتا ہے اور نہ ہی ماضی کو واپس لایا جاسکتا ہے۔ آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کو اس زندگی کی کھیتی سے وہ فصل کاٹنی ہے جو دوسری دنیا میں آپ کے لئے فائدے مند ہو۔"

آپ کرم اللہ وجہہ نے ایک باریہ بھی فرمایا تھا کہ: "یہاں کسی کی زندگی ہیں ہر گزرنے والی دن اُس کے عرصہ حیات سے ایک دن کم ہونے کے مترادف ہے۔ جب موت زندگی کا ایک قدرتی انجام ہے، تو ہم تا فنائیت کی اُمید کیسے رکھ سکتے ہیں؟" آئیے رقم سے بھری ایک تھیلی کی مثال لیتے ہیں جو آپ کی ہے۔ فرض کیجئے کہ اس تھیلی میں وہ تمام پونجی موجود ہے جو آپ زندگی بھر خرچ کر سکتے ہیں۔ اس میں نہ تو ایک پیسہ بڑھایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایک پیسہ واپس آسکتا ہے جو آپ خرچ کریں گے۔ تو پھر آپ اُسے کیسے استعمال کریں گے؟ آپ میں سے اکثر اتنی دولت دیکھ کر خوش ہوں گے اور شروع میں کئی لوگ اس کا کچھ حصہ ضائع بھی کریں گے، لیکن جیسے

ہی آپ کو محسوس ہوگا کہ رقم ختم ہو رہی ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ فضول خرچی سے پرہیز کرنے لگیں۔ ہر سمجھدار آدمی اس رقم کو ممکنہ حد تک زیادہ دیر تک خرچ کرنے کی کوشش کرے گا اور اُسے انتہائی ضروری چیزوں پر خرچ کرے گا۔ وہ پانی پانی بڑی احتیاط سے خرچ کرے گا، یعنی وہ اس رقم کا بہترین استعمال کرے گا جو اُسے دی جائے گی۔ لیکن اگر آپ اس مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ آپ اللہ کی دی ہوئی نعمت، یعنی وقت کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، تو آپ کو احساس ہوگا کہ آپ میں سے اکثریت کو اس کی قدر نہیں معلوم ہے اور وہ اسے بے دردی سے ضائع کر رہے ہیں۔

وقت ایک ایسی نعمت ہے جو اُن سب کو بلا امتیاز دی جاتی ہے جو اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ وقت کی تھیلی میں وہ تمام لمحے، گھنٹے، مہینے اور سال موجود ہیں جو ایک انسان اپنے عرصہٴ حیات میں خرچ کرتا ہے۔ اب یہ اُس آدمی پر ہے کہ وہ اسے کس طرح خرچ کرتا ہے اور کہاں اسے استعمال کرتا ہے۔

اکثر اوقات تو لوگوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وقت دراصل اُن کیلئے ایک نعمت ہے۔ وہ اُسے ضائع کرتے ہیں۔ وہ اُسے غلط استعمال کرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات وہ اُسے ایسی سرگرمیوں پر خرچ کرتے ہیں جو انہیں کبھی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، نہ اس دنیا میں اور نہ اُس دنیا میں۔ ہرگزرتے دن کے ساتھ اُن کی وقت کی تھیلی میں کمی آتی ہے، لیکن اس کے باوجود دنیا والے اپنا وقت کھیل تفریح میں گزارتے ہیں۔ اُن کو احساس نہیں کہ گزرا وقت واپس نہیں آتا۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ آپ ایک پیسے کا کھانا خریدیں یا کارڈ گیم

کا ایک پیک خریدیں۔ وہ پیسہ جو آپ نے کھانے پر خرچ کیا، وہ آپ کو یقیناً تو انائی بچتے گا۔ لیکن وہ پیسہ جو آپ نے کارڈ گیم پر صرف کیا اُس سے آپ کو مشکل سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ بالکل اسی طرح وقت کو بڑی احتیاط سے خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ اول تو وقت کا دورانیہ بہت محدود ہے، اور دوسرا یہ کہ کسی کا وقت کب ختم ہوگا، کسی کو نہیں معلوم ہے۔ یہ وقت کو نہایت قیمتی اور اہم بناتا ہے۔

انسان کی زندگی میں سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے وسائل کے خاتمہ کو ہمیشہ یاد رکھے تاکہ جیت تک وہ وسائل ہیں، وہ انہیں دانائی سے استعمال کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”موت سے پہلے، اپنی زندگی کا بہترین استعمال کرو، بیماری سے پہلے اپنی صحت کا بہترین استعمال کرو، مصروف ہونے سے پہلے اپنے وقت کا بہترین استعمال کرو، غریب ہو جانے سے پہلے اپنی دولت کا بہترین استعمال کرو، بوڑھا بن جانے سے پہلے اپنی جوانی کا بہترین استعمال کرو۔“

زندگی نہایت قیمتی ہے اور ایک انسان کے لئے وقت اُس کی زندگی ہے۔ اس کا وقت اس کی سالوں کی تعداد ہے۔ ہر ایک سانس کو سونے کا ایک ٹکڑا سمجھیں۔ ہر ایک سانس اُمید کی ایک سانس ہو سکتی ہے۔ تو بہ اور ذکر کی سانس ہو سکتی ہے۔ یہ انسان کو دوزخ کے برے سے اٹھا کر جنت میں لے جا سکتی ہے۔

ایسی قیمتی ہوتی ہیں انسانی سانس، یعنی وقت اور زندگی جو اللہ نے ہر ایک انسان کو بخشی ہیں۔ وہ ہر لمحہ جو رضائے الہی میں گزارتا ہے، وہ گزارے جانے والا بہترین لمحہ ہوتا ہے، لیکن نافرمانی میں گزری ہر سانس قطعاً ضائع شدہ سانس ہے۔ اُس وقت

کا خیال کریں جب آپ کا دم لبوں پر ہوگا، جب آپ میں سے ہر ایک اپنی آخری سانسیں لے رہا ہوگا۔ کب وہ دقت آئے گا، اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

جب آپ کے کندھوں پر لا علمی کا اتنا بھاری بوجھ لدا ہو، تو آپ اپنی زندگی میں اتنے بے فکر اور مطمئن کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لئے شب و روز کوشش کیوں نہیں کر رہے ہیں، آخرت کے لئے زادِ راہ کیوں جمع نہیں کر رہے ہیں، اور میزان کیلئے نیک اعمال کیوں جمع نہیں کر رہے ہیں؟

ہر سانس جو آپ لیتے ہیں وہ دراصل آپ کو موت کے قریب تر لے جاتی ہے۔ آپ کے دقت کے خاتمے کے قریب تر۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ وہ تمام مغرور لوگ جو سمجھتے تھے کہ وہ کبھی نہیں مرے گے، انہوں نے اپنی زندگیاں کیسے گزاریں، کیسی بڑی عمارتیں بنائی گئیں، کیسے بڑے منصوبے بناتے گئے؟ وہ سب کہاں گئے؟ اور ان کے دلوں کی کتنی تمنائیں پوری ہوئیں؟

بے شک وہ سب کے سب مٹی کا نوالہ بن گئے۔ وہ کیڑوں کی غذا بن گئے، اور ان کے عملات دوسروں کے لئے نشانِ عبرت بن گئے۔ انہوں نے کس طرح اپنا قیمتی وقت ضائع کیا اور انفوس کہ انہوں نے قیمتی سانسیں ضائع کیں۔ آج وہ دنیا میں واپس آنے کے لئے اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہیں تاکہ اپنی غلطیاں سدھار سکیں۔ آج وہ ضائع شدہ دقت کو واپس لانے کے لئے اپنا سب کچھ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن کیسی بدنصیبی ہے کہ وہ اب کبھی واپس نہیں لوٹیں گے۔ وہ اب کسی صورت میں اپنی حماقت کا ازالہ نہیں کر سکیں گے۔

آپ سب جو زندہ ہیں بڑے خوش قسمت ہیں کیونکہ زندگی ایک نعمت ہے۔  
یہ آپ کی وقت کی تھیلی ہے۔ یہ وہ قیمتی شے یا مال ہے جو ہر سانس کے ساتھ کم ہوتی  
جا رہی ہے۔ دانا لوگ موت کو کبھی فراموش نہیں کرتے، اور بھلا کون اس سچائی کو بھول سکتا  
ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے موجود ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک  
اس زمین پر آخری جاندار نہیں مر جاتا۔

ایک مرتبہ ایک فلسفی نے اپنے ساتھیوں کو لکھا کہ: ”اے میرے بھائی! اس  
جہاں میں موت سے خبردار رہو دوسری دنیا میں جانے سے پہلے جہاں تم موت کیلئے  
ترسو گے مگر اُسے نہیں پاؤ گے۔“ روایت ہے کہ ایک بار اُسامہ ابن زیاد نے ایک کینز زید ابن  
تابد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۱۰۰ دینار میں خریدی اور قیمت کی ادائیگی ایک ماہ بعد طے پائی تھی۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمانے لگے: ”کیا آپ کو اُسامہ پر حیرت نہیں ہوتی  
جو خریدنے کے ایک ماہ بعد ادائیگی کرے گا؟ واقعی اُسامہ لمبی اُمیدیں باندھتا ہے۔  
”اسکی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں نے کبھی یہ سوچے بغیر آنکھیں  
بند نہیں کیں کہ آنکھیں دوبارہ کھول سکوں گا اس سے پہلے کہ اللہ میری روح قبض  
کر لے اور نہ ہی انہیں کھولا اس یقین کے ساتھ کہ میں انہیں دوبارہ بند کر سکوں گا مرنے  
سے پہلے۔ اور نہ ہی کبھی میں نے کوئی نوالہ منہ میں رکھا ہے یہ سوچے بغیر کہ موت آنے سے  
پہلے کیا میں اسے نکل سکوں گا۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اے آدم کی اولاد! اگر تم میں سمجھ بوجھ ہے  
تو خود کو مردوں میں شمار کرو، کیونکہ اُس ذاتِ واحد کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان

ہے، کہ وہ تم تک آپہنچے گا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور اُس سے بچ نہیں سکو گے۔“  
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ ان کا معمول تھا کہ وہ اپنے خطبات  
 میں کہا کرتے تھے کہ: ”کہاں ہیں وہ صاف خوبصورت چہروں والے جو اپنی جوانی میں  
 خوش و مگن رہتے تھے؟ کہاں ہیں وہ بادشاہ جنہوں نے شہرِ لیسائے اور انہیں قلعہ بند  
 کر کے مضبوط کئے؟ کہاں ہیں وہ جو جنگ کے میدانوں میں فتح مندرہے تھے؟ وقت کا دھارا  
 انہیں بہا لے گیا اور وہ اپنی قبروں کے تختوں کے پیچھے کھو گئے۔ تو جلدی کرو اور خود کو بچاؤ۔“  
 دانا لوگ کہتے ہیں کہ جب انسان دُنیا اور اُس کی لذتوں اور نسبتوں کو چاہنے  
 لگتا ہے، تو اُن سے الگ ہونے کا غم اس کے دل پر بہت بھاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ  
 موت کے خیال سے گریز کرتا ہے۔ جب خاص حالات میں کبھی موت اور اُس کے لئے  
 تیار رہنے کا سوال اُٹھتا ہے، تو وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”ابھی تو تمہارے بالغ ہونے میں کافی دقت ہے، بعد میں تو جبر کر سکتے ہو۔“

اور پھر جب وہ بالغ ہوتا ہے تو کہتا ہے: ”نہیں، ابھی نہیں، جب تک کہ بوڑھے نہ بن  
 جانا۔“ لیکن جب وہ ایک بوڑھا آدمی بن جاتا ہے تو کہتا ہے: ”نہیں، ابھی نہیں، جب  
 تک کہ اس مکان کی تعمیر مکمل نہ ہو جائے، یا اس سفر سے واپسی تک، یا اپنے بیٹے کے لئے  
 ایک گھر مہیا کرنے تک۔“ تو اس طرح وہ متواتر خود کو دھوکہ دیتا ہے اور دقت کو روز بروز  
 ٹالتا رہتا ہے اور اس طرح ایک ایسے لمحے پر اس کا مقدر اُسے پھین لیتا ہے کہ جب  
 اُسے اس کی اُمید نہ ہو۔

دوزخ کے باسیوں کی تواتر سے سُنی جانے والی پکار ”میں کر دوں گا“ ہوگی۔

”افسوس ہم پر ان الفاظ کی وجہ سے“ وہ چیخیں گے۔ (اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں نے ہر وقت اپنے دنیاوی مستقبل میں امیدیں لگائی ہوتی تھیں اور ان کی آنکھیں فقط دنیاوی خواہشات پر جمی رہتی تھیں، یعنی مجھے یہ حاصل کرنا ہے، مجھے وہ حاصل کرنا ہے وغیرہ.....)۔

کسی بھی انسان کی تمام تر ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ ایک تمنا کی تکمیل سے دوسری جنم لیتی ہے۔ ان اُمیدوں کی بنیاد حُبِ دُنیا اور اس کی آسائشیں ہیں، جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو فراموش کرتے ہیں: ”محبت کرو چاہے کسی سے بھی، کیونکہ تم اُسے یقیناً چھوڑ دو گے۔“

اور کیا یہ بھی جہالت کا ایک مسئلہ نہیں کہ ایک آدمی اپنی جوانی پر اعتماد رکھے اور سمجھے کہ جب تک وہ جوان ہے، موت اُس کے قریب نہیں ٹپکے گی۔ یہ بد نصیب اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ اگر اس کے ملک کی بوڑھے لوگوں کی آبادی کو شمار کیا جائے تو ان جوانوں کی تعداد ملک کی مجموعی آبادی کے ایک دسویں (1/10) سے زیادہ نہ ہوگی۔ ان کی تعداد اتنی کم اس لئے ہے کہ موت جوانی کے ایام میں زیادہ عام ہے۔ ہر ایک بوڑھے شخص کی موت کے بدلے ایک ہزار بچے اور جوان مر جاتے ہیں۔

کاش یہ بے خبر اس حقیقت کو جانتے کہ موت کا وقت جوانی، ادھیڑ عمری یا بڑھاپے کے لئے متعین نہیں ہے، اس میں موسم سرما یا موسم گرما کی تفریق نہیں ہے، موسم بہار اور خزاں کی تفریق نہیں، یادن اور رات کی تخصیص نہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتا تو اس کی آگاہی میں اضافہ ہوتا اور وہ خود کو اس کے لئے آمادہ کرتا۔



کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ یہ سوچے کہ موت اس پر منڈلا رہی ہے لیکن وہ یہ نہ سوچے کہ یہ اُس پر آن گریے گی جب تک کہ وہ موت کے منہ میں چلا نہیں جاتا۔ وہ کئی جنازوں میں شریک ہو رہا ہوگا بغیر یہ سوچے کہ ایک دن اُس کا اپنا جنازہ بھی اٹھایا جائے گا۔ تاکہ موت کی حقیقت کو فراموش نہیں کیا جائے،

انسان کو ہر گھڑی اپنے اعضاء اور بیرونی ساخت کو دیکھنا چاہیے، اُس کے خیالات کو اس پر مرکوز رہنا چاہیے کہ کس طرح یہ بدن منوں مٹی کے نیچے جائے گا اور کس طرح یہ مٹی بن جائے گا، اور یہ کہ عذابِ قبر کیسا ہوگا، اور منکر نکیر کے سوالات کیسے ہوں گے، 'روزِ عشر کی دہشت کیسی ہوگی اور حشر میں پکارے جانے کی صدا کیسی ہوگی۔ تیمی قبیلہ کے سہالو کی روایت ہے کہ: "ایک مرتبہ میں عامر بن عبداللہ کے قریب بیٹھا تھا جب وہ عبادت میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنی نماز ختم کی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

"مجھے سکون سے رہنے دیں، آپ کا کیا کام ہے، میں جلدی میں ہوں۔" میں نے پوچھا: "اتنی جلدی کیوں؟" انہوں نے جواب دیا: "موت کے فرشتے کے باعث۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔" پھر میں اٹھا اور وہاں سے چلا آیا۔ اور وہ اپنی عبادت میں پھر لگ گئے۔

اس طرح اللہ کے مومنین کے دل اس قدر موت کے خیال کے قریب ہوا کرتے تھے۔ اُن کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک لحظہ اللہ کے لئے ہوتا تھا۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے ملک الموت کی آمد کے خوف سے۔ ایسے لوگ آخر دنیا کی

لذتوں میں اپنے دل کیسے لگا سکتے ہیں؟ یہ اللہ کے سچے بندے تھے۔ جنت کے مومنین تھے۔  
 ایک شخص نے اپنے برادری والوں کو لکھا: ”اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو  
 یہ دُنیا ایک خواب ہے، جیکہ دوسری دُنیا آگاہی ہے، دونوں کے درمیان موت کی سرحد  
 ہے۔ اس طرح ہم بے ترتیب (خلط ملط) خوابوں میں ہیں۔ خُدا حافظ“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا: ”یہ دُنیا  
 آپ کے لئے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مسکن ہے جو اللہ نے بنایا ہے  
 اور جو اللہ کے حکم سے ختم ہو جائے گا۔ اُسی کے اُمر سے اس کے باشندے یہاں سے  
 گزر جائیں گے۔ کتنے خود اعتماد لوگ بوسیدہ ہو جائیں گے، اور کتنے خوش باش  
 باشندے بہت جلد گزر جائیں گے۔“

اس لئے اپنے سفر کو اپنی بہترین سواری کی مدد سے خوشگوار بنائیے اور  
 توشہ اکٹھا کیجئے، بے شک بہترین توشہ اللہ کا خوف (تقویٰ) ہے۔ یہ دُنیا ایک سلتے  
 کے سوا کچھ نہیں جو سکڑتا اور غائب ہوتا جا رہا ہے۔ جب ابن آدم اس دُنیا کی عظیم  
 خوشیوں کی خاطر مقابلہ کرتے ہیں، تو اللہ اُسے اُس کے مقدر کے ذریعے بلاتا ہے،  
 پھر اُسے موت کے تیرے گھائل کرتا ہے اور اُسے اُس کے اعزازات اور دُنیاوی مال  
 سے محروم کر دیتا ہے، اس طرح جو کچھ اُس نے بنایا تھا، کھایا تھا، اُسے دوسرے لے  
 لیں گے۔ یہ دُنیا درحقیقت ایک پل کی خوشی ہے اور طویل مایوسی ہے۔“

زندگی کی گھڑی کے کانٹے مسلسل چل رہے ہیں، اور ایک لمحے کے لئے بھی  
 نہیں رکتے تمام لمحات، گھنٹے اور ماہ و سال بس گزر رہے ہیں، اس کانٹے کو کون روک

سکتا ہے یا اس دنیا کے وقت کو کون پکڑ سکتا ہے۔ جب اللہ کے نبی اور اللہ کے عاشقین  
چلے گئے ہیں، تو پھر کون پیچھے رہ سکتا ہے؟

کاش آپ سب اپنی آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ: ”کہیں آپ اپنی زندگی  
میں کوئی خسارے کا سودا تو نہیں کر رہے۔؟“ وقت کو پکڑنے کا واحد طریقہ دوسری دنیا  
کے لئے اُس کی سرمایہ کاری ہے۔ اُسے یادِ الہی میں لگائیں، اُسے ذکرِ اللہ اور ذکرِ  
محبوب میں لگائیں۔ فقط یہ ہی طریقہ ہے وقت سے اچھی فصل کاٹنے کا۔ بے شک  
دانا لوگ اس نصیحت پر عمل کریں گے اور احمق لوگ سوتے ہی رہیں گے۔

سے تھکی ہاری ہوں میں پیتا کی ماری

بھلا اُس پار کے کیا بھید پاؤں

مجھے بھی ساتھ لے چل میرے مانجھی

بھٹک کر اس کنارے رہ نہ جاؤں

یہ جانے والے میری زندگی ہیں

انہیں میں کس طرح روکوں مناؤں

ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے عشق و قرب عطا

فرمائے اور پاکستان کی آزادی اپنی حفاظت میں رکھے اور پاکستان کو اسلام کا قلعہ

بنادے اور ہم سب کو سچا مسلمان بنادے۔

آمین

(ثم آمین)

## تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

• اللہ پر توکل

شروع اللہ کے بابرکت نام سے۔ سبحان وہ تیسع ہے جو اُس کے لئے کی جاتی ہے، اور اُس کے تمام اسمایاک ہیں۔ اور وہ بزرگ و برتر اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔

دُرود و سلام اللہ کے رسول ﷺ پر، وہ جو اپنے عاشقوں کے دلوں کے حکمراں ہیں، اور جن کی معصومیت اُن کے دل کا جمال ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اللہ کی راہ کے سالکین کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کے تمام عاشقوں کے لئے، اور یقیناً اُن کو اُن کی محبت کا بدلہ ہمیشہ ملے گا۔

جب اللہ بارش برساتا ہے تو کیا وہ فقط چند منتخب لوگوں یا صرف اُس کے عاشقوں پر برستی ہے؟ جب سورج چمکتا ہے تو کیا اُس کی کرنیں فقط چند لوگوں کو روشنی اور باقیوں کو تاریکی میں رکھتی ہیں؟ جب ہوا چلتی ہے اور فصل اُگتی ہے تو کیا وہ سب کو فائدہ نہیں پہنچاتی؟ اللہ سب کا رب اور پالن ہار ہے۔ جب وہ (رزق) عطا کرتا ہے، تو سب کو نوازتا ہے؛ وہ مومن اور کفر میں فرق نہیں کرتا؛ وہ اپنے اطاعت

گزاروں اور شیطان کے چیلوں میں فرق نہیں کرتا۔

لیکن ایسے لگتا ہے کہ آپ کے دور کے لوگوں نے اللہ پر اپنا ایمان کمزور کر لیا ہے۔ اُس پر اُن کے ایمان کو مضبوط تر ہونا چاہیے اور اُس کے لئے اُن کی دُعاؤں میں زیادہ قوت ہونی چاہیے۔ جیسے کہ شیر خُدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ: ”دل کی قوت کی اصل جُڑ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ہے اور اُس کی اصلاح کی اصل جُڑ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا ہے۔“

زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا بہترین طریقہ ہے۔ وہی آپ کی تمام مشکلات اور آپ کے تمام مسائل کا حل ہے۔ اُس کا قرب آپ کی زندگی کی راہ کو سیدھا اور آسان کر دیتا ہے۔ اس کے لئے واحد شرط صرف اُسی پر بھروسہ کرنا ہی ہے۔ ہر صبح آپ میں سے اکثر فجر کے وقت اُٹھ کر کہتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٥﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٤﴾ یعنی: ”تمہاری عبادت کرتے ہیں اور تمہی سے مدد مانگتے ہیں، دکھا ہمیں سیدھا راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے اپنی رحمتیں برسائی ہیں نہ کہ اُن کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔“

ان الفاظ کا مطلب ہے کہ آپ اپنے رب سے زندگی کے سب معاملات میں مدد کے طلب گار ہیں۔ آپ صرف اُسی پر توکل رکھتے ہیں، رزق کے لئے حفاظت کے لئے، اپنے بچوں، اپنے گھرانوں کے لئے اور دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے۔ اگر آپ ان الفاظ کے معنی پر غور کریں، تو یہ ایک نوبصورت دُعا ہے۔ یہ الفاظ اُس کی مدد

طلب کرنے کے لئے ہیں، آپچی زندگی کی تمام جہتوں میں طلبِ رحمت کے لئے ہیں۔  
 یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں آپ روزانہ ۳۸، یا ۴۰ مرتبہ دہراتے ہیں یعنی جب آپ اپنی بیچگانہ  
 نمازیں ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ فقط ان الفاظ کو دہرانا نہیں ہے بلکہ آپ نے اپنی  
 آنکھوں سے بھی دیکھا ہے کہ اس دُنیا میں اللہ کی رضا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ سارے  
 احکامات صرف آپ کے رب ہی کی طرف سے ہیں اور ہر چیز آپ کے رب ہی کی رضا  
 سے ہوتی ہے۔

وہ تمام لوگ جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا، یا جن کو طاقتور ہونے کا گھمنڈ تھا،  
 وہ سب منہ کے بل گر گئے۔ یہ وہ ہیں جو ابھی تک اپنے کہے پر اپنی زبانوں کو اپنے  
 دانتوں سے کاٹ رہے ہیں، اور وہ اپنی زبانوں کو اسی طرح کاٹتے رہیں گے، ابدالاباد  
 تک۔

فرعون کی شان و شوکت کہاں گئی، اُس کے عالی شان محلات کہاں گئے،  
 اور اُس کی محل نما کشتیوں کا کیا ہوا؟ اُس کا رعب و دبدبہ کہاں گیا؟ فرعون کی وہ  
 زبان کہاں گئی جو اُس کے لئے خدائی کا دعویٰ کرتی تھی، جہانوں کے رب ہونے کا  
 دعویٰ کرتی تھی؟ اس زبان نے اس قدر بڑا دعویٰ اس لئے کیا تھا کہ اُس نے اللہ پر توکل  
 کرنا فراموش کر دیا تھا۔ اس کے برعکس اُس نے خود پر بھروسہ کرنا شروع کر لیا تھا۔ اُس  
 کی پُرفریب اُنانے اُسے اپنی نگاہوں میں خدا بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زبان نے  
 اپنے اطراف کے لوگوں کو بھی فریب دینا شروع کیا۔ نفس کو اگر بے قابو چھوڑ دیا جائے  
 تو پھر وہ ایسے کھیل تماشے دکھا سکتا ہے جنہیں خود عقل بھی نہ سوچ سکے۔ لیکن نفس

اُسے یہ گمان دلاتا ہے کہ دنیا اُس کے قدموں میں ہے۔

اُنا آدمی کو اس خوش گمانی میں ڈالتی ہے کہ اُس کے پاس دُنیا کو چلانے کی قدرت ہے اور اُس سے عظیم تر کوئی نہیں ہے۔ یہ وہ غلط خوش گمانیاں ہی ہیں جو انسان کی آخرت کو برباد کرتی ہیں، جو اُسے دنیا و آخرت سے محروم کر دیتی ہیں، لیکن ایسے لوگ کس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے جبکہ اُن کی آنکھوں پر بے فکری کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور اُن کے دلوں میں بس غرور اور تکبر ہے لیکن سوچنے والی بات یہ ہے کہ ایک آدمی اتنے بڑے دھوکے میں کیوں رہے، یا فریب سے اس قدر اندھا کیوں ہو، کیا آپ کے خیال میں فرعون کو معلوم نہ تھا کہ وہ بے اختیار ہے، یا اُس کے قبضے میں کسی کا مقدر نہیں ہے؟ اُسے خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک عظیم ترین قوت ہے جو دنیا پر حکمران ہے لیکن فرعون کے تکبر اور حرص نے اُسے کچھ اور ہی نقشہ دکھایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پوری دنیا اُس کے قدموں میں آجائے، اس لئے اس نے اپنی طاقت پر بھروسہ کیا، اور اُس خود فریبی پر بھروسہ کیا جو اُس نے اپنے لوگوں کے گرد تانا ہوا تھا۔ اگر اُس کا تکیہ اللہ پر ہوتا، تو اُس کا دل موم کی طرح نرم ہوتا اور اُس کے طور طریقے دوسروں کے لئے رحمدلانہ اور کریمانہ ہوتے۔

یہ ہے فرق اللہ پر تکیہ کرنے والوں اور اللہ پر بھروسہ نہ کرنے والوں کے درمیان۔ وہ لوگ جن کا اللہ پر توکل نہیں ہے، اُن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ واقعات اُن کی مرضی کے مطابق ہوں، ایسا شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر حربہ استعمال کرے گا۔ اُس کی سوچ ہمیشہ یہ ہوگی کہ اُسے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ اُس کی اپنی صلاحیت کا

نتیجہ ہے۔ وہ اپنی تمام خوبیوں کے لئے صرف اپنا ہی شکر گزار رہتا ہے، اور اگر دوسرے اُس کے لئے کام کرتے ہیں تو وہ صرف اُس کے مقصد کے لئے ذرائع ہیں، یعنی اُس کے مقصد کیلئے استعمال ہونے والے اوزار۔

خود پر بھروسہ کرنے کا یہ عمل انسان کے دل میں بے اطمینانی اور خوف پیدا کرتا ہے۔ اس عدم تحفظ کے معنی ہیں کہ یہ شخص اگر دوسروں پر سوار نہ ہو تو اپنا رزق حاصل نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ دوسروں کے منہ سے نوالہ نہیں چھینتا تو وہ خود کس طرح کھائے گا؟ اس کے لئے خوف کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنی طاقت کا مظاہرہ نہ کرے تو وہ دنیا سے کوئی بھی شے حاصل نہیں کرے گا۔ وہ بھوکا، تنگ اور بے گھر ہو کر رہ جائیگا۔ یہ صرف اُس کی تدبیر ہے جو اُسے یہ سب فراہم کرے گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ دوسروں کے مال میں سے کھاتے ہیں۔ وہ دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں، اور جہاں ممکن ہو لوٹ مار کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ اُن کے خیال میں وہ خود ہی ہیں جو اپنے آپ کو رزق فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے یہ اپنے وقت کے فرعون بن جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک شخص جو اللہ پر توکل رکھتا ہے وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا۔ اُسے معلوم ہے کہ اُسے اپنے رزق کے لئے کام کرنا ہے، اور وہ اُس کا نتیجہ اپنے ذمہ پر چھوڑتا ہے۔ اگر اُسے رزق مل جاتا ہے تو وہ صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، وہ اس بات پر احسان مند ہے کہ اللہ نے اُس کے لئے وسیلہ پیدا فرمایا، اُس نے اُسے کام کے لئے صحت اور حکمت عطا کی ہے، اُس نے اُسے توفیق دی ہے کہ وہ اپنے گزارے کیلئے کام کر سکے۔ جب کبھی بھی اُسے زندگی میں مشکلات درپیش ہوں، یعنی جب اُس کا ہاتھ



تنگ ہوتا ہے یا اُس کی صحت گر جاتی ہو، یا خاندان کے تفکرات اُس پر غالب آجاتے ہوں، پھر وہ سمجھ جاتا ہے کہ یا تو یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے یا یہ مشکلات اُس کے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہیں۔ ایسے ہی وقت میں اللہ پر اس کا توکل اُسے زندگی کے نہ موافق حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت عطا کرتا ہے۔ اُس کی دعائیں شدت آجاتی ہے، اور اس کا صبر و تحمل اُس میں استحکام پیدا کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اُس کی دعائیں بے اثر نہ ہوں گی، اگرچہ یہ اللہ کی رضا پر ہے کہ یہ کب اور کس طرح قبول ہوں گی۔

یہ ہے ایک اللہ والے اور ایک دنیا والے کے انداز کے درمیان فرق۔ اللہ والے میں اطمینانِ قلب، سکون اور امن ہے جن سے اُس کی دنیاوی پریشانیاں ختم ہوتی ہیں، یہ سکون کہ اللہ اُس کے ساتھ ہے اور یہ اطمینان کہ جن چیزوں کا انکرا اللہ ہوتا ہے اُن کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

اس کے برعکس جب دنیا والے مشکلات میں پھنستے ہیں تو وہ اُسکے بارے میں دنیا بھر میں دوا دیکھتے ہیں، وہ آسمان سر پر اٹھالیتے ہیں اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اُن کی بے صبری اُنہیں اپنی مشکلات کو مٹانے کے لئے جلد بازی (شارٹ کٹ) لینے اور ناجائز ذریعے استعمال کرنے پر اُکساتی ہے، ایسا دل تنگ اور بے سکون ہوتا ہے۔ اس میں تفکرات، تشویش، افسردگی اور مایوسی ہے۔ ایسا دل دراصل قلب کی تمام بیماریوں کا مسکن ہے۔ ان بیماریوں میں چند ایک حُسد، تکبر، دھوکہ، فریب اور ریاکاری ہیں۔ ایسے لوگ اپنے مقاصد کے لئے دوسروں کو استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ دوسروں کے ساتھ اچھے ہوتے ہیں فقط اس لئے کہ اُن کے اپنے مفاد

ہیں ہے، لیکن جیسے ہی اُن کا مقصد پورا ہوتا ہے وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

وہ یہ بالکل ہی بھول جاتے ہیں کہ کسی نے اُن پر کوئی احسان کیا ہے۔ چونکہ وہ فقط اپنے آپ پر بھروسہ کرتے ہیں، اس لئے انہیں جو بھی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ اُسے اپنی قابلیت کا ثمر سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی بُرائی اُن پر پڑتی ہے تو پھر اُس کیلئے دوسروں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچتے کہ مصیبت خود اُن کی اپنی بد اعمالی کا نتیجہ ہو سکتی ہے، یا بدکاری کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ اُن کا غرور اور تکبر انہیں ایک ایسی جھوٹی دنیا میں رہنے پر مجبور کرتا ہے، جس میں ہر چیز اُن کے گرد گھومتی ہے اور وہ دوسروں پر خدا کی طرح حکم چلاتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہے کہ اُن کے ظلم سے کتنے دل چھلنی ہوتے ہیں اور اُن کا تکبر کتنی ایسی چیزیں لوٹتا ہے جو اس کی نہیں ہیں، وہ یہ بھول بیٹھے ہیں کہ وہ کتنے غیر محفوظ اور اُن کا وجود کتنا نازک ہے۔ تقدیر کا ایک ہی جھٹکا اُن کی شان کو خاک میں ملا سکتا ہے اور وہ لمحوں میں اوندھے منہ گر سکتے ہیں وہ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ کوئی اُن کی بد اعمالیوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور اُن کے دلوں کی سیاہی کو جانتا ہے؟

وہ (اللہ تعالیٰ) خاموش کیوں ہے، صرف اس لئے کہ اُس نے لوگوں کی رستی دراز کی ہوئی ہے، تاکہ اُن کا نامہ اعمال جی بھر کر اُن کی بد اعمالیوں سے بھر جائے اور اُن کے فریب کو انہیں اپنے جال میں پھانسنے کا زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے۔ یہ ہوتا ہے اُن کے ساتھ وہ اپنے ہی جال میں پھنس جاتے ہیں، اور ایک بار جو وہ اللہ کی گرفت میں آجائیں تو پھر کون انہیں اُس کے ہاتھ سے چھڑا سکتا ہے؟

صرف اللہ ہی ہے جو زرق دیتا ہے، پالنہا رہے اور جو اپنی مخلوق میں سے ہر ایک کی ضروریات کو جانتا ہے اسی نے سب کو پیدا فرمایا ہے اور وہی جانتا ہے کہ سب کے لئے بہترین کیا ہے۔ یہ تو فقط انسانی دل میں موجود جسد بازی اور بے صبری ہے جو انہیں بتاتی ہے کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہیں، یادہ اس آزمائش میں تنہا ہیں اور ان کی مدد کے لئے کوئی نہیں ہے۔ وہ ان نعمتوں کا حساب بھول جاتے ہیں جو اللہ نے انہیں عطا کی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ تمام نعمتیں ان کا حق تھیں جو انہیں ملنی چاہیے تھیں۔

اگر آپ جانتا چاہتے ہیں کہ آپ سب پر کتنی عنایتیں کی گئی ہیں، تو جا کر ایک نابینا سے پوچھیں کہ صحت مند آنکھیں کیسی نعمت ہیں، یا جا کر اُس آدمی سے دو سلامت ٹانگوں کی نعمت کے بارے میں پوچھیں جو ٹانگوں سے معذور ہے اور چل پھر نہیں سکتا۔ یا پھر بس ددمنٹ کے لئے اپنی ناک اور منہ بند رکھیے اور پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے جب ہو آپ کے پھیپھڑوں تک نہ پہنچے، چاہے صرف ۲ منٹ کے لئے ہی۔ ان تمام نعمتوں کے لئے آپ کتنے پیسے خرچ کرتے ہیں اور دنیا کی ان اچھی چیزوں کے بدلے آپ اللہ کی کتنی عبادت کرتے ہیں؟ جب آپ نے اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں کو نہیں کما یا ہے اور نہ ہی کما سکتے، تو پھر یہ گھمنڈ اور غرور کس بات کے؟ آپ خود اپنے لئے کیوں جیتتے ہیں؟ اور آپ کے ذہن میں یہ جھوٹا تصور کیوں ہے کہ یہ نعمتیں اور آپ کی کامیابیاں جن کے قصے آپ سب کو سناتے رہتے ہیں یہ سب آپ کے اپنے زور بازو کا نتیجہ ہیں۔ یا یہ سب آپ کی اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہے۔

آپ کی شکرگزاری کہاں گئی، کہاں گئی آپ کی انکساری اللہ کے آگے؟ صرف منہ سے شکر ادا کرنا اور دل سے نہیں، اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا صرف یہ کہہ دینا کہ: ”میرا اللہ پر توکل ہے“ اور دل سے ناماننا، اس سے بھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اگر شکر دل سے ادا ہوتا ہے تو پھر وہ سب اعضاء اللہ کے حضور عجز و انکساری میں جھک جائیں گے۔ پھر دل زخم و گداز ہوگا اور آنکھیں دوسروں کے لئے مہربان اور شفیق ہوں گی۔

شکر صرف اللہ کے لئے ہے، اور یہ صرف اللہ ہی ہے جو شکر کا بدلہ دیتا ہے۔ یاد کرو کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا تھا: ”اللہ کی ابدی رحمت آخر میں ہمیشہ درد کو دوا میں بدلتی ہے، غم کو علاج میں، اور تباہی کو خوشحالی میں بدلتی ہے۔ جب یہ اُس کے انبیاء اور اولیاء اور اُن سب تک پہنچتا ہے، جو ہر معاملے میں اپنا رخ اُس کی طرف موڑ لیتے ہیں اور جن کا توکل اُس کی عجیب نعمتوں پر ہے، وہ ایک لمحے کے لئے بھی لغزش نہیں کھاتے۔“

اللہ انسان کی آزمائش کے لئے اس پر آفتیں بھیجتا ہے۔ جب اس سے تنگ آکے چور ہوتے ہیں، تو اُن کے دشمن اُن کا مذاق اڑاتے ہیں کہ: ”تم تو اپنے اللہ کی بے کراں رحمت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے! اب دیکھو اپنا حال! کتنے بد حال اور تنہا ہو چکے ہو! تمہارا بچانے والا تمہارے لئے کیا مدد بھیج رہا ہے؟“

اللہ کے سچے عاشقین جواب دیں گے: ”جی ہاں! ہم کمزور اور ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور ہماری زمینی رُوح کے باعث ہم دکھی ہیں (لیکن) اس کے باوجود ہم اپنی رُوح کی گہرائیوں میں ایک مضبوط یقین رکھتے ہیں جو ہیرے کی طرح سخت اور چمکدار ہے

کیونکہ اللہ کا وعدہ یاد ہے اور ہم اُس پر یقین رکھتے ہیں جو مجسم انصاف ہے۔ وہ اس زہر کو چینی میں بدل دے گا وہ ان تکلیف دہ تاریکیوں کو موسم بہار کی روشنیوں میں بدل دے گا اور وہی اپنے محتاط ہاتھوں سے شکتہ مقدر کو دوبارہ جوڑے گا۔“

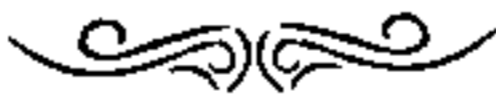
خوشخبری ہے اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اور رکھنے ہی جائیں گے۔

عاشقین کا میاب ہوئے، اللہ کی نصرت عام پہنچائی ہر ایک غم و الم کے بدلے، ہر ایک تضحیک اور ستم کے بدلے، (اور) انہیں ہزاروں زرخیز بھلائیاں ملی ہیں۔ انہیں ہر ایک جدائی کے بدلے ہزاروں محبتیں ملی ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”کھنڈرات میں مرادوں کے گلاب کھلتے ہیں۔“

دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنی نوازی ہوئی تمام نعمتوں کے لئے خلوص دل سے اپنا شکر گزار بنائے، اللہ ہمیں مسلمان بنائے، اُمتِ محمدی میں پیدا کرنے اور مرشدِ کابل عطا کرنے پر خلوص ہدیہ و تشکر پیش کرنے کی توفیق دے جنہوں نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اس طرح مضبوط بنائیں کہ کوئی طوفانِ آخر اُسے ہچکولے نہ دے سکے۔

آمین

(ثم آمین)



## صبر و توکل اور آخرت کی تیاری

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نہایت رحم والا اور بڑا مہربان ہے، وہ جو تمام عالمین کا رب ہے، وہ جو سب کے دلوں کو جانتا ہے، اور جو اُن دلوں کا پاسبان ہے۔ درود و سلام اللہ کی رحمت پر، اُس کے نبی و مکرّم پر، اور اللہ کی رحمتیں اُن کے اہل بیت اور اُن کے صحابہ و اکرام پر بھی ہوں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب پر اور آپ کے پیاروں پر۔ سلامتی ہو اُن سب پر جو یہ جانتے ہیں کہ محنت کے اسباق کو سیکھنے کا بہترین ذریعہ راہِ طریقت ہے۔

کچھ دن سخت اور کچھ آسان ہوتے ہیں۔ وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا۔ ہر مشکل کے ساتھ آسانی آتی ہے اور ہر آرام کے ساتھ سختی اور مشکلات ہوتی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ”جب سختی انتہا تک پہنچتی ہے تو آسانی پیدا ہوتی ہے، اور جب بلا کی گراہیں کستی ہیں تو امید کی کرن چھوٹی ہے۔“

صبر اور توکل اللہ کی دو نہایت خوبصورت نعمتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی زندگیوں میں امید کے چراغ روشن کرتی ہیں جن کی زندگیاں سختیوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔

صبر، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا امتیازی شعار ہے۔ صبر وہ تلوار ہے جو

رنج و غم کی زنجیروں کو کاٹتا ہے۔ اُمید ایک نئے دن کے طلوع کی طرح ہے، صبح کی پہلی  
 کرنوں کے مانند جو ایک نئے آغاز کی علامت ہیں۔ ہر نیا دن اُمید ہے، اُمید کے غم والی  
 رات ختم ہوئی اور ایک نیا دن حالات کو بدلنے کا پیش خیمہ ہوگا۔ اُمید دعا کا نتیجہ ہے، وہ  
 دعا جو خلوص دل اور پروردگار پر پورے ایمان کے ساتھ نکلی ہو۔

کیا ہر چیز جو واقع ہوتی ہے آپ کی تقدیر کا نتیجہ نہیں ہوتی؟ مجھے بتائیے کہ وہ  
 تقدیر کس نے لکھی ہے؟ کیا وہ آپ کا رب نہیں ہے، زبردست قوت والا، نہایت رحم والا  
 جس نے آپ سب کو پیدا فرمایا ہے، جو سب کو رزق فراہم کر رہا ہے، اور جو ہر وقت آپ کا  
 خیال رکھتا ہے؟ کیا یہ وہی نہیں ہے جو ہر وقت آپ سب کی دعائیں سنتا ہے اور آپ سب  
 کا اکیلا رازق کون ہے؟ تو پھر اتنی نا اُمیدی کیوں ہے اور آپ کے دلوں میں اتنی گھٹن  
 کیوں ہے؟ آپ اللہ اور اُس کی ربانیت پر بھروسہ کیوں نہیں رکھتے؟ آپ میں سے  
 اکثر پریشان اور فکر مند ہیں، دن رات اپنی زندگی کے لئے کوشاں ہیں، اپنی آمدنی کیلئے  
 کوشاں ہیں، اپنے بچوں کی پرورش اور لوگوں سے اپنے تعلقات کو قائم رکھنے کے لئے  
 کوشاں ہیں۔ جب کوئی اچھائی آپ کو دی جاتی ہے تو آپ اُسے اپنے زور بازو کا نتیجہ  
 سمجھتے ہیں۔ لیکن جب کوئی مصیبت آتی ہے تو آپ اللہ پر اُس کا الزام ڈالنا شروع کر دیتے  
 ہیں۔ ایسی ہے آپ کے ایمان کی کمزوری۔ یہی وجہ ہے آپ کے بنجیل ہونے کی،  
 آپ اپنے پیسے اس خمیال سے اپنے دانتوں میں دبائے رکھتے ہیں کہ اگر آپ  
 نے کسی کو دیدیئے تو پھر کل آپ کیا کھائیں گے؟ دینے میں نہ صرف آپ کا دل تنگ ہے، بلکہ  
 یہ رشتوں کے معاملات میں بھی تنگ ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے سے کمزور تر لوگوں پر حکومت

کرتے ہیں، حکم چلاتے ہیں اور اُن سے بُرا سلوک کرتے ہیں۔ آپ رشتوں میں برابری قائم نہیں رکھتے۔ آپ کی زندگی کا پلڑا ہر وقت آپ کے اپنے مفاد کے لئے بھاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کے ماتحت ہیں، چاہے وہ آپ کے بچے ہوں، آپ کے جیون ساتھی ہوں، آپ کے بوڑھے والدین ہوں، یا آپ کے غریب رشتے دار وہ سب اپنے لئے آپ کے رویے میں کوئی نرمی نہیں پاتے۔ آپ کی زیادہ تر مشکلات کا باعث بھی آپ کا اپنا یہی رویہ ہے۔ (یعنی) آپ کا اپنا غیر متوازن طریقہ زندگی ہے۔

اگر آپ کھاتے ہیں تو بے تحاشہ کھاتے ہیں، اگر آپ پیسے کے پیچھے دوڑتے ہیں تو پھر وہ آپ کی زندگی کی ددڑ بن جاتی ہے۔ اگر آپ آسائشوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، تو پھر آپ تمام عمر یہی کرتے ہیں۔ اللہ کے تمام مومنین کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ تمام لوگ آخر کہاں گئے جن کی جبینیں اللہ کے نور سے دکھتی تھیں اور جن کا گوشت و ہڈیاں خوفِ خدا سے تھر تھر کا پنتا تھا؟ جن کے قلوب اُن کے اللہ کے سامنے ہر وقت سجدہ ریز ہوتے تھے، اور جن کی پیٹھ اپنے اطراف کے لوگوں کی مدد کیلئے جھکی رہتی تھی؟ کیا ایسے لوگ مطمئن زندگی نہیں گزارتے تھے۔ کیا اُن کا کھانا اور لباس مناسب نہیں ہوتا تھا اور کیا اُن کے سردوں پر ساٹھان نہیں ہوتا تھا؟

ایک مومن اور آج کے ایک عام مسلمان میں فقط یہ فرق ہے کہ ایک مومن کو کل کی ہرگز فکر نہیں ہے، لیکن آج کا آدمی تفکرات کی ایک لمبی فہرست لئے ہوئے ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ایک مومن اللہ سے ڈرتا ہے جبکہ آج کا انسان دنیا سے ڈرتا ہے۔ مومن کے دل میں سکون اور اطمینان ہے، یعنی کابل سکینت، جبکہ آپ



کے دور کے لوگ زندگی کی فکر و پریشانی میں جکڑے ہوئے ہیں روزانہ جب وہ صبح اُٹھتے ہیں، تو انہیں روزگار کی فکر ستاتی ہے، انہیں اس نئے دن کی فکر ہوتی ہے۔ اکثر اوقات تفکرات بے بنیاد ہوتے ہیں۔ وہ فکر مند اس لئے ہوتے ہیں کہ انہیں فکر کرنا پسند ہے۔ وہ فکر مند اس لئے ہوتے ہیں کہ ان کی اپنی بد اعمالیوں اور خود غرضیوں نے ان کی زندگیوں کو اُلجھا دیا ہے۔

ایک لمحے کے لئے ذرا اپنی زندگیوں کا موازنہ دنیا میں رہنے والی دوسری مخلوق سے تو کیجئے۔ جب کوئی پرندہ جاگتا ہے، تو پہلا کام جو وہ کرتا ہے وہ ہے اپنے رب کی حمد و ثناء۔ پھر وہ اڑ کر چلا جاتا ہے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے غذا تلاش کرنے اللہ ان تمام پرندوں کو رزق دیتا ہے۔ وہ تمام کیڑے مکوڑوں، پھلیوں، ریگنے والے جانوروں اور ان کو بھی دیتا ہے جنہیں آپ ننگی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے۔

آپ نے ایسا کب دیکھا ہے کہ آپ کے رب نے اپنی کسی مخلوق کی کفالت نہیں کی ہو، یا وہ ان کی دیکھ بھال سے قاصر رہا ہو۔ کیا آپ نے کبھی کسی پرندے یا جانور کو اختلاجِ قلب یعنی (ہارٹ اٹیک) سے مرتے دیکھا ہے اس فکر میں کہ انہیں اگلا کھانا کب نصیب ہوگا۔ یا کیا آپ نے ان کو مستقبل کے فکر اور اندیشے سے مرتے دیکھا ہے۔ یہ سب مخلوق جانتی ہیں کہ ان کو اپنی غذا کے لئے کام کرنا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ بلندیوں اور لہندیوں میں کھانا تلاش کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کی فکر نہیں ہے کہ ان کا اگلا نوالہ کہاں سے آئے گا۔

آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ حتیٰ کہ چھوٹے طفل اور بچے بھی ہر وقت مطمئن رہتے

ہیں۔ وہ کھیلتے ہیں، سُکراتے ہیں، اور ہنستے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اُن کی پیشانیوں پر اس بناؤ پر شکن اُبھرتے دیکھا ہے کہ اُن کے لئے دودھ کی نئی بوتل کب آئے گی یا اُنہیں اگلے چند گھنٹوں میں کون کھلائے گا۔ جب یہ معصوم بچے پریشان نہیں ہوتے تو پھر آپ سب دنیا کے لئے کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اس دنیا کے لئے پریشانی شیطان کا ایک دوسرا ہے۔ یہی ہے جو یہ بات آپ کے دل میں ڈالتا ہے کہ پیٹرول کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں (تو آپ اپنا کھانا کہاں سے حاصل کریں گے؟ یہ وہی ہے جو آپ کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ میں کمپنی کے اکاؤنٹ میں سے چند روپے کیوں نہ لے لوں، ورنہ میں اپنے اخراجات کس طرح پورے کروں گا۔ اُس کے خیالات اس حد تک نہیں جاتے ہیں کہ: ”اگر تنگی ہے تو وسائل بھی اللہ ہی پیدا کرتا ہے کمی میں برکت بھی وہی ڈالتا ہے، اور دل میں اطمینان بھی اُسی ہی کی دین ہے۔“

جب کسی انسان میں صبر اور اللہ پر توکل نہیں رہتا، جب وہ اپنے اگلے کھانے کے لئے فکر مند ہو جاتا ہے، تو وہ فکر و مایوسی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر اُسکے سوچنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے، اُس کے مزاج میں سختی آجاتی ہے اور وہ نہ جائز ذریعے پر اتر آتا ہے۔ اُس کی خوشی اُس سے چھین جاتی ہے، اُس کی دعائیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور اُس کی اُمیدیں مَر جاتی ہیں اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے، اور اس کے دل کی تنگی کے باعث وہ نشانِ افسوس بن جاتا ہے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے ارد گرد رہنے والوں کے لئے بھی۔ وہ نہ فقط خود کو تکلیف دیتا ہے بلکہ جو اُس کے اپنے ہیں اُن کو بھی تکلیف میں ڈالتا ہے۔ بد قسمتی سے انسان کو گھیری ہوئی ان تمام مصیبتوں کا سبب دنیا ہے۔ یہ

دنیا ہی ہے جس کے لئے وہ فکر مند ہیں؛ اپنے روزگار کے لئے، اپنے بچوں کے لئے، اپنے مکانات کے لئے، یا دنیاوی مستقبل کے لئے پریشان ہیں۔ انہیں کبھی بھی اپنے اعمال یا آخرت کی فکر نہیں ہے۔ اُن کو تو صرف یہ فکر ہے کہ اس دنیا میں کس طرح امیر بنا جائے۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ وہ اگلے جہان کے لئے کس قدر غریب ہیں۔ وہ اپنی حماقت میں اپنے بچوں کو بھی عاقبت کی زادِ راہ سے محروم رکھتے ہیں کیونکہ اُن کے بچے بھی بچپن سے ہی صرف اس دُنیا کی فکر کرنا سیکھتے ہیں۔

یہ لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دُنیا کو دُنیا داروں کے لئے چھوڑ دو۔ جس نے دنیا سے بقدر کفایت سے زیادہ لیا تو اس نے اپنی ہلاکت لے لی اور وہ محسوس نہیں کر رہا۔“ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: ”ابنِ آدم کہتا ہے ”میرا مال، میرا مال“ (تیرا مال صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کیا، پہن کر بوسیدہ کر لیا، یا صدقہ دے کر (آخرت کے لئے) باقی رکھ لیا۔“ پھر ایک دفعہ نبیؐ مقبول ﷺ نے یہ فرمایا، ”ابنِ آدم کے تین دست ہیں۔ ایک روح قبض ہونے تک اُس کے ساتھ رہتا ہے، دوسرا قبر تک اُس کے ساتھ رہتا ہے، اور تیسرا عشرت تک ساتھ جاتا ہے۔ روح قبض ہونے تک ساتھ رہنے والا اُس کا ”مال“ ہے، قبر تک ساتھ جانے والا ”اہلِ دُعیا“ ہیں، اور میدانِ عشرت تک جانے والا اُس کا ”اعمال“ ہے۔ حضرت علی بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”دُنیا شکلِ بدل کر میرے سامنے آئی، اس پر ہر طرح کی زیب و زینت تھی، میں نے کہا کہ: ”میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“ تو دنیا یہ کہنے لگی: ”اگر تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ تمہیں مجھ سے پناہ میں رکھے تو درہم

دینار سے نفرت کرتے رہو۔ یہی ساری دنیا ہے، کیونکہ درہم و دینار کے ذریعے ہی ساری دنیا تک رسائی ہوتی ہے، جس نے ان دونوں پر صبر کیا اُس نے گویا دنیا سے صبر کیا۔“ اسی طرح حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ کو بہت سال مال ملا، کسی نے کہا: ”کاش! آپ یہ اپنے بعد اپنے بچوں کے لئے جمع کر دیتے۔“ آپ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ میں اس مال کو اپنے رب کے پاس اپنے لئے جمع کر دوں گا، اور اپنے رب کو اپنے بچوں کے لئے چھوڑ رہا ہوں۔“

اسی طرح یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”موت کے وقت بندے پر اپنے مال کے سلسلے میں دو ایسی مصیبتیں آتی ہیں جو پہلوں نے اور پچھلوں نے کبھی نہیں سُنیں۔“ پوچھا گیا: ”وہ کونسی ہیں؟“ فرمایا: ”سارا مال بھی لے لیا جاتا ہے، اور سارے کے متعلق پوچھا بھی جاتا ہے۔“

تو پھر دیکھا آپ نے کہ دنیا کے لئے یہ محبت کتنی ظاہری ہے اور یہ محبت کس کس طرح انسان کی آنکھوں کو دوسری دنیا کو دیکھنے سے بند کر دیتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ: ”یہ دنیا دراصل دھوکہ ہے۔“ یہ دراصل دنیا کی محبت ہی ہے جو دلوں سے توکل کو ہٹا دیتی ہے، جو صبر کو بھاپ کر دیتی ہے، اور جو زندگیوں میں فکر اور افسردگی لاتی ہے۔ ایک زندگی جو فقط چند سالوں پر مشتمل ہے، اُس کو تو اتنی زبردست اہمیت دی جاتی ہے، لیکن وہ زندگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی اُسے مکمل نظر انداز کیا جاتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی اللہ کی کوئی دوسری مخلوق کو اتنا نادان اور احمق دیکھا ہے ذہن و قلب کے اعتبار سے؟ کہتے ہیں کہ ایک بار کسی بادشاہ کا عقاب اس کے محل

سے اڑ کر چلا گیا اور قرب و جوار کے ایک بڑھیا کے گھر پر جا کر اُترا۔ بڑھیا نے عقاب کے بڑے بچوں اور پھیلے ہوئے پردوں کو کاٹ کر چھوٹا کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ: ”کس بیکار انسان کے پاس اب تک تم رہے ہو جس نے تمہیں ایک تمیم بنا کر چھوڑا ہے۔“ وہ عورت یہ نہیں جانتی تھی کہ عقاب کے لمبے ناخن اور بڑے پر اُس کی خوبیاں ہیں جو شکار کھیلنے کے لئے ضروری ہیں۔ عقاب میں کمالیات کی ایک علامت کو بڑھیا نے ناواقفیت کی وجہ سے کمزوریاں خیال کیا۔ ناخن اور پردوں کو کاٹ کر اُس نے عقاب کو ناکارہ بنا دیا۔ اس دوران بادشاہ عقاب کو تلاش کرتا رہا۔ ایک دن وہ تلاش کرتے عورت کے گھر پہنچا۔ عقاب کو اس حالت میں دیکھ کر وہ رونے لگا۔ عقاب نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا: ”اے بادشاہ! میں اپنے آپ سے شرمندہ ہوں میں توبہ کرتا ہوں اور آپ سے ایک نیا وعدہ کرتا ہوں۔“ دانا کہتے ہیں کہ: ”دنیا اُس بڑھیا کی طرح ہے جو کوئی بھی اس کے پاس اُتر آتا ہے وہ بالکل اسی طرح بے توقیر اور احمق بن جاتا ہے جو کسی نادان سے دوستی کرتا ہے اُس کا انجام بھی اس عقاب جیسا ہوگا جو اس بڑھیا کے ہاتھوں ہوا۔“

اے اُمتِ محمدی! اس خطاب کے کئی اخلاقی پہلو اور نصیحتیں ہیں۔ بس اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ میں سے کتنے اس سے سبق لینا چاہتے ہیں اور کتنے انہیں سنتے ہیں اور پھر گھر جا کر بھول جاتے ہیں۔ اس کا اولین اخلاقی نتیجہ یہ ہے کہ پریشانی اور افسردگی کا تعلق اللہ کے مومنین سے نہیں ہے۔ وہ دراصل شیطانی دوسے ہیں جو اس وجہ سے پیدا کئے جاتے ہیں تاکہ صبر و توکل دلوں میں داخل نہ ہو

پائیں۔ اگر کسی کی تشویشِ آخرت کے لئے ہے تو یہ اُس کیلئے بہترین ہے، لیکن بد قسمتی سے آپ میں سے اکثر کی پریشانی اس دُنیا کے لئے ہے۔ مثلاً جب وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا اُن کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے، تو وہ رونے اور چیخنے چلانے لگ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں پھر وہ پریشانی اور افسردگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرِ مبارک کا ٹھوکرا تھی، وہ اب آپ کے زمانے کے لوگوں کے سر کا تاج ہے۔ کتنے بڑے خسارے کا سودا آپ لوگوں نے کیا ہے اور اپنے اور اپنے بچوں کے بارے میں یہ کیسی احمقانہ اُمیدیں آپ نے باندھ رکھی ہیں۔

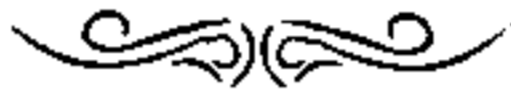
اے اُمّتِ محمدی! اللہ آپ کو یہ سب بتاتا رہے گا۔ اُس کی یہ صدا اُن سب دلوں کے لئے ہے جو اس ہنگامہ خیز دور میں سُورہ رہے ہیں، عظیم طوفان کے دور میں جو آپ کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ آپ کے خیال میں اور کتنا وقت رہ گیا ہے جب زبردست دجالی موجیں اُن لوگوں کو ہٹپ کرنے کے لئے تیار ہوں گی جو ان ہلاکت خیز وقتوں سے بے خبر ہیں؟

گھڑیوں کی سوئیاں بڑی تیزی سے چل رہی ہیں اور دنیا کے حالات اس سے بھی زیادہ تیزی سے بدل رہے ہیں۔ صرف وہ ہی لوگ خود کو بچا سکتے ہیں جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے قابل ہوں۔ مگر افسوس، اکثریت اُن لوگوں کی ہوگی جو اپنے مہلنے خوابوں میں بے خبر سو رہے ہوں گے۔ فکر صرف اپنی آخرت کی کریں۔ فکر اس بات کی کریں کہ آپ اپنے مستقبل کے لئے کیا سو رہے ہیں؟ فکر اس بات کی کریں کہ آپ کس طرح خود کو اور اپنے گھرنے کو اُس تباہ کن طوفانِ آخر سے بچائیں گے۔ آپ کے

تفکرات یہی ہونے چاہئیں نا کہ یہ کہ میں کل کہاں سے کھاؤں گا یا میں اپنے بیٹے کے لئے مکان کیسے بناؤں گا۔ یاد رکھیے یہ وہی زمانے ہیں جن کے بارے میں اللہ کے پیغمبروں نے اپنی اُمتوں کو خبردار کیا تھا، یعنی زبردست تباہی اور فتنے کے زمانے سے۔  
اللہ ہم سب کو طوفانِ آخر کے شر سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

آمین

(ثم آمین)



## زَمان (وَقْت)

• آخری دن کا منظر

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس نے زمان (وقت) کو پیدا فرمایا اور اُسے امتحانات اور آزمائشوں کی زنجیروں سے باندھ رکھا ہے۔ اُس نے یہ وقت دُنیا کو دیا ہے تاکہ اس دنیا میں رہنے والوں کے لئے ایک عارضی مسکن بن سکے۔ بے شک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

دُرود و سلام نبی و خاتم الزماں پر جو آخری اُمت کے رسول ہیں جو زم دل والے ہیں اور اُن سب کے لئے مہربان ہیں جو اُن سے نسبت رکھتے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے گھرانوں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن خوبصورت دلوں کے لئے جو فقط اپنے رسول کے عشق میں جیتے ہیں۔

”وقت“ اُس دنیا کا ایک حصہ ہے۔ یہ دراصل اس دُنیا کے مختلف ادوار کو ناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ یہ اس زمین کی عمر کو ناپتا ہے، یہ مختلف موسموں اور اُن کی میعاد کو ناپتا ہے۔ یہ اس بات کو ناپتا ہے کہ ایک بچہ کب پیدا ہوا اور ایک آدمی کب مرتا ہے، یعنی یہ زندگی اور موت کے درانیئے کو ناپتا ہے، تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وقت پیمانے کا ایک جز ہے۔ تمام تخلیقات وقت کے ساتھ جاری ہوئی ہیں۔ وہ اپنے وقت سے پہلے اس دُنیا میں نہیں آسکتیں اور بالکل اسی طرح اپنے وقت سے پہلے اس جگہ سے جا نہیں سکتیں۔ وقت



بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے آپ اپنی مٹھی میں ریت پکڑے ہوئے ہیں، آپ چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اس ریت کو باقی رکھنے کے لئے، تمام ریت کے ذرات آپکی انگلیوں کے رینچوں سے پہرے نکلنے ہیں۔ وقت کی مثال ایسی ہی ہے۔

یہ پانی کی طرح ہے جو اُبلنے پر بھاپ بن جاتا ہے۔ اللہ نے اپنی تمام تخلیقات میں گھڑیاں لگا رکھی ہیں۔ یہ گھڑیاں اُس وقت چلنا شروع کرتی ہیں جب وہ تخلیق دنیا میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ ایک خاص دورائے تک چلتی رہتی ہیں، اور پھر ایک مقررہ وقت پر چلنا بند کر دیتی ہیں۔ ”وقت“ دراصل اُس تخلیق کے عرصہٴ حیات کو ناپ رہا ہوتا ہے اور جب وہ تخلیق اپنی حیات کے اختتام کو پہنچ جاتی ہے، تو اس کا کام رُک جاتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی اُس شخص کی سانس بھی رُک جاتی ہیں۔

”وقت“ ایک نہایت ہی قیمتی شے ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کسی جاندار کے پاس باقی کتنا وقت بچا ہے۔ آپ نے ایک ایسا تو منذر (سناور) درخت دیکھا ہوگا جس کی جڑیں زمین کے اندر کئی کئی گز پھیلی ہوئی ہوں گی۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ آپ کے بچوں کے بچے اس درخت کے سائے میں کھیلیں گے۔ تو گویا ایک لحاظ سے آپ اُس درخت کی قوت اور عرصہٴ حیات پر بھروسہ کر رہے ہوتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ دوسری صبح جاگیں گے تو آپ پائیں گے کہ وہ درخت گزشتہ رات کی طوفانی ہوا کے شدید تھپیڑوں سے اُکھڑ کر زمین بوس ہو گیا ہو۔ وہ درخت جو بظاہر سینکڑوں برس تک زندہ رہ سکتا تھا، غیر متوقع طور سے محض ایک ہی رات میں ٹوٹ کر گر گیا۔ بالکل اسی طرح جب ایک آدمی پر درش پاتا ہے تو وہ اپنے ماہ و سال کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔

وہ اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا منصوبہ بناتا ہے، وہ نہ صرف اپنے مستقبل کی منصوبہ سازی کرتا ہے، بلکہ اُن تمام لوگوں کے مستقبل کی بھی جو اُس کے زیرِ کفالت ہیں۔ مگر وہ کس طرح اتنی طویل اور تفصیلی منصوبہ بندی کر سکتا ہے جبکہ اُس کے پاس خود اپنی اگلی سانس کی ضمانت نہیں رجب ایک بچہ جنم لیتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اُس کی زندگی کتنی ہوگی، یا وہ اس دنیا میں اپنے پورے عرصہٴ حیات میں کیا کچھ حاصل کرے گا۔

وقت اس دنیا میں رہنے والے ہر ایک کو غیر یقینی صورت حال میں رکھتا ہے۔ تاہم ایسا لگتا ہے کہ دُنیا والے وقت کو ایک مختلف زاویے سے لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے خاتمے میں ابھی کئی برس باقی ہیں۔ وہ ایسا ہی سوچتے ہیں چاہے اُن کی عمر ۱۵ برس کی ہو یا ۵۰ برس کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ ایسا اُس وقت بھی سوچتے ہیں جب وہ اپنے ۸۰ کے لپیٹے میں یا ۹۰ کے لپیٹے میں ہوتے ہیں۔ زندگی کے لئے اُن کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اُن کے خیال میں موت اُن کے سوا، باقی سب کے لئے ہے۔ یہی سبب ہے کہ موت کا خوف اُن کے دلوں سے صاف کر دیا گیا ہے۔ وہ دل جو موت سے نہیں ڈرتا، اُسے اپنی عاقبت (موت) کا کوئی غم نہیں۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کرے گا کہ وہ اپنے اعمال کے لئے کسی کو جوابدہ ہے۔ اُس کا دُعا باز ذہن اُس سے دھوکہ بازی کرے گا اور اُسے کہے گا کہ وہ کئی سال آگے کی منصوبہ بندی کرنا جاری رکھے، لیکن وہ منصوبے صرف اس دنیا سے متعلق ہوں گے، اُس کے خیالات اس زمین پر اُس کی اپنی زندگی پر مرکوز ہوں گے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمین ہی ایسی واحد جگہ ہے جسے وہ اپنے حواسِ خمسہ سے دیکھتا ہے۔ وہ رنگوں، چہروں اور فطرت

کے سُسن کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور پیاروں کی موج مستیوں کی آوازیں سنتا ہے، اُسے مال و دولت کی تازہ خوشبو آتی ہے۔ وہ مزیدار کھانے چکھتا ہے، اور اپنے جسم پر نرم ریشم اور کشمیرے کی لمس محسوس کرتا ہے۔ بس یہی زندگی اُسے منظور ہے کیونکہ یہی اُسے اُس کے ۵ سو اس دیکھاتے ہیں۔

اس نے اپنی چھٹی جس کو مکمل طور سے بند کیا ہوا ہے، یعنی اپنی روحانیت کی جس کو جو اُس پر غیب کی دُنیا کے سُر بستہ رازوں کو کھولتی لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ آج کا انسان ان تمام چیزوں سے الگ رہنا پسند کرتا ہے صرف اس لئے کہ یہ اُس کے آرام و آسائش میں خلل نہ ڈالے۔ اُسے یہ خوف ہے کہ اگر اُس نے غیب کی دُنیا کو چُن لیا تو وہ اس زندگی کی بہت ساری آسائشوں سے محروم ہو جائیگا۔ اُس کا دل پھر سازش کر کے کہتا ہے: ”تمہیں کیسے معلوم ہے کہ ”آخرت“ میں تمہیں کتنا ملے گا؟ یہ بہتر نہیں کہ تم اس دنیاوی زندگی کے مزے لوٹو، اور اس سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرو؟“ یہ الفاظ اُس شخص کو واپس اُس کی میٹھی نیند کی طرف لوٹاتے ہیں اس حقیقت سے بے خبر کہ اُس کے اندر کی گھڑی تیزی سے چل رہی ہے۔

ابھی چند ہی سال پہلے وہ ایک بچہ تھا، پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے آزاد بچہ یہ بچہ ایک نوجوان میں بدل گیا، قوت و جذبے سے بھرپور۔ مگر وقت ہمیں پر نہیں رُکا۔ جلد ہی یہ نوجوان ایک پختہ بالغ شخص میں پروان چڑھا ڈھیر ساری ذمہ داریوں کیساتھ، اپنے اکثر معاملات میں خود فیصلہ کرنے والا۔ وقت یہاں بھی نہیں رُکا۔ یہ پختہ بالغ جوان بھی ایک ادھیڑ عمر کے دانا شخص میں بدل جاتا ہے، جو اتنا زیادہ متحرک نہیں لیکن پھر بھی

اپنے دنیاوی معاملات میں دانا۔ (معلمند)

کیا وقت کسی بھی لمحے رُکا؟

اور بہت جلد وہ لوگ جو اس دنیا کی تازہ ہوا میں سانس لے رہے تھے،  
وہ گہری تاریک قبروں میں لپٹے ہوئے ہوں گے جہاں ان کے ساتھی فقط ان کے اعمال  
کے نتائج ہوں گے۔ وقت یہاں بھی نہیں رُکے گا، لیکن اس بار وقت دنیا کے وقت  
سے مختلف ہوگا۔ اعمال کے مطابق وہ وقت یا تو تکلیف دہ ہوگا یا پھر رُپسکون نیند والا۔  
لیکن یہ نیند بھی عارضی ہوگی، کیونکہ یہ نیند تو صرف اُس گھڑی تک کے لئے ہوگی، یعنی  
یوم حساب کے آنے تک۔

اگر آپ پیچھے جھانکیں گے تو کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ کے سارے  
سال یعنی آپ کا بچپن، آپ کا لڑکپن، آپ کی نوجوانی، یہ سارا دور پلک بھپکتے ہی گزر  
گیا؟ چاہے کوئی کتنی ہی کوشش کر لے وہ پھر بھی وقت کی ہوا کے ظالم تھپیڑوں کو  
نہیں روک سکتا۔ ہوا کا ہر تھپیڑا انسانی چہرے پر ایک اضافی جھڑی لانے کا باعث ہے۔  
یہ بالوں میں سیاہی کے بدلے سفید رنگ لانا ہے اور یہ بدن سے قوت کو ختم کرتا ہے جس  
سے آپ کی ہڈیاں کمزور اور اگڑ جاتی ہیں۔

اس کے باوجود آپ کے زمانے کے اکثر لوگوں کی لاپرواہی نہیں رکتی۔ لاپرواہی  
اور بے حسی جاری رہتی ہیں۔ کون ان کو روک سکتا ہے، یا کون ان کو کچھ سکھا سکتا ہے؟  
یہ صرف "وقت" ہوگا جو زندگی کی حقیقت ان کو دکھائے گا، لیکن افسوس! کیا اس وقت  
تک بہت دیر نہیں ہو چکی ہوگی؟ جب وہ چاہیں گے کہ کاش وہ "وقت" کو واپس لاسکتے

ہوں، یعنی اس دنیا کے اُس وقت کو جسے وہ کھیل کر دین اور اپنی حماقت اور نافرمانی میں برباد کر چکے ہوں گے، کیا وہ ”وقت“ کبھی واپس آسکتا ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی گھڑی کے کانٹوں کو اُلٹا گھومتے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے کبھی ماضی کے لوگوں کو اس زمین پر واپس آتے دیکھا ہے؟

جب کسی شخص کا ”وقت“ ختم ہو جاتا ہے تو یہ دراصل اُس کا زمینی وقت ہوتا ہے۔ حقیقت میں وقت تو آگے کی طرف بڑھتا ہی رہتا ہے، لیکن اس باریہ برزخ کا وقت ہے، وہ وقت جب جسم اور رُوح مل کر وہ سب کچھ کاٹیں گے جو انہوں نے اس زمین پر لویا ہے۔ یہ وقت انسر دگی کا بھی ہو سکتا ہے اور خوشی کا بھی۔ شرمندگی کا بھی اور سکون کا بھی۔ یہ وقت نکر و غم کا بھی ہو سکتا ہے اور سکینت اور امن کا بھی۔ اس کا انحصار آپ پر ہے، یعنی آپ کے مستقبل کا وقت کیسا ہوگا؟ لیکن وقت یہاں بھی نہیں رُکنا۔ یہ آگے کی طرف بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اس کے کانٹے اُس وقت تک حرکت کرتے رہیں گے جب تک کہ ”وہ گھڑی“ نہیں آتی، یعنی جب صُورِ اسرافیل پھونکا جائے گا۔ یہ اُس صُور کی آواز ہوگی جو دنیا کی تمام گھڑیوں کو پاش پاش کر دے گی۔ وہ وقت جب وقت (زمان) حقیقت میں رُک جائے گا ہمیشہ کے لئے، تا ابد۔ کیسا عجیب ہوگا وہ دن! اور کیسا خوف دہرا اس ہوگا اُس دن!

وہ جو اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں، وہ یہ سب کے معنی سمجھتے ہیں جو ابھی کہا گیا ہے۔ الفاظ اس دن کی دہشت کو شاید بیان نہ کر پائیں۔ وہ آپ کو پوری کہانی نہیں سنا سکتے۔ اُس دن کی شدت کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں، وہ دن جس سے

اللہ سے نسبت رکھنے والے ڈرتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین کے اُس آخری دن کی ہولناکی سے اہل عرش بھی کانپتے ہیں۔ آپ میں سے چند تو خوفزدہ ہیں، لیکن بیشتر لوگ وہ ہیں جو اس خیال سے مطمئن بیٹھے ہیں کہ: ”ابھی تو بہت وقت ہے، ابھی سے کیا فکر کرنا!“ کیا احمقانہ خیال ہے یہ، اور کیسا یہ مضبوط دوسوہ ہے شیطان کا! آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں کب مرنا ہے؟ اگر آپ کو اپنی زندگی کے تمام امور پر اتنا یقین ہے، تو کیا آپ کو اپنی موت کی تاریخ معلوم ہے؟ یہ بات تو وہ بھی نہیں بتا سکتے جو مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ کیا آپ نے کئی ایسے سخت بیمار یا قریب المرگ مریضوں کو بہتر ہوتے ہوئے، اور کئی بالکل صحت مند لوگوں کو قبروں میں اترتے نہیں دیکھا ہے؟

جب موت اس قدر غیر یقینی ہو، تو آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا ابھی وقت باقی ہے؟ آپ اُس وقت کیا کریں گے جب آپ اپنے معمول کا کام کر رہے ہوں، اور اچانک ملک الموت آپ کے سامنے آکھڑے ہوں؟ یہ ہے اُن کے آنے کا طریقہ۔ وہ بغیر خبردار کئے بجلی کی کوند (پلک جھپکتے) کی طرح آتے ہیں۔ اور جب وہ آجاتے ہیں تو آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ اُس وقت انسان کا واحد احساس شدید گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا ہوگا۔ آپ کی آنکھیں کھلی ہوں گی، لیکن اب آپ کو اُن دیکھی ہوئی دنیا بھی دکھائی دے گی۔ آپ کی زبان آپ کے حلق سے چپک کر رہ جائے گی اور آپ کا جسم حرکت نہیں کر سکے گا، تاہم آپ کا ذہن صورتِ حال سے بخوبی آگاہ ہوگا۔ وہ لوگ جو اس لمحے کے لئے تیار ہیں، جنہوں نے اپنے دن اللہ کی اطاعت میں گزارے ہوں، اُن کا ذہن انہیں فوری طور سے کلمہ پڑھنے کو کہے گا اس لئے کہ یہ کلمہ اُس وحشت اور سراسیمگی (حیران دہن پریشان)

کے عالم میں آپ کا واحد بچانے والا ہوگا۔

بدقسمتی سے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ کی نافرمانی میں گزاری ہوں،  
اُن کی زبانیں اور اُن کے ذہن مارے خوف کے بند ہوں گے، اُن کی سمجھ میں نہیں آئیگا  
کہ کیا کریں۔ اُن بد بخت لوگوں کے لئے وہ کیسا بد نصیب وقت ہوگا! کاش وہ اُس وقت  
کان رگا کر سنتے جب اُن کو بتایا جاتا تھا!

اے اُمتِ محمدی! اُس وقت سے ڈریئے جس سے سب کو ڈرنا چاہیے۔  
ہولناکی اور تباہی کی گھڑی سے ڈریئے۔ اُس دن کی بے نظمی اور انتشار سے ڈریئے۔ یوم  
حشر کی خوفناکی کی دہشت سے ڈریئے، جب کوئی بیٹا اپنے باپ کو نہیں پہچانے گا اور نہ  
ہی کوئی باپ اپنے بیٹے کو پہچانے گا۔ جب پیارے ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے،  
اور زندگی بھر کے دوست ایک لمحے میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جب  
باطل پاش پاش ہو جائے گا اور صرف حق اپنی چمک دمک اور پوری آن بان کے ساتھ  
باقی رہے گا۔

یہی وہ دن ہوگا، آخرت والا دن، وہ دن جو کئی لوگوں کے لئے شدید درد اور  
تکلیف کا دن ہوگا، لیکن اللہ کے عاشقین کے لئے سکون کا دن ہوگا۔ حشر کے دن کا  
آغاز صور کے ٹھونکنے سے ہوگا۔ یہ وہ مقام ہوگا جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ یہ انجام کا  
آغاز ہوگا۔ سورہ مدثر میں ارشادِ الہی ہے کہ: ”جب صور پھونکا جائے گا، وہ دن بہت  
مشکل دن ہوگا، کافروں کے لئے آسان دن نہ ہوگا۔“ (سورہ مدثر ۸ سے ۱۰)۔  
صور کی زبردست آواز سے پوری دنیا گونجنے لگی، اور کافروں کے دل کک

بے چینی یکا یک بوکھلاہٹ اور دہشت میں بدل جائے گی، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دہشت ایک ناقابلِ گمان حد تک بڑھ جائے گی۔ صور کی آواز کے ساتھ ہی زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس ہوں گے اور ایک بہرا کر دینے والا دھماکہ سنائی دے گا۔ ان چند لمحات میں زمین اپنی قدر کھو بیٹھے گی۔ رشتے دار اپنی عبتوں اور اُفتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ دولت بھری ہوئی ہوگی، لیکن کسی کو اُس کے پیچھے بھاگنے کا ہوش نہ ہوگا۔ اُس لمحے کسی کو بھی کسی چیز کی فکر نہ ہوگی سوائے خود کو سر پر منڈلانے والی اُس تباہی سے بچانے کی۔

”جب بہرا کر دینے والا دھماکہ ہوگا“ تو اُس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے۔ اس دن اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایسی فکر ہوگی جو اُسے سب سے بے پرواہ کر دے گی۔“

(سورہ عبس ۲۲ تا ۲۷)

ایک شدید جھٹکے کے بعد زمین اپنے سارے خزانے اُگل دے گی اور اپنے تمام راز ظاہر کر دے گی، جن میں سے کسی کی کوئی قیمت (قدر) نہ ہوگی اُس کے بعد ”جب زمین تھر تھرا دی جائے گی، جب اُس کا تھر تھرا نہ ٹھہرا ہے اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے، اور آدمی کہے گا، اسے کیا ہوا؟“ اُس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی، اس لئے کہ تمہارے رب نے اُسے حکم بھیجا۔ (سورہ الزلزال اتلاہ) یہ وہ دن ہوگا جب وہ سب جو اونچا اور طاقتور تھا، وہ نیچے آجائے گا، اونچی عمارتیں پاش پاش کر دی جائیں گی۔ فلک بوس مینار چکنا چور ہو کر بکھر جائیں گے، اور عظیم الشان پہاڑ چند ہی لمحوں میں خاک کے ڈھیر بن جائیں گے۔ ”تو جب صور پھونکا



جائے گا ایک دھماکے کے ساتھ، اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے اور ایک ہی  
 زور سے مارے جائیں گے۔ اُس دن، وہ ہونے والا واقعہ ہو کر رہے گا۔“

(سورہ حاکمہ - ۱۳ تا ۱۵)

”ہر روح یہ جانے گی کہ اُس نے کیا کیا ہے۔“ جب پہاڑ حرکت میں آئیں گے،  
 جب تھکی اور تھنیاں چھوٹی پھریں، اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے، (المنکوہ ۳ تا ۵)  
 ”اُس دن جب آدمی بکھرے ہوئے پودوں کی طرح ہوں گے، اور پہاڑ  
 ہوں گے، جیسے رنگ بزرگی دھنکی ہوئی اُون۔“ (سورہ القارعہ ۴ سے ۵)

اے اُمّتِ محمدی! الفاظ آپ کو اس دن کی زبردست ہولناکیوں کو بیان نہیں  
 کر سکتے۔ یہ درحقیقت وہ دن ہو گا جب وقت کی تمام گھڑیاں توڑ دی جائیں گی۔ اور جب  
 دنیا کے ریشب و روز کا خاتمہ ہو جائے گا جب تمام تقدیریں ختم ہو جائیں گی، اور جب وہ  
 سب کچھ جو کبھی بھی اس زمین میں رہا ہو، وہ بھی سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔ یہ ایک  
 خوف و وحشت کا دن ہو گا۔ آپ میں سے کتنے اُس دن کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہیں؟  
 آپ نے اُس دن پیش کرنے کیلئے کیسا تو شہداء اعمال تیار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے؟ یا آپ  
 لوگ ابھی تک سو رہے ہیں اپنے سہانے خوابوں میں، یہ سوچ کر کہ وقت اسی طرح چلتا رہے  
 گا آپ کے لئے اور آپ کے بچوں کے لئے؟ حیرت ہے آپ کے گمان پر اور حیرت  
 ہے آپ کی اس اُمید پر۔

دُعا ہے کہ اللہ ہمیں وقت (مہلت) دے تاکہ ہم خود کو آخرت کیلئے تیار کر سکیں۔

آمین



# صدا کے رحمت الہی

زیر سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شباب، خواجہ خواجگان، قطب العالم،  
فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

المعروف افضل سرکار